زبان اردو کا مایۂ ناز تذکرہ

موسوم بہ

آبِ بقا

مؤلفہ

خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت

مرتبہ

مرزا جعفر علی صاحب نشتر

باہتمام قطب الدین احمد پرنٹر و پبلشر نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

تمہید

ہندوستان مین کوئی ایسا شخص نہ ہوگا۔ جو اخبارات اور رسالجات دیکھنے کا شوق رکھتا ہو اور جناب مولوی منشی خواجہ محمد عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی کو نہ جانتا ہو۔ کوئی ایسا مشہور شاعر اور مستند انشا پرداز نہین ہے۔ کہ جو لکھنؤ مین آیا ہو اور ان سے ملاقات نہ کی ہو۔

ہندوستان کا کوئی مقتدر رسالہ ایسا نہین جس نے کوئی نہ کوئی مضمون خواجہ صاحب کا شایع نہ کیا ہو

عموماً نامور لوگ یا تو نثار ہوتے ہین یا شاعر۔ مگر ہمارے خواجہ صاحب مین دونون اوصاف بحدِ کمال موجود ہین آپ کی نثر سلک گوہر ہے تو نظم عقد ثریا۔ نثر آب حیات ہے تو نظم جامِ کوثر ایک موہن بھوگ ہے تو دوسری مَن و سَلوا۔ ایسے مرد میدان بہت کم ہین جو دونون معرکون مین دلیری کے ساتھ قدم رکھ سکین۔ خواجہ صاحب جس برجستگی کے ساتھ نظم کے دریا بہا دیتے ہین اسی مستند معلومات سے نثر کے میدان مین قدم رکھتے ہین۔ اسی واسطے آپ کی نظم و نثر دونون مقبول عالم ہین۔

آپ کا سلسلہ تلمذ خاندان ملک الشعرا اَمیر دہلوی سے ہے۔ اَمیر کے فرزند سید محمد عسکری عرف میر کلو عرش کے شاگرد رشید شیخ محمد جان شاد پیرِو میر لکھنوی آپ کے اُستاد تھے۔ پیرِو میر اس لئے مشہور ہوے کہ آپ گیارہ برس کے سِن مین میر کی خدمت مین غزل لے کر حاضر ہوے اُستاد نے دستِ شفقت شاگرد کی پیٹھ پر پھیرا اور اپنے فرزند کی شاگردی مین دیدیا۔ پیرو میر مشہور عروضی تھے۔ اور بغیر عروض و قافیہ پڑھائے کسی کو اپنا شاگرد نہین کرتے تھے۔ انہی تعلیم کا فیض تھا کہ رفتہ رفتہ خواجہ صاحب کا کلام مقبول عام ہوا۔ لوگ اس کی نقلین محفوظ رکھنے لگے اور بعض احباب نے مجھ سے اصرار کیا کہ اگر مختلف مضامین جمع کئے جائین تو دنیائے ادب مین ایک کثیر

اضافہ ہوگا مین نے کئی برس کی مشقت اور تلاش سے کلام مرتب کیا - میری ترتیب کی پہلی کتاب "سیر اودھ" ہے جس مین اودھ کے بادشاہون کے حالات، خاندان اودھ کے اُمرا کی کیفیت، محلات شاہی کی فیاضیان، لکھنؤ کی تمدنی حالت، شہر کی آبادی اور عمارات قدیم کا تذکرہ ہے - اس کے بعد "صرف نحو" کے مختلف مضامین مرتب کئے - چند مضامین اُردو کی حمایت مین لکھے تھے - ان کو علیحدہ مجموعے مین جمع کیا -

تعلیم نسوان کی غرض سے چند چھوٹے چھوٹے قصے سلیس عام فہم نثر مین خاص عورتون کی زبان مین لکھے تھے ان کو جُدا ترتیب دیا - اور اُس مجموعہ کا نام "ہمجولی" رکھا -

غزلین جسقدر مطبوعہ غیر مطبوعہ دستیاب ہوئین - اُن کو دیوان کی صورت مین لکھا -

ظرافت کے پیرایہ مین جتنے نظم و نثر مضامین شایع ہو چکے تھے اُن کو کتابی جامہ پہنایا - یہ کتاب جسکا نام "آب بقا" ہے لکھنؤ اور دہلی وغیرہ کے بعض شعرا کا مفصل اور جامع تذکرہ ہے - ان شعرا کے حالات تو اور مصنفون نے بھی لکھے ہین مگر خواجہ صاحب نے خاص تحقیقات سے مزید حالات بہم پہنچائے ہین اور کلام کا انتخاب شاعرانہ حیثیت سے کیا ہے -

آخر مین خواجہ عشرت صاحب کی نیچرل نظمون کا مجموعہ بھی اسی کے ساتھ شامل ہے - مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ بہت سے شعرا کے حالات اور بہت سی نیچرل نظمین جو مختلف رسالون مین شایع ہو چکی تھین دستیاب نہ ہوئین تاہم اس کتاب مین نظم و نثر کے بہت سے جواہر مجتمع ہین - اور اُردو زبان کے محاورات، اصطلاحات حاصل کرنیوالون کے لئے ایک عمدہ سبق آموز کتاب ہے - جو کچھ اس مجموعہ مین ہے سب ٹکسالی زبان ہے اور طلباء کیلئے بھی کارآمد ہے مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب ملک مین دلچسپی سے دیکھی جائیگی -

یہ شکر کا مقام ہے کہ خواجہ صاحب کی تصنیف مین سے ایک کتاب "زبان دانی" صیغۂ تعلیم گورنمنٹ بنگال نے تمام ہائی کلاسیس کے طلباء کیلئے منظور فرمائی -

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب بھی طلباء کے لئے کارآمد ثابت ہوگی اور صیغۂ تعلیمات مین داخل ہو جائیگی - طلباء کو اس کتاب سے نظم و نثر کا اچھا سبق حاصل ہوگا - خاصکر مختلف شعرا کے مستند کلام کے صنایع، بدایع، استعارات، تشبیہات، امثلہ، محاورات پر عبور حاصل ہوگا -

احقر مرزا جعفر علی نشتر عفی عنہ

سرائے میوہ - لکھنؤ

مورخہ یکم جنوری سنہ ۱۹۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آب بقا

شاہ اختر

ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان ابوالمنصور ناصرالدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زمان سلطان عالم محمد واجد علی شاہ اختر سابق شاہ اودھ اُردو کی ہر صنف مین قادرالکلام تھے اور نظم کے ہر صیغے مین آپ نے داد سخن دی ہے۔

شاہی مین مشاعرے نہایت شان وشوکت اور دھوم دھام سے ہوتے تھے۔ لال بارہ دری مین سہ پہر کو چمن بندی گل و فوارہ کی ہوتی تھی۔ کمرے مین تمام سامان عیش تیار ہوتا تھا دریچیان سبز، سرخ، کاشانی مخمل کی جن مین گز گز بھر کی جھالر نقرئی طلائی ٹنکی ہوئی چارون طرف گلدستے قرینے سے رکھے ہوئے۔ جھاڑ، جھابے، کنول، فانوس شام سے روشن ہو گئے۔ پردون مین بنت، گوکھرو، لچکا ٹنکا ہوا۔ چارون طرف قد آدم آئینہ بندی۔ مشاعرے عام نہ ہوتے تھے مشاعرے مین ہمیشہ اہلِ دربار شریک ہوتے تھے۔ اور کبھی خاص اعزائے بادشاہ مدعو ہوتے تھے شام سے مرزا خورم بخت بہادر نواب یحییٰ علی خان مرزا عظیم الشان نواب محمد تقی علی بہادر مرزا رفیع الشان بہادر نواب مجید الدولہ عظمت الدولہ مرزا سلیمان قدر بہادر دارا سطوت

مرزا حیدر نیشاپوری تشریف فرما ہوئے اور اپنے اپنے مراتب کے موافق دہنے بائین بیٹھے بیچ مین مسند پر بادشاہ جلوہ افروز ہین -

خواجہ سرا گنگا جمنی کشتیان جن میں بھاری پچکے گوٹے کے ہار الایچیان چکنی ڈلیاں عطر کے کنٹر رکھے ہوے مخملی کشتی پوش پڑے ہوے سب کے سامنے ایک ایک کشتی لگا گئے - بلا زمین اُٹھا لے گئے -

اس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا ہر ایک نے غزل پڑھی - اور یہ پُر لطف صحبت بارہ بجے شب تک ختم ہو گئی - اہل دربار کا مشاعرہ ہر مہینے مین ہوا کرتا تھا - اور یہ صحبت بہت ہی پاکیزہ اور پُر لطف ہوتی تھی - گرمی کے دن ہین شام سے لال بارہ دری کی چھت پر چھڑکاؤ ہو رہا ہے قناتین گھیری جاتی ہین پھولوں کے گلدستے مُنڈیروں پر رکھے جاتے ہین - مکلف فرش بچھایا جاتا ہے قناتوں پر بیلے کے ہار پھیلے ہوے ہین - اہل دربار اپنے قرینے سے مودب بیٹھے ہوے ہیں - یہ کون ہین ؟ مدار الدولہ علی نقی خاں بہادر وزیر، یہ کون ہیں ؟ فتح الدولہ بخشی الملک مرزا محمد رضا خان برق یہ کون ہیں ؟ آفتاب الدولہ قلق، یہ کون ہیں ؟ تدبیر الدولہ دبیر الملک منشی مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر، یہ کون ہین ؟ مقبول الدولہ احسان الملک کپتان مرزا مہدی علی خان ثابت جنگ قبول، اسی طرح تمام درباری تشریف لائے - اور اپنی اپنی جگہ پر فروکش ہوے - اتنے میں حضور جانعالم برآمد ہوے - تمام اراکین سرو قد کھڑے ہوئے اور بسم اللہ بسم اللہ کی صدا چاروں طرف سے آنے لگی - حضور مسند زرنگار پر باجاہ و جلال جلوہ افروز ہوئے - مشاعرہ دہنی طرف سے شروع ہوا اور مختصر غزلیں پڑھی گئیں - علی قدر مراتب ہر ایک کی تعریف ہوئی - سب کے بعد حضور نے اپنا کلام پڑھا اور مشاعرہ برخاست ہوا - روسا اور امرائے شہر کے بہت سے مشاعرے ہوتے تھے - مگر حضور کبھی کسی مشاعرے میں تشریف نہین لے گئے - فتح الدولہ برق، اور منشی اسیر نے بادشاہ کی اکثر غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں - جو مشہور عام ہیں - یوں تو بادشاہ کا کلام بہت ہے - مگر اس وقت ہمارے سامنے کلیات مبارک ہے -

حمد باریتعالیٰ

تری الفت میں ہر سلطاں کو رتبہ ہی گدائی کا	سوا تیرے کسے زیبندہ ہی دعویٰ خدائی کا
لگی ہو چوٹ جسکو عشق کی باتون میں اچھا ہو	زباں نے خاصہ پیدا کیا ہی مومیائی کا
پابند دل ہوا جو تمہارے خیال کا	ہر دم ہے پیش چشم تصور جمال کا

ہر عاشق دل سوختہ دیوانہ ہے اس کا — وہ شمع تجلے ہے یہ پروانہ ہے اس کا
بخش دے گا نامۂ اعمال کو ربِ کریم — دستِ عصیاں ہیں جو تو اپنا لکھا لے جائیگا

عارض کی صفت

عارض صاف ترا رشک قمر دیکھ لیا — جان سی آگئی جب ایک نظر دیکھ لیا
جو شب کو کوٹھے پہ وہ چاند بے نقاب آیا — چھپا ہلالِ فلک اس قدر حجاب آیا
بیاض رُخ سے آئینہ کی قلعی کھل گئی بالکل — سوادِ زلف پہ دھوکا ہوا ہے مجکو سنبل کا
آنکھیں سر نرگس ہیں رخسار رخِ گل ہیں — چٹواتا ہے ہونٹوں کو یہ سیب ذقن تیرا
رُخ اپنا ہم کو دکھلایا تو ہوتا — ذرا سورج کو شرمایا تو ہوتا
گالوں پہ جو اُس یار کے بالا نہیں رہتا — شب کو کبھی مہتاب پہ ہالا نہیں رہتا
اے آفتاب حسن ترا آفتابہ ہے — سورج کو منہ دُھلانے کا لوٹا بنا دیا

زیور کی تعریف

کان کی بالی سے دِل چھد کر ہوا ہی خار دار — ناک کا تنکا ہماری آنکھ میں کھٹکا کیا

عِشق و محبّت

اُلفت نے تری ہم کو تو رکھا نہ کہیں کا — دریا کا نہ جنگل کا ہوا کا نہ زمیں کا
مری زبان سے پوچھو مزا محبت کا — یہ خوب جانتی ہے ذائقہ محبت کا
نصیب فتح ہوا ہو مجھے شکست اختر — خدا بچائے ہوا سامنا محبت کا
دلِ گویا کو ترے عشق نے خاموش کیا — یادِ غیروں کی ہوئی مجکو فراموش کیا
محبت کا بندہ بنا لیجئے گا — مرا دل بھی نام خدا لیجئے گا
ابھی امتحانِ محبت نہ کیجئے — کبھی تیغ سے آزما لیجئے گا
مرا پُتلا بنا دے اے خدا الفت کی مٹی کا — بتوں سے تا نہ رہجائے کوئی پھر حوصلہ دل کا

دل کی حالت

عجیب کوچہ ہے اپنے جی کا کہ پاؤں ٹکتا نہیں خوشی کا
پتا نہیں اُسکی دل لگی کا یہ دل بھی معشوق ہے کسیکا

بلا دو دل جو بگاڑا بنائے گا پھر کیا؟
اُجاڑتا ہے رعیت بسائے گا پھر کیا؟

اتنی چاہت سے بھی دل بے سروساماں ہوگا
راحتِ کم کے سبب رنج فراواں ہوگا

دِل ہدف ہوگیا بے تیر کے سبحان اللہ
کیا کماں دار تھا وہ اور نشانہ کیا تھا

آنسو بہے رخسار پر
دل نے مجھے رسوا کیا

دنیا کی ہوس

ہوس بڑھتی ہے اتنی جسقدر یہ عمر گھٹتی ہے
ضعیفی کہہ رہی ہے کوئی کمسن ہو تو میں آؤں

گئی بہار نہ کر الفت زن و فرزند
خزاں چمن میں ہوئی موسم خضاب آیا

طالعوں نے پست کی آخر بلندی حرص کی
دفن ہمراہ خزانہ آپ بھی قاروں ہوا

فلک کی شکایت

ارمان دل میں رہ گئے بوس کنار کے
کیا چرخ نے بٹھا دیا مجھکو ابھار کے

متفرق

اندھیرا بزم میں تھا تو جو انجمن میں نہ تھا
چمن اُداس تھا اے گل جو تو چمن میں نہ تھا

ابھی لگائے تھے مہندی جو تم گلستاں میں
تمہارا پاؤں مرے دل میں تھا لگن میں نہ تھا

غرور کا جو کیا احتمال اختر پر
کلام کبر زباں پر نہ تھا دہن میں نہ تھا

اختر اُس بے مہر سے ناحق وفا کا دھیان تجھے
تو نے یہ کیسا خیالِ خام اے ناداں کیا

نہ کیونکر بلبل شیراز مرقد میں پھڑک جائے
جہاں قائل ہے اے اختر تمہاری خوش بیانی کا

مجھی کو واعظا پند و نصیحت
ذرا اُسکو بھی سمجھایا تو ہوتا

کچھ لطف خوشی ہے نہ مجھے خوف الم کا
حسرت ہے نہ راحت کی نہ دھڑکا ہے ستم کا

حیران ہوں میں ان دونوں ترجیح کسے دوں
ہستی کی تمنا ہے نہ کچھ خوف عدم کا

زور سے غیر نے آکر درِ جاناں مارا — دیو نے منہ پہ مرے تختِ سلیماں مارا
ان نگاہوں کے لئے ہما بہادر ڈھونڈو — دل کو مارا تو کوئی رستم و دستاں مارا
ہمارے سامنے جب شوخ مہ لقا آیا — گلے لگالیں یہی دل میں بارہا آیا
حیف ہے شہر خموشاں کا نہ کچھ حال کھلا — نہ وہ صورت نہ وہ سیرت نہ وہ احوال کھلا
در آیا جو سینے میں پھر غم نہ نکلا — جو سمجھو تو مجنوں سے میں کم نہ نکلا
جس نے تجھے پیدا کیا — اُس نے مجھے شیدا کیا

ازل لکھنوی

حکیم مرزا آغا حسن لکھنوی مرحوم نواب مرزا شوق کے بھائی تھے، اور نعمت خان عالی کی اولاد سے تھے۔ نہایت خوش گو اور خلیق خاندان آتش لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا یعنی میر وزیر علی صبا کے شاگرد تھے۔ ابتدائے عمر سے بتلاش روزگار پٹنہ کی طرف چلے گئے، کچھ دنوں حاجی شیخ بشارت حسین مرحوم آخر رئیس بہار کے یہاں شاعری کے سلسلہ میں ملازم رہے۔
پھر حاجی اقبال علی خاں دفا رئیس بہار کی معیت میں رہے، طبابت کا مشغلہ بھی جاری تھا، تخمیناً بیس برس کا زمانہ ہوا پٹنہ میں انتقال فرمایا، روزمرہ بہت اچھا تھا۔
اور کلام سہل الممتنع ہوتا تھا، پٹنہ اور اطراف میں آپکے بہت سے شاگرد تھے۔
دیوان یرکالہ آتش آپ سے یادگار ہے مختصر کلام درج ہے۔

آئے تھے کل وہ میری عیادت کیواسطے — یاں اور کچھ رقیبوں نے مشہور کردیا
شرمندۂ احساں نہ کیا مجکو غنی کا — اللہ بھلا کرے تو مری کم سخنی کا
سامنا حشر میں جس روز کسی کا ہوگا — حال کیا آپکا یا حضرت موسا ہوگا
او قیامت بیٹھ اپنا کام کر — کیا سمجھتے ہیں ترے آنے کو ہم
مزا پائیں گے کیا وہ جنت میں جاکر — جو دنیا کی لذت اُٹھائے ہوئے ہیں
مجکو ظالم مری پروا ہی نہیں — اس لئے دل تجھے دیتا ہی نہیں
یوں تو رہتی تھی در یار پہ بھیڑ — آج سُنتے ہیں کہ رستا ہی نہیں
گر نہیں دولت تو صدمہ کچھ نہیں — دل غنی رکھتے ہیں شکوا کچھ نہیں
برسوں وطن سے دور رہے بے نشاں رہے — ہمسے کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہاں رہے

خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی

زبان کے قواعد اور کلیات انہیں اصطلاحات و محاورات سے بنتے ہیں جن کا استعمال مستند فصحا کی زبان پر ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صرف و نحو زبان کے تحت میں ہے نہ زبان صرف و نحو کے تحت میں ہر زبان کا ایک مرکز ہوتا ہے باقی تمام صوبہ اس کے ماتحت ہوتے ہیں مرکز وہی شہر قائم ہوتا ہے جو سلطنت کا پایہ تخت ہوتا ہے اسی لئے کہ بادشاہ اپنے ملک کی زبان کی پرورش میں فیاضیاں کرکے علم کے مستند نثار اور شعرا کو جمع کر لیتے ہیں اور وہ زبان کو اپنے صحیح مذاق سے آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں اس لئے اکثر یہ ہوا ہے کہ پایہ تخت کے پاس زبان کا بھی دار السلطنۃ قایم ہوتا ہے۔ اردو زبان فی نفسہ ایک شیریں اور دلکش زبان ہے ہر زبان کے حرف اسمیں شامل ہیں اور یہ خود سنسکرت زبان سے ماخوذ کی گئی ہے اس کی خوبی اسمیں ہے کہ فارسی اور عربی ترکیبوں میں اضافتوں سے اسکو پاک صاف رکھا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اُردو علم ادب لکھنؤ میں دہلی سے آیا اور اس بدیہی امر میں انکار کرنا سخت احسان فراموشی ہے یا یہ کہئے کہ دہلی کا ٹکسال لکھنؤ میں اُٹھ آیا اس لئے کہ دہلی جن لوگوں سے عبارت تھی وہ سب شہزادے اور شاعر اپنی پختہ کلامی اور کہنہ مشقی کے زمانہ میں دہلی کو سلام کرکے لکھنؤ چلے آئے اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔ لکھنؤ کے دربار میں ان کی توقیر اور عزت حد سے سوا ہوئی۔ ملک الشعرا میر تقی میر لکھنؤ میں معہ اہل و عیال کے چلے آئے اور زندگی بھر مفتی گنج میں رہے اور اب بھی وہیں سو رہے ہیں۔ ملک الشعرا مرزا رفیع السودا لکھنؤ مینا بازار میں آکر بسے اور میر باقر سوداگر کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ انشاء اللہ خاں انشا لکھنؤ میں آئے اور رفراشخانہ میں رہے اور حسین گنج میں آئینہ بی بی کے باغ میں دفن ہوئے۔ میر حسن، میر خلیق، میر جعفر زٹلی، صاحبقراں۔ میر تقی، ہوس، میر سوز، طالب علی خاں عیشی، یہ سب کہاں رہے، کہاں دفن ہوئے، وطن چھوڑ کر غربت میں وہ آرام پایا کہ مرکے بھی لکھنؤ سے نہ نکلے۔ اس قدردانی کا یہ صلا ملا کہ لکھنؤ نقش ثانی بن گیا اور اب تک اسکا وقار زبان اردو کی تحقیق میں اتنا ہی ہے جتنا شاہی میں تھا۔

جب دہلی کے لوگ مرچکے تو خدا نے لکھنؤ کی سرزمین بھی ایسے لوگ پیدا کئے جن کی شہرت اور

زبان دانی کے نقارے تمام ہندوستان میں بج گئے۔ ناسخ اور آتش کا زمانہ لکھنؤ میں اردو علم ادب کی تاریخ کا زمانہ ہے۔ اس لحاظ سے آتش کے واقعات اور اُنکی اُردو کی مستقل خدمت کا احسان تمام ہندوستان پر ہے۔ اردو علم ادب کے ایسے محسن کا ذکر ہر طرح ملک کے لئے مفید ہے۔

خواجہ حیدر علی نام، آتش تخلص تھا۔ آبا و اجداد قدیم باشندے دہلی کے تھے۔ شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں ان کے والد خواجہ علی بخش درویش سالک (جو خواجہ زادوں کے خاندان سے تھے) دہلی سے فیض آباد آئے اور محلہ مغل پورہ میں قیام کیا۔ پیری و مریدی کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی پر اوقات بسر ہونے لگی۔ اس زمانہ میں دہلی اُجڑ رہی تھی۔ عالمگیر ثانی کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اب سوا اودھ کے اور کوئی مقام نہ تھا۔ جہاں آسایش سے بسر ہو سکے۔ تھوڑے زمانے کے بعد بکسر کی لڑائی میں شجاع الدولہ بہادر کو شکست ہوئی۔ جس کا رنج بہت کچھ ہوا۔ اس لحاظ سے کوئی شکست بکسر کا نام بھی نہ لیتا تھا اس اثنا میں فوج مغلیہ سے بادشاہ بدظن ہو چکے تھے آتے ہی تمام فوج کو برطرف کر دیا۔ مغل لوگ فیض آباد سے شاہجہان پور چلے گئے۔ اس سبب سے مغل پورہ بہت ویران ہو گیا۔ ہر چند مغلوں نے خواجہ علی بخش سے چلنے پر اصرار کیا لیکن خواجہ صاحب کی یہاں اچھی طرح بسر ہو رہی تھی۔ اس سبب سے کہیں نہ جا سکے۔ اس اثنا میں جناب عالی (نواب شجاع الدولہ بہادر) نے اپنے فرزند نواب آصف الدولہ بہادر کی شادی نواب خانخانان کی پوتی سے کی جسمیں چوبیس لاکھ روپیہ صرف کیا۔ یہ واقعہ ۱۱۶۸ھ کا ہے۔ یہ چہل پہل ہو رہی تھی کہ خواجہ علی بخش کے گھر میں خواجہ حیدر علی آتش پیدا ہوئے۔ باپ کی طرح گورے چٹے اور خوبصورت ابھی لڑکا اچھی طرح جوان نہ ہونے پایا تھا اور تعلیم بھی ناکمل تھی کہ باپ نے انتقال کیا۔ مزاج میں آوارہ گردی تھی اور سر پر کوئی مربی موجود نہ تھا۔ فوج کے لڑکوں کی صحبت میں آتش بانکے اور شورہ پشت ہو گئے۔ اس زمانہ میں بانکپن اور بہادری کی بہت قدر تھی۔ آتش کو بہادری دکھانے کے بہت سے مواقع ملے۔ مغل بچّوں کی صحبت میں تیغ زنی بہت اچھی آگئی تھی۔ آدمی تھے جوش کے بات بات پر تلوار کھینچ لیتے تھے۔ کمسنی سے تلوریئے مشہور ہو گئے۔ سیکڑوں تلواریں کھائیں۔ ہزاروں ٹانکے لگے۔ اس جوہر کے قدردان فیض آباد میں نواب میر محمد تقی تھے جو آتش کو نوکر رکھکر اپنے ساتھ لکھنؤ میں لے آئے۔ انہیں کے ساتھ ناسخ بھی فیض آباد سے لکھنؤ آئے۔

اُسوقت میں ناسخ اور آتش کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم کبھی لکھنؤ میں شاعری کے زمرے میں آئینگے اور ایک مشہور استاد کے نام سے مشہور رہوں گے سروری کے زمانہ میں شب کو نواب صاحب

کے پینٹی پردے اُوڑھ لیتے تھے اور دن کو تنزیب کا انگرکھا پہنے ہوئے اکڑتے پھرتے تھے۔
آتش گورے شکیل وجیہ چھریرا بدن اور رندانہ وضع کے آدمی تھے۔ آدھا سر منڈا ہوا اور آدھے سر پر پٹے (اُسوقت اچھے بانکوں کی یہی وضع تھی) اور انکو ایک پٹے جوان کہتے تھے) کھانڈا باندھتے تھے۔ بھٹیارن کی دوکان پر چرس کا دم لگا رہے ہیں۔ کسی نے ان کو دیکھ کر کھنکارا یا سامنے سے مونچھ اونچی کرتا ہوا نکلا۔ بس غضب آگیا۔ تلوار کھینچ لی اور کہا آؤ ہمارے تمہارے دو دو ہاتھ ہوجائیں۔
لکھنؤ میں آکر رفتہ رفتہ آتش کی صحبت بدل گئی۔ ان کو کتب بینی کا شوق ہوا اور دن رات علمی چرچے رہنے لگے۔ اسی زمانہ میں ان کو مذاق سخن پیدا ہوا۔ اور شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ ناسخ بھی ان کے شاگرد ہوئے۔ تھوڑے ہی زمانہ کی مشق میں روزمرہ کے محاورے اور صفائی زبان میں اُستاد سے سبقت لے گئے اس مدت میں نواب میر تقی کا انتقال ہوگیا۔ آتش کے شاگردوں کی جمعیت بڑھنے لگی۔ اور کلام کی شہرت ہونے لگی۔
نوازگنج کے قریب چوپٹیوں سے آگے ماھولال کی چڑھائی مشہور ہے وہاں سے اُتار کو ایک چھوٹا سا باغیچہ اور ایک کچا سا مکان تھا وہ آتش نے خرید لیا۔ اور اسی میں رہنے لگے۔ مکان لینے کے بعد آتش نے اپنا نکاح کسی شریف خاندان میں کرلیا۔ تھوڑے زمانے کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے۔ جن کا نام آپ نے محمد علی رکھا۔ ان کی بیوی بہت نیک عورت تھی ان کی وارستہ مزاجی اور اسکی گرہستی نے ملکر گھر سنبھال لیا۔ عقد سے پہلے تو آتش کو ایک ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا جب بھی مہینے میں دو ایک فاقے ضرور ہو جاتے تھے۔ لیکن نکاح کے بعد بی بی کے پس انداز کرنے سے میاں فاقہ کشی سے بچ جاتے تھے۔
مولوی صادق علی کہتے تھے۔ آتش کو میں نے دیکھا ہے گیروا تہ بند باندھتے تھے۔ ڈنڈا ہاتھ میں رہتا تھا۔ جس میں ایک چھلہ سونے کا رہتا تھا۔ دوسرے تیسرے فاقہ کی حالت میں چھلہ رہن رکھکر فاقہ شکنی کرتے تھے۔
سچے کام کا سلیم شاہی جوتا ایک اشرفی کی قیمت کا پہنتے تھے۔ بے طمع اور بے غرض تھے۔ کبھی شاگرد سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کرتے تھے۔ اور اکثر اپنی دولت دعوت اور ضیافت میں لٹا دیا کرتے تھے۔ کچھ تنخواہ اودھ کے بادشاہ کی طرف سے ملا کرتی تھی وہ چار دن میں خرچ کر ڈالتے تھے۔

منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم شاگرد نسیم دہلوی کہتے تھے ہم نے جسوقت آتش کو دیکھا کوئی ستر برس کے قریب ہوں گے - ایک بالشت سے زیادہ ڈاڑھی تھی - مہندی کا خضاب کرتے تھے - معالی خاں کی سرا میں رہتے تھے - ایک لنگوٹ باندھے ٹوٹے ہوئے کھٹولے پر جوزمیں دوز تھا تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے - بیچ بچا حقہ سامنے رکھا رہتا تھا جو کوئی امیر غریب آتا سب کے سامنے وہی ٹوٹا ہوا حقہ پیش ہوتا -

وارث علی خاں اُن کے رفیق بھنگ گھوٹ کر پلایا کرتے تھے - مزاج میں توکل تھا - جو کچھ آتا اس کو اُسی روز خرچ کر ڈالتے تھے - دوسرے روز کے لیئے کچھ نہ رکھتے تھے - جس روز فاقہ ہوتا دروازہ بند کرکے گھر میں بیٹھ رہتے - ایک روز رسالہ دار فقیر محمد خاں گویا کو معلوم ہوا کہ آتش آج کل بہت تکلیف میں ہیں کچھ روپیہ لیکر گھر پر آئے دروازہ بند تھا - آواز آئی - کون ہے - یہ بولے فقیر -

آتش نے کہا کہ فقیر کا میرے یہاں کام نہیں آج خدا مہمان ہے (فاقہ ہے) دوسرے روز پھر آئے مشکل سے دروازہ کھولا ان کا لڑکا بہت کمسن تھا - کوٹھے پر کنکوا اُڑا رہا تھا سامنے بلایا اور اُسکا کنکوا، چرخی، ڈور، دیکھکر کہا - یہ کنکوا تو اچھا نہیں ہے - کنی لیتا ہوگا ڈور بھی اچھی نہیں سُتی ہے - دو ہزار کی دو تھیلیاں سامنے رکھوادیں کہ تو بھئی اس کا ڈور کنکوا منگانا -

آتش اس بات کی تہہ کو پہنچ گئے کہ خاں صاحب مجکو زیربار احسان کرنا چاہتے ہیں - کہنے لگے خاں صاحب آپ کو چاہیئے تھا کہ اس کو تادیب دیتے کہ ایسے اشغال سے باز رہتا نہ کہ آپ خود ڈور کنکوے سے مدد دیں - یہ کہکر پانچ روپئے نکالکر لڑکے کو دیئے - اور کہا خاں صاحب کو سلام کرو - اس کی چیز کھانا - باقی روپیئے خاں صاحب کے واپس کردیئے -

گھی میں تلی ہوئی مرچیں کھایا کرتے تھے -

مولوی فصیح اللہ صاحب وفا کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں جو مشاعرے ہوتے تھے انمیں ایک قافیہ لازمی قرار دیا جاتا تھا - طرح مقرر ہوئی - ع اپنے بیمار سے بھاگو نہ مسیحا ہوکر اس میں "میلا" کا قافیہ لازمی قرار دیا گیا - جو قافیہ لازمی ہوتا تھا اُس پر سب شاعر زور دے کر کہتے تھے - نواب سید محمد خاں رند نے اس میں غزل کہی - اصلاح کے واسطے لائے اور کہنے لگے اُستاد مشروطہ قافیہ تو میں نے اپنے حصہ کا لکھا ہے - پھر بہت ناز سے پڑھا -

اگر ئی کا ہے گمان شک ہے ملاگیری کا　　رنگ لایا ہے دوپٹہ ترا میلا ہوکر

تمام غزل پر اصلاح دی اور کہا ذرا ٹھہرو سید آتا ہو گا (صبا سے مراد ہے) اُس کا قافیہ بھی سُنتے جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد میر وزیر علی صبا آئے۔ آتش نے پوچھا۔ غزل مشاعرے کی لائے ہو۔ عرض کیا جی ہاں۔ کہا پڑھو۔ صبا نے کہا نواب صاحب بیٹھے ہیں ان کے سامنے میں بھلا غزل پڑھ سکتا ہوں۔ کہنے لگے کیوں کیا نواب صاحب چور ہیں۔ اچھا ایک قافیہ "میلا ہو کر" پڑھ دو۔ صبا نے کہا ؎

باغباں بلبل کشتہ کو کفن کیا دیتا پیرہن گل کا نہ اُترا کبھی میلا ہو کر

کہنے لگے دیکھئے نواب صاحب شعر اس طرح کہتے ہیں۔

شیخ فضل احمد کیف کہتے ہیں ایک مرتبہ طرح ہوئی زوال نہیں، انتقال نہیں، اس میں "بول چال" کی قید تھی۔ ہمیں بھی طرح کا مصرعہ آیا۔ غزل کہی۔ خواجہ صاحب کو قید کا قافیہ جب سُنایا تو کہنے لگے اب کی بار غزل تمہیں پڑھنا۔ تم نے قافیہ خوب کہا ہے۔ میں تو نہ پڑھونگا۔ وہ شعر یہ ہے ؎

کسی نے باغ میں ایسا شگوفہ چھوڑا ہے کہ آج تک گل و بلبل میں بول چال نہیں

نواب معتمد الدولہ بہادر ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کے مشاعرے بہت دھوم دھامی ہوا کرتے تھے اکثر آتش کو بھی بلواتے تھے۔ یہ اسی بانکپن سے اکڑتے ہوئے جاتے تھے۔ تلوار میان سے دو اُنگل باہر رہتی تھی۔ لوگ کہتے تھے خدا خیر کرے۔ ایسا نہ ہو مشاعرے میں خون کی ندیاں بہہ جائیں۔

دونوں مشہور شاعر اور دونوں کے شاگرد بے شمار۔ ایک مرتبہ جو مشاعرہ کیا تمام شہر میں مصرعہ طرح تقسیم کر دیا۔ لیکن آتش کو ایک روز پیشتر مصرع طرح بھیجا۔ آپ نے فرمایا شاید معتمد الدولہ بہادر کو ہمارا امتحان منظور ہے جو طرح عین وقت پر بھیجی۔ خیر یوں تو ہم آتے نہ آتے مگر اب جانا ضروری ہے۔ غزل کہی۔ تلوار کمر سے لگائی۔ ترچھی وار ٹوپی دی۔ شاگردوں کے جمِ غفیر سے مشاعرے میں داخل ہوئے دیکھا تو معتمد الدولہ نے نیا مکان بنوایا ہے۔ اُس میں مشاعرہ کیا ہے۔ آپ نے مکان کو دیکھکر فی البدیہہ یہ مطلع کہا جب آگہ سامنے آیا تو پڑھا ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

مطلع تھا موقع کا دشمن کے مُنہ سے بھی واہ نکل گئی۔ معتمد الدولہ نے اُسی وقت خلعت دیا اور بہت عزت کی۔

آتش کے شاگردوں میں ایک نواب اصغر علی خاں صاحب اصغر بہت خوشگو شاعر تھے مگر وارستہ مزاج غزل پڑھنے کے بعد پھینک دیتے تھے - اکثر لوگوں میں ان کے شعر آتش کے نام سے مشہور ہوگئے ہیں - ان کا ایک یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

جب میر تقی میر نے انتقال کیا تو سعادت علی خاں کا زمانہ تھا - آتش کا سن اُسوقت اکتالیس برس کا تھا - بہت رنج کیا - اس لئے کہ میر صاحب ان کی بہت قدر دانی کرتے تھے آتش اور ناسخ کی شاعری میں جتنا فرق تھا اتنا ہی مزاج میں تفاوت تھا - آتش زندا در متوکل آدمی تھے - اس وجہ سے وہ ہر ایک امیر و غریب کو برابر سمجھتے تھے اور دنیاوی ساز و سامان کی چنداں طمع نہ تھی - ناسخ مرفہ حال تھے اور لوگوں کی اُن کے مرتبے کے موافق عزت کرتے تھے - اُمرا کی آؤ بھگت سوا تھی اس لئے کہ اکثر رئیس اُن کے شاگرد ہوتے تھے - ناسخ کے شاگرد جو غریب ہوتے تھے ان کو سفارش کر کے کہیں نوکر رکھوا دیتے تھے - اور حد سے زیادہ دنیا سازی کرتے تھے - لوگوں کا رجوع ان کی طرف زیادہ ہونے لگا - اور رفتہ رفتہ نواب معتمد الدولہ بہادر ان کے شاگرد ہوئے - تو ملک میں ان کا اعزاز اور وقار زیادہ ہوگیا۔

آتش نے یہ رنگ دیکھا تو اپنی فقیری کی آڑ لے لی - ایک لنگوٹ بھنگ کا سونٹا اور چاروں ابرو کا صفایا گھر سے نکلنا کم کر دیا گیروے کپڑے پہننے لگے مگر وہ فقیری بھی بادشاہت سے بہتر تھی - آرام سے اپنے گھر میں فکر سخن میں موتی پرو رہے ہیں - کسی نے آواز دی دل چاہا تو دروازہ کھول دیا نہیں تو صاف جواب دیا اسوقت آرام میں ہیں -

خواجہ محمد علی جب تعلیم سے فراغت حاصل کر چکے تو عین شباب میں شعر کہنے لگے - جوش تخلص رکھا گیا - مچھلی کے بچوں کو کون پیرنا سکھاتا ہے چند روز میں اچھے مشاق ہو گئے - آخر وقت میں آتش کی بینائی جاتی رہی تھی - میر دوست علی خلیل ان کی خدمت کرتے تھے - غالب جنگ کے بیٹے جے دیال جو آتش کے شاگرد تھے مصر ہوئے کہ آپ جوش کی شادی کر دیجئے - آتش نے عذر کیا کہ فقیر کی کیفیت تمکو معلوم ہے شادی حوصلے کے موافق ہونا چاہئے - لائق شاگرد نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا - آپ اپنے کف میں نسبت ٹھہرالیں - شادی کا سامان مناسب مہیا ہو جائیگا - آتش کی غیرت نے اس کو بھی قبول نہ کیا - آخر بار بار کے تقاضوں سے تنگ آکر جوش کی نسبت ٹھہرانا پڑی - شادی کے دھوم دھامی جلسے کے لئے دلارام کی بارہ دری لے لی گئی - تمام دوست

احباب شاگرد و عزیز مدعو ہوئے بہت معقول انتظام تھا۔ سارا خرچ جے دیال نے نہایت حوصلے سے کیا۔ جب محمد علی نوشہ بنکر آتش کے سامنے آئے تو آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ شاگردوں نے عرض کیا اُستاد یہ وقت خوشی کا ہے خدا نے آپ کو بیٹے کا سہرا دکھایا۔ خدا کا شکر بھیجئے بد شگونی نہ کیجئے ان کی اولاد سے خدا آپ کی نسل قائم رکھے۔ کہنے لگے میں اس بات پر روتا ہوں کہ محمد علی کی والدہ جو خوش ہونے والی تھی وہ زندہ نہیں ہے۔ جو اپنے بیٹے کو دولھا بنے ہوئے دیکھے۔ میں آنکھوں سے اندھا ہوں۔ صورت دیکھ نہیں سکتا۔ یہ کونسا خوشی کا مقام ہے۔ خیر تم لوگوں کو خدا مبارک کرے۔

شیخ ناسخ کے مرنے کی خبر سُنی تو چیخ مار کر رونے لگے۔ لوگوں نے کہا وہ تو آپ کے ٹپتی تھے ہمیشہ سے دشمنی چلی آتی تھی۔ آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ ایک دشمن کم ہو گیا۔ کہنے لگے میاں کیا کہتے ہو۔ ہم اور وہ فیض آباد میں مدتوں ایک رئیس کے نوکر رہے۔ مدت تک ہم پیالہ ہم نوالہ رہے ہمیشہ دوستی کا برتاؤ رہا۔ شاعرانہ نوک جھوک کی اور بات ہے اور اتنا پرانا دشمن کبھی نہیں ملتا۔

نواب محمد علی خاں قمر عرف چندا میاں نے خواجہ آتش کو دیکھا ہے اُس زمانہ میں خواجہ صاحب نابینا ہو چکے تھے۔ مکان میں ایک چھپر پڑا تھا۔ ایک کھٹولا بچھا تھا۔ اُس پر بیٹھے رہتے تھے۔ نرکل کی چٹائیاں سامنے بچھی رہتی تھیں۔

غازی الدین حیدر بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنے وزیر معتمد الدولہ سے پوچھا ہمارے شہر میں کوئی نامی شاعر بھی ہے۔ عرض کیا شاعر تو بہت ہیں۔ لیکن ان میں شیخ امام بخش ناسخ۔ اور خواجہ حیدر علی آتش۔ بہت مشہور ہیں۔ ارشاد ہوا اچھا ہماری کوٹھی میں مشاعرہ منعقد کیا جائے معتمد الدولہ نے اس مشاعرے کی خبر ناسخ کو کر دی اور اُنھیں کی تجویز سے تاریخ اور مصرع طرح مقرر ہو گیا۔ اور آتش کو ایک روز پیشتر چوبدار کے ہاتھ رقعہ طلب آیا۔

بہت پیچ و تاب کھا کر کہا معتمد الدولہ نے اچھا سلوک کیا۔ اب یہ شہر ہمارے رہنے کے قابل نہیں رہا۔ یہ کہکر گھر میں کہلا بھیجا کچھ شگون کی روٹی پکا دو ہم کچھ دنوں کے لئے لکھنؤ چھوڑ دیں گے دوسرے روز علی الصباح گھر سے پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے۔ سنہری بُرج میں مرزا محمد تقی، مرزا حیدر صاحب بیٹھے ہوئے سیر دیکھ رہے تھے۔ آتش کو دیکھکر کہا اُستاد آج گھر سے کیوں نکلے آدمی بھیج کر بلوایا۔ آتش نے کہا ہمارا اسلام کہدینا اور کہنا ہم سفر کو جا رہے ہیں۔ مرزا محمد تقی یہ سُنکر خود بوچے پر سوار ہو کر آتش کے پاس پہنچے۔ راہ میں روک کر سب حال دریافت کیا اور کہا

اُستاد آپ کو اس کی کیا پروا ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ میرے پاس پانچسو بانکا بچاس بچاس روپیہ ماہوار کا ملازم ہے یہ کس کام آئیگا آپ دیکھ لیجئے گا۔ اگر معتمد الدولہ نے ہٹ دھرمی کی تو بارہ دری میں لہو کی ندیاں بہہ جائینگی۔ مرزا صاحب دس ہزار روپیہ ماہوار کے وثیقہ دار تھے۔ اُن کے سمجھانے سے آتش وہیں بیٹھ گئے۔ اور شام تک غزل کہا کئے۔

اتنی دیر میں مرزا صاحب نے آتش کی طرف سے ایک درخواست لکھی۔ حضور میں ایک فقیر گوشہ نشین ہوں۔ اگر حضور نے یاد فرمایا ہے تو اتنی اجازت چاہتا ہوں۔ کہ سب سے پیشتر غزل پڑھوں اور دوسری گذارش یہ ہے کہ گڑ گڑی خاص مرحمت ہو۔ یہ عرضداشت محل کے اندر پیش ہوئی اور اس عنوان سے پیش ہوئی کہ بادشاہ نے دستخط فرما دیئے حالانکہ شاہی دربار میں سوا بادشاہ کے ولیعہد تک کو اجازت نہ تھی۔ شام تک اس مشاعرے کی شہرت تمام شہر میں ہو گئی۔ آتش کے تمام شاگرد نواب غضنفر الدولہ، نواب مہدی علی خاں، نواب نصرت یار خاں، نواب سید محمد خاں رند، خلیق، وغیرہ مرزا صاحب کے دولت کدہ پر جمع ہو گئے۔ شاہی مشاعرے کی طرح "فسانہ کیا" "نشانہ کیا" تھی۔ شام کو جب یہ خبر آ چکی کہ ناسخ معہ اپنے شاگردوں کے مشاعرے میں پہنچ چکے۔ تو آتش نے بھی ٹوٹی تلوار (کھانڈا) کمر سے لگائی۔ ایک تہمد آدھی باندھی آدھی اوڑھی، ننگے سر ننگے پاؤں گھر سے نکلے۔ پیچھے پیچھے آدمی چھتر لگائے ہوئے اس کے بعد روساء، اُمراء، شاگرد وغیرہ اس کے بعد پانچسو بانکا تلوار کمر سے لگائے۔ کٹنے مرنے پر تُلے ہوئے۔ اس بات کے تمام لوگ قائل ہیں کہ مشاعرے میں آتش کے سامنے کبھی ناسخ کا رنگ نہیں جما۔ ان کا پڑھنے کا انداز، شعر کا رکھ رکھاؤ، ادا کرنے کے تیور کسی کو نصیب نہ تھے۔

آتش شاہی دولت کدہ میں داخل ہوئے تو دیکھا صدر بارہ دری کے اندر شہ نشین پر کرسی بچھائے ہوئے غازی الدین حیدر فروکش ہیں۔ ادھر ادھر اراکین سلطنت مختصر باادب کھڑے ہیں۔ آگے چلمن پڑی ہوئی ہے۔ بارہ دری کی بغل میں داہنی طرف ناسخ معہ اپنے شاگردوں کے بیٹھے ہیں بائیں طرف آتش کے واسطے جگہ ہے۔ بیچ کے درجے میں کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے مگر مرزا محمد تقی صاحب آتش کو لئے ہوئے بیچ کے درجے میں چلے گئے۔ چوبدار نے عرض کیا۔ حضور یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ نے ہش کر دیا وہ خاموش ہو رہا۔ آتش نے پہلے فرشی سلام کیا اور سامنے بیٹھ گئے۔ پھر دست بستہ عرض کیا حضور ایفاء وعدہ ہو بادشاہ نے اشارہ کیا ایک خواص خاص گڑگڑی لیکر حاضر ہوا۔ پھر عرض کیا۔ اجازت ہے

غزل شروع کروں ۔ فرمایا "ہوں"
آتش گرٹ گرٹی لیکر مشاعرے کے پتیرے سے بیٹھے اور اسی ٹھاٹھ سے اپنی غزل پڑھنے لگے جس سے تمام سامعین وجد میں آ گئے ۔ اور بادشاہ کے دل پر ایک خاص اثر ہوا ۔ سننے والے کہتے ہیں آج تک ایسی زوردار غزل خواجہ صاحب نے نہیں پڑھی ۔ بعض شعروں میں ناسخ پر کھلی کھلی چھونک تھی ۔ جن کو بادشاہ سُنکر مسکرائے

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا　　کہتی ہے تجکو خلق خدا غائبانہ کیا
طبل و علم ہے پاس نہ اپنے نہ ملک و جاہ　　ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا
ہوتا ہے سن کے زرد جو نامرد مُدعی　　رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا
یوں مُدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

آتش کے سب شاگرد بائیں طرف بیٹھے تھے ۔ اُستاد کی تعریف کر رہے تھے ۔ ناسخ کے شاگردوں پر اس ادائے خاص کا بہت اثر ہوا اور دل کھولکر لوگوں نے تعریف کی شاہی حکم سے دوہرا خلعت مرحمت ہوا ۔ مگر اس شاعر درویش سیرت نے عرض کیا میری عزت وہی کافی ہے جو حضور نے خاص گرٹ گرٹی مرحمت فرما کر دی ہے ۔ یہ خلعت ناسخ کو مرحمت ہو میں اپنا صلہ پا چکا اور اُسی تیور سے سلام کر کے خوشی خوشی گھر واپس آئے ۔

تحسین گنج میں میاں تحسین علی خاں خواجہ سرا کے یہاں مشاعرہ ہوا ۔ چلن بگڑا، کفن بگڑا ، اس میں بھی پالا آتش کے ہاتھ رہا ۔ اور ناسخ کی غزل کمزور رہی ۔

ولی عہدی کے زمانے میں حضرت محمد واجد علی شاہ آخری شاہ اودھ آتش کے شاگرد ہوئے سو روپئے ماہوار دیتے رہے ۔ غزل اصلاح کو بھیجدیا کرتے تھے ۔ آتش نابینا تھے غزل سُنکر شاگرد سے اصلاح لکھوا دیا کرتے تھے ۔ ایک شعر پر بادشاہ کو کچھ شک ہوا رفقا سے بیان کیا ۔ سب نے کہا خداوند آپ کا شعر بے مثل ہے ۔ آتش نابینا ہیں ۔ شاگرد جو چاہتا ہے شعر کاٹ دیتا ہے ۔

یہ خبر آتش کو معلوم ہوئی ۔ دوبارہ غزل آئی اُس پر لکھدیا ماشاء اللہ خوب غزل کہی ہے ۔ اُس سہ ماہی میں جتنی غزلیں آئیں سب پر یہی لکھدیا ۔
جب سہ ماہی تنخواہ آئی تو واپس کر دی اور کہا کہ میں حرام کی تنخواہ نہیں لیتا جب

غزل بناتا تھا تنخواہ لیتا تھا۔ اب اصلاح ہوتی نہیں۔ تنخواہ کس بات کی لوں۔ بادشاہ نے علی نقی خاں وزیر اعظم کو بھیجا۔ آتش نے یہی جواب دیا علی نقی خاں نے شاگردوں سے ناراضی کا سبب دریافت کرکے بادشاہ سے بیان کیا۔ بادشاہ خود معذرت کے لئے آتش کے مکان پر آئے۔

منشی قمر صاحب کہتے ہیں جب ہم نے دیکھا ہے تو آتش کی بینائی جاتی رہی تھی گو دبلے پتلے تھے سر پر بال لمبے لمبے تھے۔ جوڑا باندھتے تھے۔ موچھیں بڑی بڑی ڈاڑھی منڈی ہوئی ایک تہمد آدھی باندھے ہوئے آدھی اوڑھے ہوئے۔ مکان میں بیٹھے رہتے تھے۔ چہرے سے بانکپن ٹپکتا تھا ایسا متوکل آدمی آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ خواجہ محمد بشیر کہتے ہیں ہم بہت کمسن تھے۔ صفر کا مہینا تھا ۱۲۸۴ھ تھا۔ آتش کی بیماری کی خبر مشہور ہوئی۔ خواجہ رکن الدین کے ساتھ ہم بھی آتش کی عیادت کو گئے۔ اس زمانہ میں واجد علیشاہ کا عہد سلطنت تھا۔ اور اسی سال سریر آرائے سلطنت ہوئے تھے۔

آتش کا مکان ماھولال کی چڑھائی پر تھا۔ جہاں اب چونے والی بھٹی ہے۔ کچا مکان تھا اس پر ایک چھپر پڑا ہوا۔ تقریباً اسی بیاسی برس کا ایک آدمی چاروں ابرو کا صفایا رنگ کھلتا ہوا چارپائی پر لیٹا تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا یہی آتش ہیں۔ کچھ منہ سے کہنا چاہتے تھے آواز نہ نکل سکی۔ شاگرد لوگ نرکل کی چٹائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم لوگ تھوڑی دیر تک کھڑے رہے پھر چلے آئے۔ اس کے آٹھ روز کے بعد سنا کہ آتش کا انتقال ہوگیا۔ اور اپنے مکان میں دفن کئے گئے۔

(۹) معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۲۵۴ھ میں ناسخ کا انتقال ہوا اور ناسخ کے نو برس کے بعد ۱۲۶۳ھ میں آتش نے اس جہان فانی سے کوچ کیا کسی شاعر نے "چراغ جہاں" تاریخ وفات نکالی تھی۔

منشی اشرف علی اشرف نے آتش کی تاریخ وفات خوب لکھی تھی جس کا مادہ "مرد شاہ سخن" ہے۔ خواجہ محمد علی جوش کو بزرگ اور نامور باپ کے مرنے کا بہت کچھ صدمہ ہوا۔ اور صحبت مشاعرہ میں جانا موقوف کر دیا۔ ابھی دو برس نہ گذرے تھے کہ یہ ہیضہ میں دفعتہً مبتلا ہوئے۔ اور دو دن میں تمام ہوگئے۔ رشک مرحوم نے ان کے انتقال کی تاریخ لکھی ہے۔

کجائی تو خواجہ محمد علی　　زہیضہ مگر رفتی افسوس حیف
دلت آتشِ داغ بابا بسوخت　　چہ بریاں جگر رفتی افسوس حیف

پے خدمت خواجہ حیدر علی   ز دنیا بدر رفتی افسوس حیف
چنین گفت تاریخ فوتِ تو رشک   بنزد پدر رفتی افسوس حیف
۱۲۶۴ ہجری

شیخ محمد جان شاؔد پیرو میر مرحوم فرماتے تھے کہ آتشؔ کو ہم لوگ بمقتضائے محبت "خوجی" کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں آمد کا حصہ بہت ہوتا تھا۔ جو کچھ کہتے تھے بیساختہ کہتے تھے۔ ہر وقت شعر کی دُھن میں محو رہتے تھے۔ امیروں سے بطمع دنیا نہ ملتے تھے۔ غریبوں سے بیرخی نہ کرتے تھے بانکے تھے اور بانکوں سے ملنا پسند کرتے تھے۔ بہادروں کے کارنامے شوق سے سُنتے تھے۔

آتشؔ کے برابر کے شاعروں میں اسوقت شیخ امام بخش ناسخؔ کا نام سب سے زیادہ مشہور ہے لیکن اس وقت کے اور شاعر بھی ان سے برابری کا دعویٰ رکھتے تھے۔ گو زمانہ نے ان کو شہرت نہ دی۔ ان سب سے زیادہ خصوصیت سے نواب عاشور علی خاں عاشورؔ کا نام لیا جاتا ہے۔ جو شاعر گر مشہور تھے اور مصحفیؔ کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ نواب طالب علی خاں بہادر عیشیؔ تھے۔ جو فارسی اُردو دونوں میں قادر الکلام تھے۔ سید حسن عسکری عرف میر کلو عرشؔ خلف میر تقی میرؔ۔ نواب مرزا محمد تقی خاں بہادر ہوسؔ خلف نواب مرزا علیخان بہادر دہلوی، میر تقی ترقیؔ میاں مخمورؔ، میاں مسرورؔ، میاں دلگیرؔ، وغیرہ لیکن آتشؔ کی خوشگوئی کا سب لوہا مانے ہوئے تھے اور ان کے سامنے منھ نہیں کھول سکتے تھے۔

آتشؔ کا دیوان انہیں کی زندگی میں مرتب ہو کر چھپ چکا ہے۔ یہ غلط ہے کہ ان کا کلام تلف ہو گیا۔ ہمارے پاس دوسرا اڈیشن ۱۲۶۸ھ علوی پریس کا موجود ہے جسمیں لکھا ہے:

اگرچہ سابقاً روبروے مصنف زیب طبع یافتہ بود حالا بارِ دیگر بسعی موفور دکوشش مشکور غزلیات بقیہ، اور دیوانِ دوم اضافہ نمودہ مع قطعات وفات مصنف ترتیب دادہ تباریخ پانزدہم جمادی اولیٰ ۱۲۶۸ھ حلیہ اختتام پذیرفت۔

آتشؔ کی شاعری نے زبان میں فصاحت اور سلاست کا عمدہ نمونہ دکھایا ہے۔ سلک نظم میں بحر فصاحت کے موتی پروے ہیں۔

شاہی زمانہ میں بانکوں کی قدر تھی۔ اور بہادری کے کارنامے عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ لکھنؤ کے نازک مزاج تنزیب کے کرتے پر تلوار کھانے میں مشہور تھے مگر بات اُٹھانا دشوار تھی ہتھیار بندی کا عام رواج تھا۔ اچھے تلوریئے عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے

تھے - آتش بھی بانکپن اور آزاد خیالی کا جوہر ساتھ لائے تھے طبیعت جنگ جو اور شوریدہ سر تھی - فصاحت اور بلاغت کا ملکہ فطرتی تھا - بظاہر ایک فرمانروا کے محکوم تھے لیکن قانون کی نرم پالیسی نے ہر ایک کو خود مختار اور آزاد بنا رکھا تھا۔

عرب کے شاعروں کی طرح جو حالت پیش آتی تھی اور خیالات پیدا ہوتے تھے ان کو اصلیت اور جوش و خروش کے ساتھ ادا کر دیتے تھے - اسی لئے اُن کی غزلوں میں بانکپن اور آزادی جانبازی اور شجاعت کے مضامین عمدہ پہلو سے ادا ہوئے ہیں - اس میں شک نہیں کہ آتش صرف ایک فنی شاعر تھے نہ کسی کی مدح میں کبھی قصیدہ لکھا نہ تخت نشینی کی تاریخ کہی نہ مثنوی نہ رباعی نہ قطعہ نہ سلام نہ مرثیہ۔ مگر غزل گوئی کے بادشاہ تھے - پُرانی غزل گوئی کا رنگ بدل دیا - ادائے مطلب میں نمایاں ترقی کی جو ان کے کلام سے ظاہر ہے ؎

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جُدائی کا

حباب آسا (حباب کی طرح) میں دم بھرتا ہوں (بار بار ذکر کرتا ہوں) تیری آشنائی کا (تیری محبت کا) نہایت غم ہے (بہت غم ہے) اس قطرے کو دریا کی جدائی کا (اس قطرے کو دریا سے جُدا ہونے کا)

لطف زبان تو یہ ہے کہ "دم بھرتا ہوں" ایک ایسا فصیح اور جامع محاورہ ہے جس کے بہت سے معنی ہیں - دم بھرنا کے لغوی معنی سانس اندر کھینچنے کے ہیں - حباب کے لئے دم بھرنے کا لفظ بہت پُر لطف آیا ہے کہ اس میں بھی جب ہوا بھرتی ہے تو پھول جاتا ہے اور دَم بھرنے کے معنی دعوئے محبت کرنے کے بھی ہیں جو شاعر کا مقصود ہے آشنائی کے معنی محبت کے ہیں - لیکن آشنا پیراک کو کہتے ہیں اس رعایت سے محبت کی جگہ آشنائی کا استعمال اچھا معلوم ہوتا ہے - معنوی خوبیاں یہ ہیں کہ "ہمہ اوست" کے مسئلہ کو اس زبردست شاعر نے دو مصرعوں میں طے کر دیا ہے - اپنی ذات کو قطرہ بنایا ہے، اور خدا کو دریا قرار دیکر مسئلہ وحدت کو حل کیا - آسا کا لفظ غلط تو نہیں ہے لیکن آج کل اس کا استعمال بہت کم ہے - اب اُردو زبان سے فارسی اور عربی کے دقیق الفاظ نکلے جاتے ہیں - آج کل حباب کی طرح اور حباب کے مانند بولتے ہیں - یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ شاعر نے ضرورت شعری سے مجبور ہو کر اس کا استعمال کیا ہو - طرح اور مانند کا لفظ اس

مصرع میں فصیح پہلو سے آنا مشکل تھا ؎

تعلق روح سے مجکو جسد کا ناگوارا ہے زمانے میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

اس شعر میں یہ نصیحت کی ہے کہ محبت کرو تو اس کو نبھاؤ ناپائدار دوستی اچھی نہیں ہے جو اگلی وضعداریوں کے خلاف تھی ؎

حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اُس کا ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا

حسنِ پری ہمارے معشوق (معشوق حقیقی) کا جلوۂ مستانہ ہے جو اس کا دیوانہ ہے وہی ہشیار ہے۔ مصرعۂ اولیٰ میں ہمہ اوست کے مسئلے کو حل کیا ہے۔ یعنی حسن پری بھی اسی کے جلوۂ مستانہ میں سے ہے دیوانہ (شیدا) جو اس کا شیدا ہے وہی ہشیار ہے۔ یہاں مراد ہے اللہ سے۔ لفظی خوبیاں تو یہ ہیں کہ حسن پری اور جلوۂ مستانہ سے کوئی اچھا لفظ نہیں مل سکتا تھا ہشیار اور دیوانے کی رعایت ہے۔ معنوی خوبیاں یہ ہیں کہ تصوف کے ایک وسیع مسئلے کو مثال میں سمجھادیا۔ لیکن عیب یہ ہے کہ اس میں (کہ) زائد اور ضرورت شعر کے لحاظ سے آیا ہے۔ اور چھوٹی سی تعقید بھی ہے یعنی مستانہ اس کا ہے جاناں اس کا ہے چاہیے تھا۔

گل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گو بلبل کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اس کا

گل عدم سے ہستی میں ہمہ تن گوش آتے ہیں۔ نالۂ بلبل نہیں ہے اُسی معشوق حقیقی کا فسانہ ہے۔ گل کو گوش سے بہت نفیس اور نازک تشبیہہ دی ہے جو اُستادی کا اظہار کر رہی ہے ؎

شکرانہ ساقی ازل کرتا ہے آتش لبریز مے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا

آتش ساقی ازل کا شکرانہ کرتا ہے کہ اس کا پیمانۂ مے شوق سے لبریز ہے یعنی مست مے شوق رہتا ہے۔ مقطع نہایت صاف اور فصیح ہے ؎

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا

اس شعر کی بے ساختہ آمد قابل دید ہے۔

ہنر سے نیاریوں کے حال یہ ظاہر ہوا ہمکو مقدر میں جو دولت ہو تو ز ہو خاک سے پیدا

اس شعر میں سب سے زیادہ یہ خوبی ہے کہ اس میں اس زمانے کے تمدن کا حال معلوم ہو گیا نیارئیے ایک پیشہ ور غریب لوگ ہیں جو سُنار کے یہاں کی خاک، گوٹہ بُننے والوں کے کارخانے کی خاک اور برسات میں نالے، موہری کے کنکر پتھرے کر کونڈیوں رکھکر پانی میں چھانتے ہیں۔ انہیں سے کچھ چاندی سونا جو اُن کے مقدر میں ہوتا ہے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی ان کا پیشہ ہے ؎

کیا ہے اپنے غنچہ سے دہن میں تو نے جو اسکو   شمیم گل ہوئی ہے ریشۂ مسواک سے پیدا

کیا ہے (پھیرا ہے) اپنے غنچہ سے دہن میں تو نے جو اسے پھیرا ہے تو ریشۂ مسواک سے شمیم گل پیدا ہوئی ہے۔ یا گل کی خوشبو آنے لگی ہے۔ اول تو اس میں ایک نازک محاورہ ہے کرنا (پھیرنا) کے معنی پر ریشۂ مسواک سے شمیم گل کا پیدا کرنا کتنی نازک بات ہے۔ دوسرے مسواک کرنے کے طریقے کو کس خوبی سے بتایا ہے۔ جسمیں ہندوستان کے طرز معاشرت کا بیان کرنا منظور تھا۔ یہ باتیں سوائے شعرائے عرب کے عجم کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتیں ؎

زلف کے حلقے میں اُلجھا سبزہ گوشِ یار کا   ہو گیا سنگ زمرد خال چشم مار کا

زلف کے حلقے میں (خم زلف میں) سبزہ (آویزۂ سبز، جو کان کی بالی میں پہنایا جاتا ہے یا بُندوں میں پڑا ہوتا ہے۔ سنگ زمرد ایک قیمتی جواہر ہے۔ چشم مار (حلقۂ زلف) سے مراد ہے گوش یار کا سبزہ خم زلف میں اُلجھ گیا سنگ زمرد خالِ چشم مار ہو گیا۔ کتنی نازک تشبیہ ہے اور کسقدر بلند پروازی کی ہے ؎

پھول جو ہے اپنے گلشن کا سپر کا پھول ہے   ہر شجر اس باغ میں لاتا ہے پھل تلوار کا

شاعر نے اپنی بہادری اور بانکپن کا کس نفیس پیرائے میں بیان کیا ہے جس سے لوگوں کو اس کی طبیعت کا اندازہ ہو گیا ؎

تواضع دشمن جاں کی زیادہ قتل کرتی ہے   خم شمشیر معشوقوں کا نہوڑنا ہے گردن کا

نہوڑانا (جھکانا) جو جان کے دشمن ہیں ان کی زیادہ تواضع بھی قاتل ہے۔ معشوقوں کا گردن جھکا لینا شمشیر کا جھکنا ہے۔ جو بغیر قتل کئے نہیں اُٹھتی۔ مُراد یہ ہے کہ معشوقوں کا ناز بھی آفت ڈھاتا ہے یہ صائب کے اس شعر کا جواب ہے ؎

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست   پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

کیا عمدہ مثال ہے۔ پھر اس فصاحت سے ادا کیا ہے جس نے انکو اپنے معاصرین میں ممتاز بنا دیا ؎

ادب تا چند اے دستِ ہوس قاتل کے دامن کا   سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

بندش کی صفائی قابل دید ہے ؎

کڑا پن آگے مردان خدا کے چل نہیں سکتا   کف داؤد میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

اسی شاعری نے ان کو صائب بنا رکھا تھا ؎

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا   جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

کتنی پاکیزہ بندش ہے ؎

شاہراہ ہستی موہوم میں وہ چال چل
اپنی آنکھوں کو بچھادیں دوست دشمن زیر پا

شاہراہ ہستی موہوم میں (دنیا میں) وہ چال چل (وہ طرز اختیار کر) دوست دشمن اپنی آنکھیں زیر پا بچھادیں (بے انتہا عزت کریں) اس مضمون کو شاعر نے کسی قدر تعقید کے ساتھ نظم کیا ہے۔ لیکن تخیل بہت پاکیزہ ہے اور نصیحت کی نصیحت۔ آتش نے بہ تقلید شعرائے عجم اخلاقی بہت سے شعر لکھے ہیں۔ جن میں عفت، شجاعت، ہمت، استقلال، توکل، استغنا، کا بیان نہایت شوخ پیرائے میں ہے ؎

ملک الموت نے پیری میں کرم فرمایا
کشت پختہ ہوئی آتش کہ محصل دوڑا

شاہی میں زمینداروں سے سرکاری تحصیل چوتھ لی جاتی تھی۔ جس وقت کھیتی تیار ہوتی تھی۔ عامل کی طرف سے تحصیلدار آتا تھا اور پیداوار کا چہارم حصہ حق سرکار لیا جاتا تھا۔ اسی سبب سے اس زمانہ کے زمیندار خوش حال تھے۔ خواجہ صاحب نے رسم کا بیان اپنے مقطع میں کیا ہے کہ ملک الموت نے پیری میں قدم رنجہ کیا۔ جب کشت پک گئی (ضعیفی آئی) تو محصل (چوتھائی بٹانے والا) یعنی ملک الموت دوڑا۔ دنیا کی بے ثباتی کا بیان کس اچھے پہلو سے کیا ہے ؎

ہمیشہ شام سے ہمسائے مر رہے آتش
ہمارا نالہ دل گوش کو فسانہ ہوا

ہمسائے (پڑوسی) مر رہے (سو رہے) ہمیشہ شام سے پڑوسی سو رہتے ہیں۔ ہمارا نالۂ دل اُن کے کانوں کو فسانہ معلوم ہوتا ہے۔ اگلے زمانہ میں امرا، نواب زادے نیند آنے کے لئے داستان گو قصہ خوان نوکر رکھتے تھے۔ رات کو یہ بستر استراحت پر دراز ہوئے اور اس نے دو زانو ادب سے بیٹھکر دل آویز داستان شروع کردی رئیس کو اس کے سرور میں نیند آگئی داستان گو رخصت ہو گیا۔ ہر ایک رئیس و امیر کے یہاں ایک داستان گو ضرور نوکر ہوتا تھا۔ آتش نے اسی طرز معاشرت کا بیان کیا ہے ؎

لگے منھ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

منھ چڑھانا (ٹیڑھا منھ کرنا) ایک معشوقانہ ادا ہے۔ صاحب معشوق سے مراد ہے زبان بگڑی تو بگڑی (زبان خراب ہوئی تو ہوئی) خبر لیجئے دہن بگڑا یعنی منھ ٹیڑھا ہو گیا۔ اس شعر کے محاورے اور زبان قابل دید ہے "لیجئے" ذرا دیکھا ہے۔ جواب بتر دک ہے ؎

ایذا جو ہو اس خال و گیسو سے تعجب ہے
وہ افعی بے دنداں بے نیش یہ عقرب تھا

اللہ و غنی اس جدّت تشبیہہ کو دیکھئے۔ گیسو کو افعی تو سب نے کہا مگر افعیٔ بے دنداں آتش کا حِصّہ تھا۔ کیسی نازک تشبیہہ دی ہے اور خال کو عقرب بے نیش کہنا بھی نئی تشبیہہ ہے۔ نازک خیالی کی حد کردی ؎

اللہ رے ہمارا تکلف شب وصال — روغن کے بدلے عطر جلایا گلاب کا
صیاد نے تسلیِّ بلبل کے واسطے — کنج قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

ان شعروں سے طبیعت کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

لالہ رو کہکر لگاتے ہیں گل اندام کو داغ — روز محشر شاعروں کا پوست کھینچا جائیگا

داغ لگانا (عیب لگانا) پوست کھینچنا عہد سلف کی ایک سخت سزا۔ بادشاہ نہایت سنگین مجرم کی کھال کھنچوا کر بھس بھروا کر شارع عام پر رکھدیتا تھا کہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔ لیکن یہاں شاعر نے مذاق طبیعت سے ایک سنگین سزا کا بیان کرکے تمدنِ سلف دکھایا ہے ؎

سامنے آئینہ رکھتے تو غش آجاتا — تم نے انداز نہیں اپنی ادا کا دیکھا

کتنا صاف شعر ہے ؎

گلزار لطف و خلق شگفتہ رہے مدام — اِس باغ کی بہار الٰہی خزاں نہ ہو

یہ بھی اخلاقیہ اشعار کا ایک نمونہ ہے ؎

کیا بادۂ گلگوں سے سرور کیا دل کو — آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو

داتا زندانِ بادہ نوش کے محاورے میں خدا کو کہتے ہیں اور کبھی سخی کے معنوں میں بھی آتا ہے ؎

گور میں بھاگ اہلِ دنیا سے — خلوت اس انجمن سے بہتر ہے

گور کو خلوت سے اور دنیا کو انجمن سے کیا اچھی نسبت ہے

طور جس برق تجلا نے کیا خاک سیاہ — تیرے آتش کدہ حُسن کی چنگاری ہے

کس قدر بلند پروازی کی ہے ؎

لاش پر لاش نکلتی ہے ترے کوچے سے — کیا تماشا ہے کہ پھر بھیڑ نہین چھٹتی ہے

تیری گلی سے لاش پر لاش نکلتی ہے۔ کیا تماشا ہے (کیا طلسمات ہے) کہ پھر بھیڑ نہیں چھٹتی کوئے یار میں عاشقوں کی کثرت کو کتنے اچھے پیرائے میں دکھایا ہے۔ مگر ردیف ذرا ایٹی ہوئی نہیں ہے

گل ہر اک ساغر بکف بلبل ہر اک نغمہ سرا — سیر باغ آتش مجھے ایمائے نادُ نوش ہے

ہر ایک پھول ساغر بکف ہے (یہ مشابہت ہے شکلِ گل سے) بلبل گا رہی ہے۔ باغ کی سیر

گویا اشارہ ہے بادہ نوشی کا ؎

ترے ابروے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے   کسی اُستاد شاعر کی یہ بیت عاشقانہ ہے

ابروے پیوستہ کو بیت عاشقانہ سے تشبیہہ دی ہے ؎

پیام بر نہ میسّر ہوا تو خوب ہوا   زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

پیام بر کے استعمال میں حال کے شعرا نے بہت غلطی کی ہے کہ اس کو نامہ بر کے معنی پر بھی باندھ گئے ہیں پیام بر کے معنی زبانی پیام لے جانے والا - مطلب یہ ہے کہ اچھا ہوا کہ پیام بر نہ ملا - غیر کی زبان سے اظہار مطلب کیا کرتے ؟

نامرد آسمان سے گوارا ہے کس کو جنگ   آتش سپر کو چیرئیے تلوار توڑئیے

اس قسم کی مفاخرت عرب کی شاعری میں تو بہت کچھ ہے اُردو کی شاعری میں صرف آتش کے کلام میں ملتی ہے جس میں شاعر نے اپنی بہادری کا جوش وخروش سے اقرار کیا ہے - یعنی آسمان نامرد ہے اس لئے دور سے ظلم کرتا ہے - سامنے نہیں آتا - پھر اس سے مقابلہ کرنا کیا بہتر ہے - سپر اور تلوار کو توڑ کر پھینک دیجئے اس لئے کہ بانکے - بانکوں سے لڑتے ہیں ؎

کوہ غم ٹوٹنے پر آہ ہے یاں کم ظرفی   ٹھیس سے کاسۂ چینی کو فغاں کرنے دو

کوہ غم ٹوٹنے پر (غم کا پہاڑ گرنے پر) آہ ہے یاں کم ظرفی (آہ کرنا ہمارے لئے ہلکاپن ہے) ٹھیس (ٹھوکر) سے کاسۂ چینی کو (چینی کے پیالے کو) فغاں کرنے دو (چیخنے دو) لفظی خوبیاں تو یہ ہیں - کوہِ غم فصیح محاورہ ہے (ٹھیس) ایک جامع لفظ ہے - جس کے معنی دو چیزوں کا باہم ٹکرانا ہے - ٹھوکر لگ جانا - چھُو جانا - معنوی خوبیاں ہیں - کہ عاشق اپنے استقلال کا بیان کرتا ہے کہ کوہ غم بھی ٹوٹ پڑے تو ہم آہ کرنا حرام جانتے ہیں - یہ چینی کے پیالے ہیں جو ذرا سی ٹھوکر سے چیخ اُٹھتے ہیں - عیب یہ ہے کہ یاں اب متروک ہو گیا ہے - اس کی جگہ (یہاں) بولتے ہیں اسی کو فصیح جانتے ہیں -

غرض آتش کے کلام میں تشبیہات کی لطافت ، استعارات کی نزاکت رنگ رنگ کے خیالات تصوف کی جھلک ، ہمت ، توکل ، استغنا کے عمدہ مضامین فلسفہ ، معاشرت ، اور خانگی زندگی کی خصوصیات ، زمانہ کی رفتار ، گفتار ، نشست ، برخاست ، وضع قطع ، بود وماند کے طریقے زندگی کی ضرورتیں ، جذبات انسانی ، مناظر قدرت ، صحرا ، جنگل ، سبزہ زار ، آب رواں ، شجاعت ، جانبازی ، کی جیتی جاگتی صورتیں نظر آتی ہیں ، جن کا مقابلہ کرنے میں ان کے

معاصرین عاجز تھے - اس دعوے کے ثبوت میں ہم اُن کے بعض منتخب اشعار پیش کرتے ہیں

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
موت آئی ہے سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے

نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں ہمکو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

محبت کا تری بندہ ہر اک کو اے صنم پایا
برابر گردنِ شاہ و گدا کو ہم نے خم پایا

سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں
غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا

شام سے ڈھونڈا کیا زنجیر پھانسی کیلئے
صبح تک میں نے خیالِ گیسوئے پیچاں کیا

مری آنکھوں کے آگے آئیگا کیا جوش میں دریا
ہمیشہ صورتِ سائل ہے یاں آغوش میں دریا

جب سے شیطان کا احوال سنا ہے میں نے
پائے بت پر بھی ارادہ ہے جبیں سائی کا

اے فلک کچھ تو اثر حسن عمل میں ہوتا
شیشہ اک روز تو قاضی کی بغل میں ہوتا

عرش کی سیر ریاضت نے مجھے دکھلائی
دخل مزدور ہے سلطاں کے محل میں ہوتا

نہ سنی یار نے اک بات سخن سازوں کی
رہ گئے کھول کے مُنھ مفسدہ پرداز اپنا

یاد آتی ہیں ادائیں جو تری اے محبوب
بھول جاتے ہیں حسینانِ جہاں ناز اپنا

خبرِ اول و آخر نہیں مطلق آتش
نہ تو انجام ہے معلوم نہ آغاز اپنا

پھول جو ہے اپنے گلشن کا سپر کا پھول ہے
ہر شجر اس باغ میں لاتا ہے پھل تلوار کا

اے صنم عاشق سے روپوشی نہیں لازم تجھے
پردہ موسیٰ سے نہیں اللہ کو دیدار کا

ادب تا چند اے دستِ ہوس قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

دوستوں سے اسقدر صدمے اُٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلا جاتا رہا

عالمِ منطق معتور ہو تری تصویر کا
منھ کتابی قطبی ہے خطِ حاشیہ ہی میر کا

برہنہ آیا تھا یاں عدم سے برہنہ یاں سے چلا عدم کو
نہ بوئے کافور میں نے سونگھی نہ داغ مجکو لگا کفن کا

خراب مٹی نہ ہو کسی کی کوئی نہ مردہ دِہ دوستاں ہو
جُدا ہوا شاخ سے جو پتا غبارِ خاطر ہوا چمن کا

شیریں کے شیفتہ ہوئے پرویز و کوہکن
شاعر ہوں میں یہ کہتا ہوں مضمون لڑ گیا

آتش نہ پوچھ حال تو مجھ دردمند کا
سینے میں داغ، داغ میں ناسور پڑ گیا

یہ دل لگانے میں میں نے مزا اُٹھایا ہے
ملا نہ دوست تو دشمن سے اتحاد کیا

سبزہ بالائے ذقن دشمن ہے خلق اللہ کا
رہروؤں کی موت ہے خس پوش ہونا چاہ کا

نہ رُلا مجکو تو اے دوری کوئے محبوب
راہ میں ظلم مسافر کو ہے باراں ہونا

ماتم دریا دلاں شادی تنگ ظرفونکی ہے — گریۂ مینا ہے باعث خندہائے جام کا
سنتا ہوں تختہ پھولا ہے نرگس کا باغ میں — آنکھیں لڑائیے جو ارادہ ہے جنگ کا
آدمی کو موت کے آنے کی لازم ہے خوشی — عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا
دانت ہلتے ہیں ہوئے ہیں موئے سر سارے سفید — گو ہنستی ہے مجھکو شایاں مرگ کا
زعم ہیں اپنے یہ نافہم جو استاد ہیں سب — معترض ہو جئے تو قائل ایراد ہیں سب
قاتل اپنا جو کرے گنج شہیداں آباد — دہن زخم کہیں خانۂ احسان آباد
منکر ہیں ذات صانع عالم کے دہریئے — ناقہوں کا عمل ہے فقط لا الٰہ پر
مرے صنم کا کسی کو مکاں نہیں معلوم — خدا کا نام سنا ہے نشاں نہیں معلوم
رفیق حال برے وقت میں نہیں کوئی — شریک جنگ میں شمشیر کا نیام نہیں
صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی — ساکھو جلا ہے کیا کیا پھولا جو ڈھاک بن میں
ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں — ہوتا ہے اک بہشت کا دانہ انار میں
شرف بخشا گھر کو صرف کرکے تو نے زور مہمتا — نگیں کو نام نے تیرے بٹھایا خانۂ زر میں
محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو — جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو
کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے — سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے۔
بے اعتبار نقش و نگار زمانہ ہے — اک رنگ پر ہوا نہیں رہتی ہے باغ میں
خدا کی یاد جوانی میں غافلوں کر لو — دگرنہ وقت فضیلت تمام ہوتا ہے
حسن وہ شے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر — چشم عاشق کی طرح آئینے حیران ہو گئے
تم فاتحہ بھی پڑھ چکے ہم دفن بھی ہوئے — بس خاک میں ملا چکے چلئے سدھارئیے
خوب روئے حال پر اپنے وطن کا سنکے حال — کوئی غربت میں جو آنکلا ہمارے شہر سے
بیوفائی کا اگر عیب نہ ہوتا تم میں — اے بتو سجدہ خدا کو نہ مسلماں کرتے
باغ جہاں میں گل کی قناعت ہے جائے رشک — عمر دو روزہ ایک قبا میں تمام کی

آصف نواب آصف الدولہ بہادر نہایت فیاض بادشاہ تھا۔ دلی کے تمام شہزادوں اور شعرا نے اسکے سایہ عاطفت میں پرورش پائی سنہ ۱۲۱۲ھ میں انتقال کیا اور بڑے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ میرسوز سے تلمذ تھا۔

جو شمشیر اس کی علم دیکھتے ہیں — وہیں سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف — تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

اسیر مغفور

"بعض خود نوشت حالات"

حقیقت میں دیکھو تو دنیا میں کیا نہیں ہے سب کو فنا ہے ۔ اجل سر پر کھڑی ہے وقفہ کم ہے اول بھی عدم ہے آخر بھی عدم ہے ۔ یہ بزم آراستہ کیا پسند آئے ۔ ہمارا دل دنیا سے برخاستہ ہے زیادہ رہنے سے کیا ۔ دنیا دل لگانیکے قابل نہیں ہے ۔ کیسے کیسے عزیز و قریب اُٹھ کر گوشۂ قبر میں سو رہے ۔ جن سے دل بہلتا تھا وہ تابندہ کوکب خاک میں مل گئے ۔ دورِ فلک میں جو لوگ مغتنم تھے وہ پردۂ خاک میں نہاں ہو گئے ۔ جو زیست میں ہمدم و ہم نوالہ تھے اُنھیں کا ماتم کرنا پڑا ۔ جن کے لئے پوشاکیں قطع کیں اُنھیں اپنے ہاتھ سے کفن پہنایا ۔ شب و روز جن کے ہاتھ میں ہاتھ رہتا تھا ۔ ان کے تابوت کے ساتھ جانا پڑا ۔ جو آٹھوں پہر پہلو میں رہتے تھے ۔ اُن کو تختۂ غسل پر لٹایا ۔ جو زور میں ہر وقت ہم پنجہ رہتے تھے اُنکو زمیں لٹایا ۔ سر سبز چمن غارت پائمال ہوا ۔ بھرا ہوا گھر عزیزوں سے خالی ہو گیا ۔ نہ وہ محفل ہے نہ وہ ساقی ۔ زندگی کا مزا جاتا رہا ۔ زمانے نے کیا کیا رنگ دکھائے ۔ اس سرا میں کہیں ٹھکانا نہیں جو آیا ہے اُسے ایک دن جانا ضرور ہے ۔ نہ کوئی یار نہ غمگسار فقط مرگ کا انتظار ہے ۔ ضعیفی میں جوانی کا مزہ کہاں ۔ ہم تو رہ گئے زندگی کا مزا جاتا رہا ۔ اب کچھ اپنا حال بیان کروں جو سُننے کے قابل ہے ۔ قصبہ اَمیٹھی جو آباد ہے ۔ وہی میرا وطن وہی میرا مولد ہے ۔ چمن ہے لیکن خزاں دیدہ رفیعان صاحب حشم رئیسانِ عالی ہمم سب اُٹھ گئے ۔ جب نو دس برس کا سن ہوا ۔ بخت رسا لکھنؤ میں لایا ۔ میرے جنت مقام باپ میر مدد علی تھے ۔ محب نبیؐ و علیؓ شیعہ پاک و صاف اعتقاد عالی وقار بڑے فارسی داں حضرت عباسؑ علم بر دار کی اولاد میں کبھی کبھی شعر کہتے تھے ۔ مائل تخلص تھا ۔ میں جب قبلہ گاہی کی خدمت میں حاضر ہوا شفقت سے پڑھانے لگے ۔ فارسی میں روشن سواد ہو گیا ۔ اُستاد بن گیا ۔ بہت سے طالب علم آنے لگے ۔ آخر فکر روزی سے مکدر ہوا تو پہلے کتب خانہ میں نوکر ہوا ۔ وہاں خوشنویسوں کا مجمع تھا ۔ مجکو بھی شوق پیدا ہوا ۔ رفتہ رفتہ جب شاعروں سے ملاقات ہوئی ۔ شعر کہنے کا ڈھب ہو گیا ۔

رنگین شاعری کی ہوس ہوئی مضامین تلاش کرنے لگا۔ دیوان جمع کر کے دیکھے پچھلوں کے رنگین
کلام یاد کیے بعض بعض موقع پر عربی زبان کی ضرورت پڑی فکر ہوئی اس کا بھی کچھ علاج
کیجیے۔ چچا میر سید علی نے (جو علم خفی و جلی میں بہت دقاق تھے صرف و نحو میں منتخب روزگار
تھے۔ حکمت، منطق میں بے مثل حدیث قرآن پر شیفتہ آپ نے جلاء العیون نظم کر کے داد سخن
دی تھی) میرے پڑھانے میں کمال محنت کی۔ چار برس تک ان کے مدرسے میں تعلیم حاصل
کی۔ زمانے نے کچھ ایسا انقلاب کیا فکر قوت میں اضطراب ہوا پڑھنے پڑھانے کی صحبت جاتی رہی
روزی کی فکر نے پریشان کیا۔ القصہ کچہری میں نوکری کی۔ کچھ انشا گری جانتا تھا عمر کے
آٹھ برس اسی شغل میں بسر ہوئے۔

خدا کی شان رزاقی وہاں ایک عالم مرزا کاظم علی تھے۔ ان کی خدمت میں مشرف رہا
حدیقہ حکیم سنائی پڑھا علم حاصل کیا۔ وہ کامل تھے۔ مجکو بھی کامل کر دیا۔ کبھی کبھی میر قایم علی
سے پڑھ لیتا تھا۔ وہ ایک متقی عالم ہیں۔ ترک عادت تو بہت مشکل ہے۔ شاعری کا بھی کچھ
کچھ خیال رہا۔ جا بجا مشاعروں میں گیا۔ شاعروں کی صحبتیں رہیں۔ میں نے کبھی اس بات کا
خیال بھی نہیں کیا کہ مجکو شاعری میں کمال ہے۔ مگر لوگ تو تعریف کرتے ہیں۔ یہ پرچے ہمکو
بھی گزرتے ہیں۔ تواریخ کی صبح شام کی سیر۔ لغت کی کتابیں پیش نظر رہیں۔ جب حضرت
ثریا جاہ خاقان زماں محمد امجد علی شاہ زیب تخت و کلاہ ہوئے۔ بڑے نیک طینت معین شریعت
فرشتہ خصال تھے۔ تو مدار المہام وزیر الممالک امین الدولہ عمدۃ الملک امداد حسین خان بہادر
ذوالفقار جنگ وزیر ہوئے۔ خدا نے ایسا بلند قدر بنایا کبھی ایک چیونٹی کو بھی نہیں ستایا۔
صبح سے شام تک وزارت کے کام کرتے اور شام سے صبح تک عبادت میں مصروف رہتے۔
ہر گھڑی خاص عام کی خبر تھی۔ رونق اسلام کی بڑھایا کیے۔ روز افزوں تائید خدا
رہی۔ لیکن خاکساری بدستور قایم رہی۔ ان کے بزرگ بھی بہت صاحب ثروت قوم بنگش
سے فرخ آباد کے رئیس تھے۔ جب یہ پہلے پہل لکھنؤ میں آئے تو محلہ تحسین گنج میں قیام کیا۔
مکانات خرید کیے۔ جب وزارت ملی تو ماہ نو سے ماہ کامل ہو گئے۔ خاندان کا خاندان تھا۔
مرزا اسکندر شکوہ کے مکانات ان کے بیٹے عباس شکوہ سے مول لیے۔
از سر نو ان سب کی تعمیر کی۔ مکانوں کی تقدیر چمک گئی۔ "امین آباد" نام رکھا۔ اسی جگہ
باغ پنڈائن تھا۔ وہ بھی بادشاہ نے مرحمت فرمایا۔ اس کو خوب تیار کیا اور "امداد باغ" نام رکھا

عجب عشرت آباد بن گیا دکانوں سے بازار شق القمر بن گیا۔ لوگ نواب کو دعا دیتے ہیں۔ وہاں رہنے والوں کو آرام ہے۔ طبیعت میں حق پرستی کا مذاق ہے۔ بجز رونق دین اور کچھ حرص نہیں۔ ایک مجتہد ملازم ہیں صبح و شام نمازیں ہوتی ہیں۔ ہمیشہ للّٰہ تقسیم زر ہوتی ہے۔ مرزا جی کا باغ مول لیا ہے اس کے قریب درگاہ حضرت عباسؑ علم بردار بنائی ہے جہاں صبح شام مجلسیں ہوتی ہیں۔ زیارت کو خاص و عام آتے ہیں۔

میں بھی اُن کے بندوں میں ایک صاحب نیاز بندہ تھا۔ کچھ ایسا حق نہ تھا جس پر ناز کرتا۔ مجکو محض عنایت سے میر منشی کا محکمہ دیا۔ بہت مسرت سے تین برس کٹے۔ کچھ حسب حال مقدرت حاصل ہوئی۔ جو عزیز قریب میرے ساتھ تھے۔ اُن کے بخت و نصیب موافق رہے خدا کا شکر و سپاس ہے۔ یہ بھی قیاس و وہم سے باہر تھا۔ یہاں نہ تو حسن صورت ہے۔ نہ حسن خط ہے۔ املا بھی غلط۔ انشا بھی غلط۔ شکر کا دم دل کیوں نہ بھرے۔ خدا ہمارے محسن پر احسان کرے۔

بعد ازاں گردش روزگار ہوئی۔ زمانہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ آسمان و زمین دوسرے ہوگئے فلک نے ہمیں خانہ نشین کر دیا۔ کیا کہوں جو دور زمانہ ہوئے۔ تمام اقارب عدم کو روانہ ہوئے میری زوجہ نے بھی انتقال کیا۔ دل کو نہایت ملال ہوا۔ میرے سر پر اس قدر بلا پر بلا پڑی کہ دنیا سے دل اُٹھ گیا۔ زمانے کی سیر بہت کی الٰہی اب انجام بخیر ہو۔

میں یہاں نیک نام رہا۔ اب علیؑ کی محبت میں تمام ہوں۔ سخن مختصر دنیا سے دل بہت برخاستہ تھا۔ کسی بزم آراستہ سے کچھ کام نہ تھا۔ ناگاہ ایک شاہی خواص آیا اور مجھے دیوان خاص میں لے گیا۔ وہاں حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ اختر صاحب سریر رونق افروز تھے یہ بادشاہ رعایا کا بہت محبوب ہے۔ خدا کو اس کی خوشی منظور ہے۔ اور ایام میں ایسے بادشاہ کہاں پایۂ تخت بلند رہے۔ چشم بد سے گزند نہ پہنچے مجھ جیسے ناچیز شخص سے خلق کیا۔ امتیازی درجے سے پاس بٹھایا۔ ایک ایسی کتاب عنایت فرمائی جو درحقیقت گل انتخاب تھی۔ میں نے حسب حکم اُسے نظم کیا۔ سُن کے بہت خوش ہوئے۔ مجھے بھی ان کی خوشی سے مطلب تھا۔ فقط یہاں تک اسیر مغفور کے خود نوشت حالات تھے۔

اسیر کے دادا کا نام سید محمد علی تھا ابن مولوی سید معین الدین ابن محمد صالح کردری نانا ان کے لکھنؤ کے شیخ زادے تھے۔ تدبیر الدولہ مدبر الملک مظفر علی خاں بہادر۔ بہادر جنگ دربار اختر ہی سے خطاب ملا۔

جس زمانہ میں نواب محمد سعید خاں والی رامپور لکھنؤ میں رونق افروز تھے۔ اسیر صاحب زادگان عالی شان کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ پھر نواب یوسف علی خاں بہادر فردوس مکان کے عہد میں گھر بیٹھے وظیفہ خوار رہے۔ پھر زمانہ سلیمان سریر آصف مشیر حاجی حرمین شریفین ہلال رکاب نواب محمد کلب علی خاں بہادر میں دربار سخن فہموں سے سجایا گیا۔ اور قدر دانی کا بازار گرم ہوا۔ اسیر بھی بیش بہا تنخواہ پر بلائے گئے۔

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگردوں میں بعد آتش کے انھیں کا مرتبہ تھا۔ ہزار ہا مستفید ہوئے۔ ایک دیوان فارسی گلشن تعشق اور چھ دیوان اردو میں ہیں۔ ریاض مصنف گلستان سخن دیوان اسیر عاشقانہ دیوان میں ایک دیوان غیر مطبوعہ ہے۔ ایک دیوان منقبت موسوم بہ گلدستہ امانت ہے۔ ایک کلیات قصاید اردو ایک مثنوی درۃ التاج ہے جو بادشاہ کی فرمائش سے نظم کی تھی۔ ایک مثنوی میں نواب امین الدولہ وزیر لکھنؤ کے زخمی ہونے کی کیفیت لکھی ہے۔ ایک مثنوی معارج الفضائل معجزات ائمہ میں ہے۔ ایک کتاب زر کامل عیار شرح معیار الاشعار اور بہت سے رسائل علم عروض و قوافی کے فارسی اور اردو میں ہیں۔ رسالہ بیان اضافت، رسالہ تشریح الحروف فارسی میں ہے۔ فوائد مظفریہ علم نحو عربی میں ہے۔ ان میں سے بعض کتب طبع ہو چکی ہیں۔ مدت دراز تک مرثیہ اور سلام کہا کئے۔ مگر وہ دفتر غدر میں تلف ہو گیا۔ ۱۲۲۹ھ میں غازی الدین حیدر بادشاہ تخت نشین اودھ ہوئے اسی سال اسیر پیدا ہوئے واجد علیشاہ کے عہد میں علی نقی خان وزیر کے ہاتھوں امین الدولہ کی دوستی میں اسیر بھی کچھ دن اسیر رہے۔ اسیر نے قدرتاً شاعرانہ طبیعت پائی تھی۔ بہت پرگو تھے۔ ساٹھ ساٹھ ستر ستر شعر کی غزل کہا کرتے تھے۔ مصحفی اکثر کہا کرتے تھے "ایک روز یہ آخری شاگرد استادوں کی صف اول میں جگہ لے گا۔

اسیر جب واجد علی شاہ کے دربار میں رفقا کے معزز عہدے پر ممتاز ہوئے۔ خطاب حاصل کیا تنخواہ مقرر ہوئی۔ تو ہم چشموں میں اعزاز بڑھ گیا۔ شاعری چمک گئی۔ بہت سے شاگرد ہوئے۔ اسیر کی غزل گوئی کا رنگ سب سے الگ تھا۔ بہت پرگو تھے۔ مضامین عالی نظم کرتے تھے۔ اصلاح بہت جلد دیتے تھے۔ جب انتزاع سلطنت ہوا اور بادشاہ کلکتہ تشریف لے گئے۔ تو اسیر لکھنؤ نہ چھوڑ سکے یہاں ان کے قدر دان بہت تھے۔ اکثر روسا امرا شاگردوں نے ایک محلہ منشی گنج کے نام سے آباد کیا تھا۔ اس میں رہتے تھے۔ کشیدہ قامت۔ گورے۔ کتابی رو

متوسط الجثہ تھے - اکثر ٹخنوں تک کا کرتا پہنتے تھے - رشک اور اسیر میں معاصرانہ چوٹیں چلا کرتی تھیں - باوجود کمال کے اسیر میں خود نمائی نہ تھی - شاعری کی طبیعت کا اندازہ اُن کے کلام سے ہو سکتا ہے - ایک شعر میں اپنی عادت کو نظم کرتے ہیں ؎

مثل ہلال بدر ہے کب طالب خطِ
وہ خود نما نہیں ہے جو صاحب کمال ہے

مزاج میں انکسار بہت تھا - اور اسی کو پسند کرتے تھے - ایک موقع پر نظم میں اس کا اظہار بھی کیا ہے ؎

جو افتادہ ہیں ان کی ہر جگہ تعظیم ہوتی ہے
ہجوم خلق ہو ہر چند جائے سایہ خالی ہے

درحقیقت اسیر کے مزاج کی افتاد ایسی ہی واقع ہوئی تھی - اس میں کچھ تکلف نہ تھا - ہر کہہ ومہ سے بہ تواضع پیش آتے تھے - علم وفضل کا غرور نہ تھا - آخر یہ آفتاب شاعری سنہ ۱۲۹۹ھ میں غروب ہو گیا - اُن کے انتقال کی ایک تاریخ خواجہ محمد یوسف صاحب یوسف نے کہی تھی - جس کا مصرعہ تاریخی یہ ہے ع

ہاں مصحفی کی باقی تھی ایک یہ نشانی

غرض وہ زمانہ شاعری کے لئے بہت اچھا تھا - جس میں اسیر، آتش، ناسخ، وغیرہ اہل کمال پیدا ہوئے - اور اپنے کمال کی قدر کے ساتھ دنیا سے اُٹھ گئے - اب نہ صاحبِ کمال ہیں نہ قدر دان سخن - اہل کمال ہیں بھی، تو اُن کے جوہری کہاں ہیں - بہت سے ہیرے اب پتھروں کے ساتھ تل رہے ہیں -

تیرے دیوانے کو یوں آرام محفل میں نہیں
جیسے دریا کو قرار آغوش ساحل میں نہیں

تا زیست مجھے دخل جو تھا شعر کے فن میں
اعمال بھی تولے گئے میزان سخن میں

رکھتے نہیں کچھ منزل مقصود سے مطلب
ہے نبض کے مانند سفر ہمکو وطن میں

ابھی تلک نہیں ٹوٹا کسی کا دل مجھ سے
نہ خلق کا نہ خدا کا گناہگار ہوں میں

اپنا قصور ہے کہ چڑھایا ہے تجھکو سر
تقصیر تیری چرخ ستمگار کچھ نہیں

کچھ نہ ہو تجھسے سلوک اے آسماں اتنا تو ہو
پاؤں پھیلیں جسمیں تربت کا مکاں ایسا تو ہو

آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی
خیر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی

میر برشتہ دہلوی

شعرا مر گئے مٹ گئے ان میں کوئی ملک الشعرا تھا اور کوئی خدائے سخن - مگر ظالم فلک کو
ان کی خاک پر بھی رحم نہ آیا - نشانِ قبر کو کس بے دردی سے پامال کر رہا ہے - لکھنؤ میں "پیر جلیلوں"
کے نام سے عنایت باغ کی پشت پر ایک محلہ مشہور ہے - اس میں "پیر جلیل" کوئی بزرگ
سید تھے - جو ابتدائے اسلام میں یہاں آئے تھے - ان کا مزار ایک بلند ٹیلے پر ہے - اس کے
آس پاس بہت سی قبریں ہیں - دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے محلہ میں قبریں ہی قبریں
تھیں - اور ایک پرانا تکیہ ہے - لوگوں نے قبروں کو مٹا کر اپنے اپنے مکان بنا لئے - اور بہت
سی ٹوٹی پھوٹی قبریں اب بھی موجود ہیں، جو قبر مکان کی چار دیواری کے اندر لے لی جاتی ہے -
پھر اُس کا نشان تک معدوم ہو جاتا ہے - اب بھی جو قبریں اس دست بُرد سے بچ رہی ہیں انکی
حالت یہ ہے کہ محلہ کے اہیر اُن پر اُپلے تھاپتے ہیں - بہت سی غلاظت پڑی رہتی ہے - بعض
آدھی بعض ثلث معدوم ہو گئی ہیں - اس تکیہ پر میں کئی مرتبہ گیا اور نہایت افسوس کیساتھ
واپس آیا - قبروں کی حالتِ زار اور ان کی نجاست مجھ سے دیکھی نہ گئی میں نے بہت چاہا کہ ان
خفتگانِ خاک کے کچھ تاریخی حالات بھی معلوم ہوں - مگر کسی پر سنگِ تربت نہ ملا -

پھر میں نے خیال کیا کہ جس طرح "نادان محل" کے مقبرے کو میونسپلٹی نے اپنی حفاظت میں
لے لیا ہے اسی طرح اس قبرستان کے آثار قدیمہ کو بھی اپنی حفاظت میں لے لے تو کم سے کم
مسلمانوں کے دل نہ دُکھیں گے - اور مرحومین کی ہڈیاں نجاست میں آلودہ نہ ہوں گی - مجھے
از حد تلاش تھی کہ اس قبرستان میں کسی مشہور آدمی یا کسی شاعر کی قبر کا پتہ ملے - مگر قرب و
جوار کے رہنے والے جاہل لوگ کچھ نہ بتا سکے -

ایک روز ایک بہت مسن نحیف الجثہ مرزا صاحب سے راہ میں نیاز حاصل ہوا تو میں نے
اس قبرستان کی بابت دریافت کیا، فرمانے لگے مجھے اس تکیہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہے - اتنا
جانتا ہوں کہ شاہی میں میرے والد یہاں ایک قبر پر فاتحہ پڑھنے آتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے
بزرگ اُستاد میر برشتہ دہلوی کا مزار پاک ہے - اکثر پھول وغیرہ بھی چڑھاتے تھے - اور اب
تو یہاں وہ بے ادبی ہوتی ہے کہ معاذ اللہ - یہ جاہل لوگ غلیظ پھیلاتے ہیں، میں نے پوچھا

آپ کو میر صاحب کی قبر بھی یاد ہے۔ کہنے لگے اب تو تکئے کی وہ صورت نہیں رہی مگر میں چلکر دیکھتا ہوں شاید سمجھ میں آجائے۔ "پیر جلیل" کے مزار کے قریب ایک شکستہ قبر تھی، کہنے لگے گمان غالب اسی پر ہے۔ اس ٹیلے پر چڑھنا اُترنا اُن کے لئے ایک منزل سے کم نہ تھا نیچے اُتر کر قبر کی حالت پر بڑا افسوس کیا۔ اور غمزدہ ہو کے پوچھا، آپ کو معلوم ہے ان کا نام کیا تھا؟ کہنے لگے، ہم نے نام تو نہیں سنا لوگ "میر صاحب" کہتے تھے۔ پوچھا شاگرد کس کے تھے کہنے لگے "میر تقی میر" کے شاگرد تھے۔ پوچھا آپ کو کلام یاد ہے۔ فرمایا دو ایک شعر سنے تھے

دیکھا جو اپنے در پہ برشتہ کو یہ کہا کیا خانماخراب کہیں تیرا گھر نہیں

اور اسی غزل کا مطلع بھی یاد آیا ہے

ہنگامہ میری آہ سی کیا چرخ پر نہیں وہ کونسی زمین ہے جو اشکوں سے تر نہیں

دوسری غزل کا مطلع بھی کیا خوب ہے

سُلگا کے دل کو عشق میں پہنچی جگر کو آگ اے چشم تر بجھا کہ لگی سارے گھر کو آگ

ہم نے سنا ہے کہ شاہی میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا جس میں مصحفی اور میاں مخمور بھی شریک تھے۔ میر برشتہ کا ایک شعر بہت پہلا تھا۔ طرح تھی، نکالے بلبل، آئے بلبل، میر صاحب کا شعر ہی

گوش گل کے ترے نالوں نے نہ پردے کھولے اب تو تالو سے زباں اپنی لگائے بلبل

میاں مخمور کا بھی ایک شعر اسی طرح میں بہت مشہور ہے

پھر رہی کنج قفس پھر رہی صیاد کا گھر چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

برشتہ کا صرف ایک مطلع مجھے اور یاد ہے وہ سنائے دیتا ہوں

عشق میں جی کا ہے ضرر در پیش میں اسی سوچ میں ہوں سر در پیش

میں نے کہا کہ میر صاحب کی کوئی اولاد تھی، کہنے لگے مجھے نہیں معلوم اتنا سُنا ہے کہ "مفتی گنج" میں رہتے تھے۔ زمانہ ناموافق تھا۔ میر صاحب نازک مزاج تھے۔ اور باوضع تھے پوچھا، کچھ صورت شکل آپ بتا سکتے ہیں، کہا میں نے دیکھا نہیں تھا جو کچھ حال سُنا تھا آپ سے کہدیا اور کچھ مجھے نہیں معلوم، میر برشتہ کا دیوان بعد چندے مجھے دستیاب ہوا وہ اشعار بھی موجود تھے۔ ایک غزل مطبوعہ "مجمع الاشعار" میں ملی جس کا مطلع یہ ہے

جو مدرسۂ عشق میں مجنوں کا سبق تھا
سو اپنے وہ دیوان کا برآوردہ ورق تھا

اور چند اشعار دیوان سے انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں ؎

ماجرا اے چشم تر ہر گز نہ کچھ افشا ہوا — اس قدر رویا قلم کاغذ کف دریا ہوا

جسقدر بدنام ہو عاشق وہ ہی نام آوری — پارسائے عشق وہ ہے جو کہیں رسوا ہوا

کیا دہان تنگ سے کچھ غنچہ تنگ آتا رہا — برگ گل تک اس لب نازک سے پتا تا رہا

مسکرا کر اُس نے مارا ہاتھ پر سر جو ہاتھ — کیوں نہ ہاتھ اپنے لہو دل ہاتھ سے جاتا رہا

رشتہ تقدیر اُلجھا جا کے زلف یار سے — پیچ پڑتے ہی گئے جو جو میں سلجھاتا رہا

پھر نہ کوئی کاروان رفتہ سے یاں آیا پھر — ہر نفس مثل جرس میں گو کہ چلاتا رہا

اے برشتہ کسقدر تھا تیرے دل کو اضطراب
جان نکلی تن سے باہر تو بھی گھبراتا نہیں

جان سے تنگ تھا دل کھو لکے رونے نہ دیا — دامن دشت بھی یاروں نے بھگونے نہ دیا

میرے لب سے جو ہوا نالہ بلند — حلقۂ گوش ثریا ہو گیا

خضر سے سن کے اس کے لب کی بات — منھ میں بھر لایا پانی آب حیات

آنے جانے پہ اُس کے ہے موقوف — عاشق خستہ کی حیات و ممات

شعر کے فن میں اے برشتہ تجھے — نہیں معلوم کیا ہے معلومات

اتنا تو رحم کرنا مرے حال زار پر — آنا کبھی تو فاتحہ پڑھنے مزار پر

اب اتنا تو پاس محبت اد اکر — کبھی دور سے دیکھ جایا کیا کر

ہائے لکھنؤ کی خاک میں دلی کے کیسے کیسے زبردست شاعر غربت نصیب ہو کر سو رہے ہیں جن کا کوئی نہ پانی دینے والا ہے نہ رونے والا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان مزارات کو محفوظ رکھا جاتا۔ اور اُن کے کلام کو شایع کیا جاتا مگر اُردو کے دلدادہ اسطرف متوجہ نہیں ہوتے اور ان گرانمایہ موتیوں کو ضایع کر رہے ہیں بعد چندے ان لوگوں کا کلام بھی میسر نہ آئیگا۔ میر صاحب کا دیوان بہت مختصر ہے اور کوئی غزل گیارہ بارہ شعر سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن کل کلام منتخب ہے اور بالکل تیر و نشتر ہے۔ افسوس ہے مجھے ان کے اور حالات نہیں ملے اور نہ کوئی دلی میں ان لوگوں کے حالات بتا سکتا ہے۔

کم سے کم ہم گورنمنٹ سے اتنی درخواست تو ضرور کریں گے۔ کہ "پیر جلیل" کے ٹیلے پر جو قبریں پس ماندہ ہیں ان کو اپنی حفاظت میں لے لے اور ان آثار قدیمہ کو قایم رکھے۔ قبروں کی

یہ حالت دیکھ کر کہ اُنپر اُپلے تھاپے جاتے ہیں، ہر سلمان کا کلیجہ مُنھ کو آتا ہے۔ ہم تو ملحد کی قبر کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرنا نہیں چاہتے۔ کچھ قبریں ایسی ہیں جنکو لوگوں نے اپنے مکان میں لے لیا ہے۔ لیکن غریب برشتہ کی قبر پر فلک ناہنجار کا سلوک دیکھ کر ہر آدمی کا بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے، تعجب نہیں کہ اس تکئے میں اور شعرا کے مزار ہوں، مگر کون بتائے اور کس سے پوچھا جائے۔ کسی قبر پر تاریخ کا پتھر نہیں اور ہوگا بھی تو لوگ نکال لیگئے ہونگے بہرحال جسقدر مستند شعرا کی قبروں کا پتہ چلتا ہے سب کا یہی حال ہے کہ نہ کہیں سنگِ تاریخ ہے نہ مزار سلم ہے شکستہ و ریختہ ہاں صرف بیکسی اور غربت ان کی ماتم دار ہے۔

تعشق مرحوم

سید صاحب تعشق لکھنؤ محلہ رکاب گنج دال کی منڈی میں رہتے تھے۔ خوشگو شاعر تھے تمام عمر مرثیہ گوئی میں صرف کی آخر وقت میں کربلائے معلیٰ چلے گئے اور واپس آکر لکھنؤ میں انتقال کیا اور دال کی منڈی میں دفن ہوئے، غزل گوئی بھی اچھی تھی۔

تم دامن نظارہ سے دو خلعت آخر	محتاج کفن کو ہے تن زار کسی کا
سوئے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا	موتیوں کی آبرو پر آج پانی پھر گیا
گر پڑے آنسو عروج ماہ کامل دیکھ کر	میری نظروں میں ترا عہد جوانی پھر گیا
کچھ نہ کچھ گور غریباں پر بھی ساماں ہوگیا	چار تارے چرخ پر ٹوٹے چراغاں ہوگیا
دل ہے مردہ خلق میں جانیسے کیا ہوجائیگا	ہم جہاں ہوں گے وہ گھر ماتم سرا ہو جائیگا
لیں دم اس منزل میں اب یہ حوصلہ جاتا رہا	جس کے ساتھ آئے تھے ہم وہ قافلہ جاتا رہا
دل جو مر جائے ہمارا تو کرے کون آہیں	سو گیا جاگنے والا شب تنہائی کا
انس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا	نازپرور دقفس ہوں میں نشیمن کیسا
کہدیا بس کہ تری آہ میں تاثیر نہیں	یہ نہ دیکھا کہ یہ سینے میں ہے روزن کیسا
تھا کبھی دور اسیران قفس اے صیاد	اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا
چاہتا ہوں کوئی دیکھے نہ تری تیغ کے زخم	چشم جراح ہے کیا دیدۂ سوزن کیسا
قطرۂ شبنم نہیں یہ راز حسن و عشق ہیں	گوش گل میں ہیں گہر اشک روان عندلیب

جلال مرحوم

حکیم میر ضامن علی جلال لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں سے تھے۔ آپ کے والد حکیم سید اصغر علی خان عہد نواب یوسف علی خاں والیِ ریاستِ رامپور کے یہاں داستان گوئی کے عہدے پر ممتاز تھے۔ دادا حکیم سید حسن علی خان حکیم شفائی خان مرحوم کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے اور شفاخانہ شاہی لکھنؤ میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے۔ بعد وفات حکیم سید علی خاں اُن کے فرزند حکیم سید اصغر علی خاں کو شفاخانہ شاہی لکھنؤ سے تیس روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی ان کا موروثی مکان "عیش باغ" میں تھا۔

حکیم ضامن علی جلال نے مدرسہ شاہی میں تعلیم پائی عربی "میبذی" تک پڑھی اور فارسی کی کتابیں بجائے خود مطالعہ کیں۔

حکیم صاحب کو ابتدائے سنِ شعور سے شاعری کا شوق تھا۔ پہلے امیر علی خاں ہلال کے شاگرد ہوئے۔ جو رشک مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے۔ بعد چندے امیر علی خاں ہلال نے آپ کو ہونہار دیکھکر اپنے اُستاد رشک مرحوم کے حوالے کیا۔ رشک بھی اسوقت "یار" میں رہتے تھے۔ اور محقق شاعر تھے۔ جلال ایک مُدت تک اصلاح لیتے رہے۔ اس کے بعد رشک بغرض زیارت کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور وہیں قیام کیا۔ اب جلال اپنا کلام بخشی الملک فتح الدولہ برق کو دکھانے لگے۔

حکیم صاحب کی ولادت سنہ ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ ابھی حکیم صاحب کی عمر بائیس[۲۲] برس کی تھی سنہ ۱۲۷۲ھ میں غدر ہوگیا اور تمام شرفائے شہر تباہ ہوگئے۔ حکیم صاحب اپنے والد کے پاس ریاست رامپور میں چلے گئے اور نواب یوسف علی خاں کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ تھوڑے دنوں بعد نواب یوسف علی خاں نے انتقال فرمایا اور یہ دونوں باپ بیٹے نواب کلب علی خاں بہادر کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ نواب کلب علی خاں بہادر بہت عقلمند رئیس تھے اور انکو اپنی ملکی زبان کی خدمت ملحوظ خاطر تھی ان کے دربار میں اُردو کے اچھے اچھے ثقات شعرا

ع لکھنؤ میں دریائے گومتی کے پاس مشہور محلہ ہے۔ مولف

جمع ہوگئے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر نواب کلب علی خان بہادر دو تین برس اور زندہ رہتے تو زبان کا مرکز بجائے لکھنؤ کے رامپور قرار پاتا۔ غالب اسی دربار کے متوسل تھے۔ اسیر مرحوم اسی دربار کے وظیفہ خوار تھے۔ شیخ امداد علی بحر۔ آفتاب الدولہ قلق منشی محمد اسمٰعیل منیر۔ شہزادہ حیا دہلوی۔ میر یار علی "جان صاحب" آغا حجو شرف لکھنوی۔ منشی امیر احمد امیر مینائی۔ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی۔ نواب مرزا خان داغ دہلوی۔ یہ سب لوگ اسی سرکار میں ملازم تھے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اُس زمانے کی شاعری ریاست رامپور کی فیاضیوں کی تو رقع پر ہوتی تھی۔

رامپور میں حکیم صاحب کی بہت قدردانی کیگئی۔ حکیم صاحب نازک مزاج بہت تھے اور ان کو اپنی شاعری پر ناز بھی تھا۔ محاورات کی حفاظت کرتے تھے۔ اور روزمرہ کے پابند تھے۔ اسوجہ سے وہ کسی کو اپنا مدمقابل نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشہور شاعر سے کہنے لگے۔ آج کل دو چار لونڈوں نے شاعری کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ شاعر نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے دو چار نام گنوانے کے بعد کہا۔ اور ایک اللہ رکھے آپ ہیں۔ شاعر صاحب صورت دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور ادب سے کچھ نہ بولے۔

ایک مرتبہ حکیم صاحب کے اس شعر پر مولوی عبدالحق خیرآبادی کو وجد آگیا ہے

حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا حال
آنکھ کمبخت سے پہچان گئے تم مجکو

چند مرتبہ ریاست رامپور سے مستعفی ہوکر چلے آئے مگر قدردان نواب نے ایام معزولی کی تنخواہ بھی ادا کی اور ان کو پھر بلوا بھیجا۔ جلال مرحوم کو سو روپئے ماہوار ریاست رامپور سے ملتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر قصیدے پر دو سو روپیہ ملتا تھا۔ عید اور بقر عید میں تو قصیدہ ضروری لکھا جاتا تھا۔ اور یوں بھی کسی تقریب پر قصیدہ کہکر پیش کرتے تھے۔

منگرول کے نواب حسین میاں بہادر شعرا کے بہت قدردان تھے۔ جلال کو پچیس روپئے ماہوار مستقل بھیجتے تھے۔ اور ہر قصیدے پر سو روپئے دیتے تھے اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ اپنے یہاں مشاعرہ کرتے تھے۔ اس میں جلال کو بھی طلب کرتے تھے۔ اور ہزار روپیہ رخصتی کا دیتے تھے شاہ مرشد علی صاحب بغدادی جلال کے شاگرد تھے یہ بھی اُن کی مستقل خدمت کرتے تھے۔ مدراس کے نواب تجمل حسین خاں ایمان بھی جلال کے شاگرد تھے اور کچھ تنخواہ بھی دیتے تھے۔ بشیر احمد خاں تعلقدار ملیح آباد، حکیم صاحب کے شاگرد تھے۔ کچھ ماہوار خدمت کرتے

تھے۔ حکیم صاحب کسی شاگرد کو بغیر منفعت مالی اصلاح نہیں دیتے تھے۔ اور کسی خط کا جواب نہیں لکھتے تھے۔ جس میں جواب کے لئے ٹکٹ نہ رکھا ہو۔

غدر کے بعد جب حکیم صاحب لکھنؤ واپس آئے تو "یار" والا مکان مسمار ہو گیا تھا۔ اُس کا نشان تک باقی نہ تھا۔ آپ نے "منصور نگر"[ع] میں ایک مکان خرید کیا اور اُس میں اپنے بیٹھنے کے لئے ایک کمرہ بنوایا۔ اُس کمرے میں بیٹھکر لوگوں کو اصلاح دیا کرتے تھے۔ ان کے دو فرزند تھے اور ایک لڑکی۔ بڑے فرزند "ننھے صاحب" تھے یہ بالکل اُمّی تھے دوسرے صاحبزادے حکیم سید محمد مہدی تھے یہ شاعری میں کمالؔ تخلص کرتے تھے۔ اور اچھا کہتے تھے۔ اپنے باپ کے صحیح جانشین تھے۔ لیکن افسوس ہے ان کی عمر نے وفا نہ کی اور باپ کے انتقال کے چند سال بعد خود بھی راہیٔ مُلکِ بقا ہوئے۔ حکیم صاحب کی نازک مزاجی سے چند دربار رامپور کے شاعر ان سے ناخوش تھے۔ اور ان کا غرور توڑنے کے واسطے ایک پوربی طالبعلم "ظہیر احسن شوق نیموی" کو تیار کر کے ان کا مدِمقابل بنایا اور حکیم صاحب کی کتابوں پر اسی سے اعتراض لکھوائے۔ لیکن حکیم صاحب کے کمال میں کچھ فرق نہ آیا۔ اور لوگوں کی نظروں میں اُن کی وہی وقعت رہی۔ جو ایک باکمال شخص کی ہونا چاہیئے۔ حکیم صاحب سے ہم سے ملاقات تھی وہ ایک مُدّتغ شخص ضرور تھے لیکن اس کے ساتھ ہی باکمال آدمی بھی تھے اور انصاف پسند تھے۔ اہل کمال سے بتواضع پیش آتے تھے۔ اور اپنی فروگذاشت کا اقرار بھی بہت جلد کر لیتے تھے۔ اور سخن فہم کی قدر کرتے تھے۔ اُن کو اس بات پر ناز تھا کہ وہ محاورے کو صحیح نظم کرتے ہیں۔ اور وہ اس بارے میں اپنا مدِمقابل کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ عروض دانی میں انکو اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ حکیم صاحب فرماتے تھے کہ آفتاب الدولہ قلق مرحوم کے مکان پر ایک صحبت مخصوص شعرا کی ہر اتوار کو ہوا کرتی تھی۔ اُس میں ہم بھی شریک ہوتے تھے۔ سب یاران یکدل تھے اور ایک دوسرے کی غلطی کو بے رورعایت بتا دیتا تھا۔ اور سب لوگ خوشی سے اعتراض کو قبول کرتے تھے۔ حکیم صاحب کہتے تھے۔ اس وقت شہر میں کچھ رئیسوں کی زبان مستند اور معتبر ہے۔ ان میں سے ایک نواب باقر علی خاں عروجؔ اور نواب جعفر علی خاں سالمؔ رئیس "شیش محل" بھی ہیں۔ اور فرماتے تھے۔ آج کل کے شاعر معلومات زبان اُردو سے خالی ہیں۔ آپ نے زبان اُردو کی بہت خدمت کی ہے۔ چار دیوان تصنیف کئے۔ پہلا

ع یہ لکھنؤ کا مشہور محلہ ہے۔ شاہی میں بہت آباد تھا۔ مولف

دیوان "شاہد شوخ طبع" دوسرا دیوان "گرشمہ گاہ سخن معروف بہ زبان حال" تیسرا دیوان "مضمون ہا، دلکش خیالات بمثال" چوتھا دیوان "نظم نگارین حسن مقال"۔

ایک لغت تصنیف فرمایا۔ جس کا نام "سرمایہ زبان اردو" ہے یہ لغت بسوط محاورات اور کنایات اور امثال زبان اردو کا ہے اور الفاظ کے اصطلاحی معنی بھی لکھے ہیں۔

"قواعد المنتخب" یہ ایک مختصر رسالہ زبان ہندی الاصل کے بعض مفرد اور مرکب الفاظ کی تحقیق اور تصریف کے بیان میں بہت مفید ہے۔

"مفید الشعرا" یہ تذکیر و تانیث کا ایک مشہور رسالہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب کی تصنیف سے ملک کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے رامپور سے واپس آکر بھی جناب جلال اکثر لکھنؤ کے مشاعروں میں شریک ہوئے۔ نواب سید اصغر حسین فاخر کے یہاں ہر مہینے میں ایک مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ طرح تھی۔ ع

فاخر ہمارے گھر پہ وہ آکر پلٹ گئے

حکیم صاحب کے ایک شعر نے مشاعرہ لوٹ لیا تھا ؎

لو امتحان تم مرے نالوں کا شوق سے ۔۔۔ کیوں ڈر کے آسمان کے نیچے سے ہٹ گئے

"دمے" کا دورہ آپ کو سرما میں اکثر اٹھا کرتا تھا اور بہت طوالت پکڑتا تھا۔ جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ دورے کی شدت تھی۔ منگل کے دن ان کے فرزند اکبر" منے صاحب" نے پوچھا کچھ خط ڈاک میں ڈالنے کے ہوں تو مجھے دیدیجئے میں ڈال آؤں وہ اکثر خط لیکر ڈاک میں ڈال آتے تھے۔ آپ نے کچھ ایسے لفظوں میں جواب دیا۔ جو انکی سمجھ میں نہ آیا۔ سمجھے شاید خط دینگے۔ کچھ دیر تک ٹھہرے رہے۔ پھر کہا خط دیدیجئے۔ کچھ جواب نہ ملا۔ پاس جاکر دیکھا۔ حکیم صاحب کا نزع کا عالم تھا۔ سانس زور زور سے چل رہی تھی۔ یہ ان کو پکڑ کر کمرے سے گھر کے اندر لے گئے اور اپنی بہن کو خبر بھجوادی۔

۱۹۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء بروز سہ شنبہ بوقت ۱۲ بجے شب ستتر برس کی عمر میں حکیم صاحب نے انتقال فرمایا۔ اور کربلائے "تال کٹورہ" لکھنؤ میں دفن ہوئے۔

انتخاب کلام

جس نے کچھ احساں کیا اک بوجھ ہم پر رکھ دیا ۔۔۔ سر سے تنکا کیا اتارا سر پہ چھپّر رکھ دیا

مٹا دو خود اگر تقدیر کا لکھا مٹانا ہے
مجھے شرمندہ کیوں کرتے ہو میری جبہہ سائی کا

بت ہی بت کعبے میں ہم کو پہلے آتے تھے نظر
اب نہیں کوئی رہے نام اے جلال اللہ کا

دلِ بیتاب کے پہلو سے جاتے ہی گیا سب کچھ
نہ پائیں سینے میں آہیں نہ آنکھوں میں اثر پایا

اُچھالا رات کو یوں اضطرابِ دل نے سوتے میں
کہ بستر پیٹھ کے نیچے نہ تکیہ زیرِ سر پایا

حبیب اپنا اگر دیکھا تو داغِ عشق کو دیکھا
طبیب اپنا اگر پایا تو اک دردِ جگر پایا

ساتھ کس کا کوئی دیتا ہے پریشانی میں
رنگ گلشن میں کبھی ہمسفرِ بو نہ ہوا

خدا کے سامنے ہم سے بتوں نے کیں نہ آنکھیں چار
وہیں شرما گئے آخر جہاں بیباک ہونا تھا

وہ کافر بھی مرے تابوت کے ہمراہ ہو لیتا
کوئی کہہ دے کہ جاتا ہے جنازہ اک مسلماں کا

کسی کی انجمن میں ہمکو جانا بھی چھپانا بھی
اِدھر تو داغ سودا کا اُدھر چاک گریباں کا

فرقت میں دردِ ایک مرا ہم نشیں رہا
اُٹھ بھی کھڑا ہوا تو یہیں کا یہیں رہا

اُٹھے جو بزمِ یار سے تنہا ہم آئے گھر
طاقت کہیں، حواس کہیں، دل کہیں رہا

مشغلہ ہے یہی اکثر دلِ سودائی کا
ڈھونڈھتا سینے میں پہلو مری رسوائی کا

کل تو دل پس پس گیا اتنا ہجومِ غم ہوا
یاد ہے زیرِ فلک ایسا بھی مجمع کم ہوا

سمجھ کے عشق میں لو امتحان بختِ جلال
تم اور حوصلہ تقدیر آزمائی کا

وہ پھر کے آپ تو آتا، اگر جواب نہ تھا
پیام بر تھا الٰہی مرا شباب نہ تھا

برنگِ آبلہ ہم پھوٹ پھوٹ کر روئے
کسی کا چھیڑ کے کچھ پوچھنا بھی نشتر تھا

نہ آنکھ دیکھ سکی جب وہ بے نقاب ہوا
تحیرِ نگہِ شوق خود حجاب ہوا

اسیر کر کے ہمیں کیوں رہا کیا صیاد
وہ ہم صفیر بھی چھوٹے وہ باغ بھی نہ ملا

عدو کو رنج نہ تم سے نہ آسماں سے ملا
تمھیں کہو یہ مقدر اُسے کہاں سے ملا

جانِ عاشق لی کسی نے کوئی رسوا ہو گیا
تم نے مارا نام بیچاری قضا کا ہو گیا

اُٹھا دیا جو خراباتیوں نے محفل سے
خدا نخواستہ میں تارکِ شراب نہ تھا

طلب کرتی ہے اُس کی ہر ادا دل
کہاں سے لاؤں اتنے یا خدا دل

بانکپن تیرا کسی اور ستمگر میں نہیں
تجھ میں جو نوک ہے قاتل ترے خنجر میں نہیں

نہ آہ مجھ سے نہ نالے ہی ساز کرتے ہیں
وہ ننگِ عشق ہوں سب احتراز کرتے ہیں

مجھکو جس دل کی شکایت تھی کہ قابو میں نہیں
اب تڑپتا ہوں اکیلا، وہ بھی پہلو میں نہیں

عشق کی چوٹ کا کچھ دل میں اثر ہو تو سہی
درد کم ہو کہ زیادہ ہو، مگر ہو تو سہی

یا ہمیں کھینچ بلائینگے اُنھیں یا وہ ہمیں
کشش عشق اِدھر خواہ اُدھر ہو تو سہی

کیوں فلک وصل کی شب بھی نہ ہنسیں یار سے ہم
شام ہی سے یہی دھمکی کہ سحر ہو تو سہی

آئے ہیں وہ کہ رُلا کر مجھے پونچھیں مرے اشک
آنکھ کمبخت مگر خشک ہے تر ہو تو سہی

ایک ہی شوخی خدا نے دی ہے حسن و عشق کو
فرق بس اتنا کہ وہ آنکھوں میں ہے یہ دل میں ہے

تو بند کئے لیتے ہیں ہم دیدۂ مشتاق
اب دیکھیں تو آجاتے ہو تم دل میں کدھر سے

ایسی کچھ میرے تصور نے دکھائیں شوخیاں
خود اُسے آغوش میں کھینچا تری تصویر نے

کرشمے تم نے خدائی کے سب دکھائے بتو
بس ایک بندہ نوازی کی شان باقی ہے

محبت دیتی ہے جو درد عاشق کو وہ روز افزوں
جگر میں پھانس چبھتی ہے تو بڑھکر تیر ہوتی ہے

دائمی وصل کے خواہاں نہیں ہم تجھ سے فلک
چار دن وہ بھی بہت جلد گذرنے والے

ملو نہ تم تو یہی لطف گاہ گاہ ملے
کہ ہم سے آنکھ ملے، دل ملے، نگاہ ملے

پکار اُٹھنے سے دعویٰ عشق کا ثابت نہیں ہوتا
مری اک چپ ہے بڑھکر سو گواہوں کی گواہی سے

مری آنکھیں تری صورت کو ترسیں
گلہ ہے تجکو صورت آفریں سے

مرا خط دے کے کہنا اُن سے قاصد
کہ پڑھ لو اِس کو تم کچھ تو کہیں سے

دل سے الفت میں بہت حسرت و ارماں نکلے
اور جو رہ گئے وہ جان کے خواہاں نکلے

تڑپنے دو مجھے یا امتحانِ صبر ہی لے لو
کہ ایک شخص سے بس ایک کام ہوتا ہے

وہ توبہ جس کے ہاتھوں سیکڑوں جام و سبو ٹوٹے
ابھی تو ٹوٹ جاتی ہے کہیں مے کی جو بو چھوٹے

شروعِ عشق ہی میں ہیں دل و جگر بیتاب
ابھی سے حال یہ ہے اپنے ساتھ والوں کا

ہم تھوڑے سے جرم پہ بھی شرمائے ہیں کیا کیا
اک جرعۂ مے پی کے عرق آئے ہیں کیا کیا

نالے دلیل درد ہیں حاصل بیاں سے کیا
دل تو پکارتا ہے کہوں میں زباں سے کیا

نشانِ بخت سے پوچھا جو خوش نصیبوں کا
تو اُس نے نام بتایا مجھے رقیبوں کا

جلال عہدِ جوانی ہے دوگے دل سو بار
ابھی کی توبہ نہیں اعتبار کے قابل

کس سے درد اپنا کہیں کون ہے غمخوار انھیں
ایک دل وہ بھی انھیں کے ہے طرفدار انھیں

تم سے خوش چشم تو دیکھے نہیں انسانوں میں
پتلیاں ہیں کہ پریزاد پری خانوں میں

بزم مے میں تماشے ہوتے ہیں
جام ہنستے ہیں، شیشے روتے ہیں

میلا ہے پسِ دفن جلال اپنی لحد پر
تابوت کے ساتھ آئے ہیں ارمان ہزاروں

کوئی یہ پوچھ دے دردِ نہاں سے
مجھے دل ڈھونڈھ لایا ہے کہاں سے

دیر میں بھی مثلِ مسجد رائیگاں اوقات کی
کچھ خدا نے ہمکو پوچھا کچھ بتوں نے بات کی

شمع ہے ہر استخواں پوچھو نہ حالِ سوزِ غم
سو زبانیں ہیں مگر فرصت نہیں اک بات کی

نجات ہو گئی ناصح سے عمر بھر کے لئے
اُسی کو بھیجدیا یار کی خبر کے لئے

ہمیں وہ نامہ بر لا جواب ملتا ہے
جسے وہاں سے پیمبر خطاب ملتا ہے

جب سینہ چاک ہو دل بھی تپاں رہے
پھر آرزو کسی کی الٰہی کہاں رہے

دل کی کیا کیا شبِ فرقت میں مدارات نہ کی
لاکھ روٹھے کو منایا مگر اک بات نہ کی

شاد ہو ہو کے کھلاتا ہوں کلیجہ اپنا
غم بھی کیا یاد کریگا کہ مدارات نہ کی

کوچۂ یار میں دل جا کے ہمیں بھول گیا
بیمروت نے کبھی آ کے ملاقات نہ کی

سُنتے ہیں آئی تھی مستانہ گھٹا بھٹی پر
خبر اس کی ہمیں یارانِ خرابات نہ کی

کاش خود ہی اُسے منظور رُلانا ہو جائے
دل بھر آتا ہے رونے کا بہانہ ہو جائے

دل تمھیں دینگے جب اُس میں یہ صفت ہو لیگی
کبھی آئینہ بنا تو کبھی شانا ہو جائے

واہ ری تاثیر میری بے اثر فریاد کی
ہو گئے افلاک پتھر کے زمیں فولاد کی

تیوری جو اُس کی چڑھ گئی عاشق پہ آ بنی
بنکر ادا بنی تو بگڑ کر قضا بنی

اک رات دل جلوں کو یہ عیشِ وصال دے
پھر چاہے آسمان جہنم میں ڈال دے

قاتل سے ہم جو روٹھ چلے یہ نہ ہو سکا
شمشیر ہاتھ دوڑ کے گردن میں ڈال دے

دِل کو دیتے ہیں دعا روتے ہیں گردن والے
جس مصیبت میں ہمیں چاہے یہ دشمن ڈالے

کیا کیا وفائیں کی ہیں ذرا یاد کیجئے
کچھ سونچ کر غلام کو آزاد کیجئے

غیر کرتا ہے جبیں سائی قدم پر یار کے
دیکھ لینا آج ماتھے جا ئینگی دو چار کے

غمِ دلدار جب آتا ہے دل خوش ہو کے کہتا ہے
مرا سرمایۂ عیش و نشاطِ زندگی آیا

کہتی ہے قضا کشتہ ہمیں اس کی ادا کا
کیا سیر ہے لیتی ہے ادا نام قضا کا

اُس شوخ نے خلوت میں طلب ہمکو کیا ہے
ٹل جائے جو دم بھر کو تو احسان حیا کا

دیکھو اچھا نہیں نظروں سے گرانا دل کا
دونوں عالم میں رہیگا نہ ٹھکانا دل کا

بیخودی ہے وصل میں بہتر کہ خلوتخانہ ہے
ہوش کو کیا دخل کیوں آتا ہے کچھ دیوانہ ہے

لاکھ یہ آسماں چھڑائے جلال ——— چھوٹتا کب ہے لکھنؤ مجھ سے

جب اُسے لکھتے ہیں خط دیکھئے قسمت کا بگاڑ ——— آپ ہی آپ وہ تحریر بگڑ جاتی ہے

غیر کو شانہ کشِ گیسوِ جاناں دیکھا ——— رات کو ہم نے عجب خواب پریشاں دیکھا

پیش آیئے کبھی تو محبت کی راہ سے ——— شکوے کریے نگاہ ہی ملکر نگاہ سے

یوہیں تقدیر نکالے کبھی حسرت دل کی ——— آپ سُنتے ہوں میں کرتا ہوں شکایت کسکی

وصل کے سب لطف شکوے کھو چکے ——— ہم پشیماں آپ نادم ہو چکے۔

شبِ وصال یہ اندھیر کیا کیا میں نے ——— کہ اُس کو لیکے تہِ آسماں نکل آیا

جلال داغ بھی اُس نے اگر دیئے ہمکو ——— فلک جلا یہ سمجھکر کہ مہر و ماہ ملے

جان صاحب

جانؔ صاحب میر یار علی ساکن لکھنؤ محلہ رستم نگر شاگرد شیخ امام بخش ناسخ ۔ ریختی گو، سیاہ فام لاغر اندام کمرو نحیف الجثہ ۔ محاورات بیگمات لکھنؤ کے محافظ ۔ اِن کے کلام پر یہ الزام آتا ہے کہ کلام فحش تھا لیکن اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اپنے زمانے کے انقلاب کی تصویر نہایت خوبی سے کھینچی ہے اور اخلاقی مضامین کو بھی اچھے پہلو سے ادا کیا ہے پند و نصائح کا ذخیرہ بھی ان کے کلام میں بہت ملتا ہے محاورے کو من و عن نظم کیا ہے ۔

عِلمی لیاقت تو معمولی تھی لیکن پڑھنے کا انداز بہت اچھا تھا ۔ معمولی سے معمولی شعر بھی ان کی زبان سے چمک جاتا تھا ۔ ہمیشہ عسرت سے بسر ہوئی ۔ آخر عمر میں نواب کلب علیخاں نے رامپور بلوا کر ان کی عزت افزائی کی ۔ بقیہ عمر اسی ریاست میں صرف کی ، وہیں انتقال کیا وہیں دفن ہوئے ۔ سُنا ہے کہ ان کے خاندان کے بعض رامپور میں اب بھی موجود ہیں ۔

شان میں اللہ کے مطلع وہ ہو دیوان کا ——— جیسے بسم اللہ پہا لکھ ہے ہوا قرآن کا

چوری ہوئی پتہ نہیں چلتا ہے مال کا ——— گھر گھر گلہ کروں گی اجی کوتوال کا

سوتے ہیں اب وہ چین سے مخمل کے فرش پر ——— گٹھا ہو الفیب نہ جنکو پیال کا

کھانا چرا کے خوب نہیں ماں سے پان کا ——— منھ کی کہیں کھلائے نہ چسکا زبان کا

صرفہ نکر نواڑ کا غارت نہ کر جہیز ——— پاپلی بھی دے پلنگ نہ بیٹی کو بان کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا ——— اب دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

مرزا بہادر جگر

مرزا محمد عباس علی خاں نام جگر تخلص خلف مرزا محمد آغا علی خاں ناظم صوبہ اودھ مرحوم رئیس لکھنؤ، آپ کی ولادت ۱۸۵۴ء میں ہوئی ۱۸۸۳ء میں آپ ذاتی قابلیت اور اپنے موروثی حقوق کے سبب سے "سول سروس" کا امتحان پاس کر کے فیض آباد کے اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے مرزا صاحب کی عمر اُس وقت پچیس برس کی تھی۔ پانچ برس کے بعد آپ کا تبادلہ ضلع ہردوئی کو ہو گیا۔ اور بضرورت انتظام خانگی چھ سال کے بعد آپ نے سرکاری عہدے سے سبکدوشی حاصل کر کے لکھنؤ کی سکونت اختیار کی۔ مرزا صاحب نہایت نیک مزاج مخیر آدمی تھے۔ سرکاری ملازمت کے زمانے میں بھی آپ نے ہندوستانی وضع رکھی، انگریزی، فارسی، عربی، بقدر ضرورت جانتے تھے۔ اور سیاق و سباق میں ماہر تھے۔ شاعری کا شوق طبیعت میں ابتدائے سن شعور سے تھا باوجود اس کے شاعری کا دعویٰ نہ تھا۔ حافظہ ایسا صحیح تھا کہ سیکڑوں شعر اُردو، فارسی کے یاد تھے۔ شعر کے حسن و قبح پر بہت جلد نظر دوڑ جاتی تھی۔ انتہائے کتب بینی سے آخر عمر میں آپ کی بصارت کم ہو گئی تھی۔ مگر مذاق شاعری عروج پر تھا۔ دیوان مکمل ہو گیا تھا۔ مرض حبس البول میں مبتلا تھے۔ ایک مرتبہ ایسے سخت بیمار ہوئے اور مرض نے ایسی طوالت کھینچی کہ کسی طرح افاقہ نہ ہوا۔ پندرہ بیس روز تک اشداد مرض میں مبتلا رہے۔ دو مرتبہ نشتر لگایا گیا۔ آخر ۱۲ مئی ۱۹۱۰ء کی نصف شب کو انتقال فرمایا۔ اور موافق وصیت کے نعش کربلائے معلی بھیجی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب کی ذات رؤسائے لکھنؤ میں بہت مغتنم تھی۔ آپ کی فیاضیاں زبان زد عام ہیں اور آپ کے خاندان میں فیاضیاں موجود ہیں۔

انتخاب کلام

نہ مسرت ہمیں اچھی نہ ملال اچھا ہے
آپ راضی ہیں جسمیں وہی حال اچھا ہے

ہمنشیں وہ اگر آتے ہیں تو آنے دینا
یہ نہ کہنا کہیں لِلّٰہ کہ حال اچھا ہے

ع یہ موروثی خطاب ہے۔ مولف

آپ کو حضرت زاہد ہے عبث رنج شباب — آپ کے حق میں جوانی کا زوال اچھا ہی
غیر کے کہنے پہ اچھا نہ سمجھنا مجھکو — تم چلے آؤ تو بیشک مرا حال اچھا ہی

مانگ جو مانگنا ہے خالق اکبر سے جگر۔
سارے عالم میں اسی سے تو سوال اچھا ہی

نتیجہ زندگانی کا ہے کچھ دنیا میں کر جانا — خیال موت بیجا ہے وہ جب آئے تو مر جانا
کریں ہم آہ کس دل سے نزاکت منع کرتی ہے — کن آنکھوں سے بھلا دیکھیں کسی کا مُنہ اُتر جانا
عیادت کو وہ کیا آتے ہیں گویا دل جلاتے ہیں — نہ کچھ کہنا نہ کچھ سُننا اِدھر آنا اُدھر جانا
مہ کامل کو اب کی ماہ میں ہمکو چھپانا ہے — ضرورت تو نہیں، لیکن ذرا تم بھی سنور جانا
بڑی مشکل سے اتنا قرب تجھسے آج حاصل ہے — ہمارے ذبح میں ظالم کہیں جلدی نہ کر جانا

کہیں کیونکر بتاؤ تو دکھائیں حال دل کس کو
وہ اتنی دور ہیں ہم سے کہ مشکل ہی نظر جانا

یاد آتا ہے مجھے جب تو ہنسی آتی ہے — دیکھ کر آئینہ اُس شوخ کا حیراں ہونا
لپٹی جاتی ہے مری رُوح لحد سے میری — ہاتھ کا ان کے جو مرقد پہ نشاں دیکھا ہے
چشم حیرت سے فلک دیکھ رہا ہے تم کو — یہ نیا طرز ستم اُس نے کہاں دیکھا ہے
کہدو ہمیں کہ لایق تیر نظر ہے کون — مدت سے بحث یہ مرے قلب و جگر میں ہے
سب جانتا ہوں میں مجھے غافل نہ جانئے — ہر ایک بات آپ کی میری نظر میں ہے
احباب باوفا نے تو چھوڑا ہمارا ساتھ — اپنا بھی کوچ اب یہی شام و سحر میں ہے
کہتے ہیں اپنے ہاتھ سے کاٹو تم اپنا سر — گویا کہ اُن کی تیغ ہماری کمر میں ہے

کب تک اُٹھائیں آپ کی نازک مزاجیاں
طاقت نہ دل میں ہے نہ ہمارے جگر میں ہے

عام حالت پہ بسر کی زندگی تو نے تو کیا — کچھ تو کر ایسا کہ عالم بھر میں افسانہ رہے
اب رنگ زمانے نے وہ بدلا ہے کہ جنہیں — سائل کے لئے دستِ تونگر نہ اُٹھے
زمانہ دولت دُنیا اُنھیں کو دیتا ہے — کہ جنکا نام بھی وقتِ سحر نہیں لیتے
ساری دنیا ہے تری سارا زمانہ تیرا — جسکو سُنتا ہوں وہ کہتا ہے فسانا تیرا
جس ستم کی تھی نہ اُمید وہی تو نے کیا — نزع کا حال مرا اور نہ آنا تیرا

دل توڑ توڑ کر مرا کہتے ہیں بار بار — جیسا تھا اُس سے ہم اسے بہتر بنائینگے
اغیار کیا ہنسیں گے ترے حال پر جگر — جو خود بنے ہیں وہ تجھے کیونکر بنائینگے

لو خدا حافظ وہاں جاتے ہیں اب — جس جگہ جا کر کوئی آتا نہیں

سحر بھی ہوگئی دن بھی چڑھ آیا — جگر اُٹھے نہیں یہ بات کیا ہے

دامن بچا کے خون سے کر قتل بے وفا — دھبا اگر لگا تو چھڑایا نہ جائے گا
بالیں پہ ہے وہ رشک قمر دیکھ لے جگر — پھر آئیگا وہ وقت کہ دیکھا نہ جائے گا

وصل پر اسے مہِ کامل جو اشارا ہو جائے — تیرے بیمار کو جینے کا سہارا ہو جائے

اُن کا ملنا اک خیال خام ہے — کیوں تڑپتا اے دل ناکام ہے
پس جگر اب زندگانی ختم ہے — اُن کی اُلفت موت کا پیغام ہے

رشک مرحوم

میر علی اوسط رشک تلمیذ شیخ امام بخش ناسخ ساکن لکھنؤ محلہ مدح گنج کتب درسیہ فارسی عربی میں فارغ التحصیل تھے، صاحب تلامذہ کثیر نہایت پر گو۔ آپ کے دو دیوان مطبوعہ شاہی اب کمیاب ہیں نہایت درجہ محتاط ہر محاورہ صحیح نظم کرتے تھے۔ ماہر فن بزرگ قوی الجثہ طویل القامت آپ نے اُردو میں ایک لغت تصنیف کیا تھا۔ عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ میں انکی شاعری کا آغاز تھا ابتدائے سنہ ۱۲۷۰ھ آخر عمر میں کربلائے معلے چلے گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔

کربلا جانیکا سبب یہ واقع ہوا کہ رشک کا ایک پوتا تھا، اور ایک ہی لڑکا تھا۔ پہلے لڑکے کا انتقال ہوا۔ اُس کے بعد پوتا ابھی سن شعور تک پہنچا تھا کہ دفعتہ بیمار ہوکر جمادی الاول کی چوبیس تاریخ روز پنجشنبہ سنہ ۱۲۶۵ھ کو انتقال کیا اس صدمہ جانکاہ سے متاثر ہوکر آپ کربلائے معلے چلے گئے اور پھر واپس نہ آئے۔

تیسرا دیوان انکا سنہ ۱۲۶۷ھ میں تیار ہوگیا تھا جسکی تاریخ منیر نے لکھی تھی۔

طور انوار ہے دیوان سوم لاثانی

جو رنج نوشتے میں ہے کیونکر نہ ملے گا — سنہ ۱۲۶۷ھ — لکھوائیں گے نامہ تو کبوتر نہ ملے گا
بالفرض کہ ہے سروِ چمن تیرے برابر — پر ہم کو مزا تیرے برابر نہ ملے گا
یا ساتھ ترے سوئیں گے یا گور میں جا کر — مدفن تو ملے گا جو ترا گھر نہ ملے گا

جناب رشید لکھنوی

سید محمد مصطفےٰ مرزا عرف پیارے صاحب رشید مرثیہ گو سید احمد مرزا صاحب صابر مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ بچپن سے لوگ آپ کو پیارے صاحب پیارے صاحب کہتے تھے۔ آخر وہی نام ہوگیا۔

صابر مرحوم کی شاعری نے تو اسقدر شہرت نہیں حاصل کی لیکن رشید کے عم بزرگ سید حسین مرزا صاحب عشق نامی مرثیہ گو تھے۔ وقعت فن کے لحاظ سے ابتدائی تعلیم کے بعد رشید صاحب نے اُنھیں کی شاگردی اختیار کی۔ آپ کے دوسرے چچا سید مرزا صاحب تعشق بھی اچھے شاعر تھے۔ اور تغزل کا رنگ ان کے کلام میں اچھا تھا۔ رشید صاحب نے دو اُستادوں کی نگرانی میں فن شاعری حاصل کیا۔

ان کے والد سید احمد مرزا صاحب صابر میر ببر علی صاحب انیس مرحوم کے خویش تھے اس لحاظ سے جناب رشید کو اپنے نانا کے رنگِ شاعری پر ناز تھا۔ مگر تعلیم کا اثر زیادہ ہوتا ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جناب رشید کی مرثیہ گوئی نے آخر عشق کی شاعری کا رنگ اختیار کیا۔ عشق اور انیس کی شاعری میں وہی فرق ہے۔ جو انیس و دبیر کی شاعری میں ہے عشق مرحوم کی شاعری میں تحقیق الفاظ اور صحت روایات کا بہت خیال ہے۔ لیکن کلام کسی قدر روکھا پھیکا ہے اسی وجہ سے ان کے کلام نے اتنی شہرت نہیں حاصل کی۔ جناب رشید تعلیم فارسی سے فارغ ہوتے ہی شاعری کے زمرے میں داخل ہوگئے۔ ان کا رنگ تغزل بہت اچھا تھا۔ اکثر رؤسا اور اُمرا کے مشاعروں میں بھی آپ شریک ہوا کئے ہیں۔

عشق و تعشق کے بعد رشید کی شاعری نے شہرت حاصل کی۔ غزل کی مشق بہت چڑھی ہوئی تھی۔ اسی لئے جب آپ نے مرثیہ گوئی میں قدم رکھا تو اس میں بھی غزل کا رنگ غالب رہا رفتہ رفتہ آپ مرثئے میں بہاریہ مضمون لکھنے لگے اور یہ روش آپ کی سب کو پسند آئی۔

جناب رشید کے مرثئے میں ساقی نامے کا رنگ بہت چوکھا رہتا ہے۔ جس میں آپ نے ظہوری کا رنگ اختیار کیا ہے۔ ابتدا میں آپ مرثئے بہت مشقت سے کہتے تھے رفتہ رفتہ حیدرآباد میں نواب بہرام الدولہ بہادر کے کانوں تک آپ کی مرثیہ گوئی کی خبر پہنچی تو انھوں نے

اپنی مجلس کے لئے انھیں کو تجویز کیا۔ نواب بہرام الدولہ کے یہاں اکیس محرم سے تیس محرم تک مجلسیں بہت عظیم الشان ہوتی ہیں۔ جن میں اکثر حضور نظام حیدر آباد بھی رونق افروز ہوتے ہیں نواب بہرام الدولہ جناب رشید کی بہت عزت کرتے ہیں اور بعد اختتام مجلس ایک ہزار پانچسو روپئے بھی نذر کرتے ہیں۔

پہلی ربیع الاول سے آٹھویں ربیع الاول تک آپ کلکتے میں سفیر ایران کے یہاں مجلسیں پڑھتے ہیں۔

لکھنؤ میں آتو جی کی مسجد میں ایک مرثیہ پڑھتے ہیں۔ جسمیں کثرت سے لوگ شریک ہوتے ہیں اور لطف شاعری آتا ہے۔ تخمیناً دس بارہ برس سے آپ مجلس خوانی کرتے ہیں۔

مرثئے کی بعض ٹیپیں اور بعض بند آپ نے ایسے لکھے ہیں جو لوگوں کی زبانو پر رہ گئے ہیں سلام کے بعض شعر، رُباعیاں پیری کی حالت میں ایسی لکھی ہیں۔ جن کی اساتذہ حال نے داد دی ہے۔

ایک سلام کا شعر ہے جس میں پیری کی حالت کو نئے عنوان سے دکھایا ہے ؎

غرور اب کیا بڑھیگا خم ہوئے اسدرجہ پیری سے ہم اپنے سر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں

ایک غزل پر سلام لکھا ہے ؎

کیا لے کے خاک تربت سرور بنائینگے دل اور ایک دل کے برابر بنائینگے

کرتے ہیں جمع اشک ہمارے ملائکہ حوروں کے کان کے لئے گوہر بنائینگے

حداد روتے جاتے ہیں لوہا کیا ہے نرم قتل حسین کے لئے خنجر بنائینگے

شہ دامن رضائے خدا کو یہ دیں گے طول اپنا کفن مزار کی چادر بنائینگے

ٹوٹے ہیں دل غریبوں کے پانی نہیں ملا یہ جام بیٹھ کر لب کوثر بنائینگے

کرکے حسن کو خلق ہوا حکم کردگار اک فخر خاندان پیمبر بنائینگے

ہو جائے غرق کشتی امت مجال کیا شبیر اپنے صبر کو لنگر بنائینگے

کہتی تھی ذوالفقار نہ تھی مجکو یہ خبر شبیر تجھ سے تربت اصغر بنائینگے

مضموں نکال جاؤ ہزاروں تم اے رشید
گلدستے ان گلوں کے سخنور بنائینگے

تناہی میں رشید کی عمر دس برس کی ہوگی اور اس وقت آپ کا سن پینسٹھ برس کا ہے

آپ جسم کے دُبلے اور نہایت ضعیف الجثہ ہیں ۔ فرماتے ہیں "اسقدر ضعیف ہوں اکثر چلنے میں گر گر پڑتا ہوں"
تواضع اور انکساری میں آپ کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے ۔ مگر وہی شاعرانہ مبالغے کا پہلو لئے ہوئے ۔ آپ کی بات بات سے شاعری ٹپکتی ہے ۔
یہ تو آپ اکثر کہا کرتے ہیں کہ "سب اچھے ہیں میں بُرا ہوں" لیکن اس کو کوئی یقین نہیں کرسکتا ۔ اسی طرح آپ کے انکسار کا ایک خاص رنگ ہے جسمیں شاعری کا ایک جزو ملا ہوا ہے
بہرحال لکھنؤ کا رنگ تصنع ابھی تک زندہ ہے اور مشرقی تہذیب کے لوگ اس کو برتنے پر مجبور ہیں ۔ لباس اور پوشاک میں بھی خاص امتیاز رہتا ہے ۔ بات چیت میں تکلف ، سچ بات تو یہ ہے کہ اس مٹنے پر بھی لکھنؤ کی خلقت غنیمت ہے ۔

انتخاب کلام

رُباعیات

پیری میں خمیدہ کر دیا ہے تو نے ظالم کیسا ستم کیا ہے تو نے
سیدھا ہونے دے ابتواے پیرِ فلک ــــــ اپنا سا مجھے بنا لیا ہے تو نے

کیا بات ہے کس خوف سے تھرّاتا ہوں کچھ قوت و طاقت میں کمی پاتا ہوں
پیری تو جوانی سے گرانقدر نہیں ــــــ کیا بوجھ پڑا ہے کہ جھکا جاتا ہوں

پیری نے جھکایا ہے سفر کرتا ہوں سب اہل زمیں کو یہ خبر کرتا ہوں
عالم کو جو خوب دیکھنا ہے منظور ــــــ ذرے ذرے پہ میں نظر کرتا ہوں

ہے ضعف کہ دشوار تکلم ہے اب جینا اک برق کا تبسم ہے اب
پیہم دیتی ہے فوجِ پیری جو شکست ــــــ دانتوں کی صفوں میں بھی تلاطم ہے اب

دوں گا میں دعائیں اگر پاؤں گا کچھ دن ابھی دنیا کی ہوا کھاؤں گا
اتنا نہ جھکا کہ گر پڑوں اے پیری ــــــ اب چھوڑ مجھے ، خاک میں ملجاؤں گا

وہ تیز زباں وہ خوش بیانی نہ رہی کیفیت باغ زندگانی نہ رہی
دیکھا بھی نہ ہم نے خواب غفلت میں کچھے اب آنکھ کھلی کہ جب جوانی نہ رہی

افسوس امیدِ زندگانی بھی نہیں
طفلی نہیں، پیری و جوانی بھی نہیں
رخصت ہوئی روح ساتھ چھوڑا سب نے
وہ وقت آیا کہ ناتوانی بھی نہیں

طفلی میں جو تھا وہ دل ہمارا نہ رہا
بعد اس کے شباب کا سہارا نہ رہا
فصلِ پیری میں دانت سب ٹوٹ گئے
آئی جو سحر تو کوئی تارا نہ رہا

سُن لیجئے شیب کی کہانی مجھ سے
کچھ اس کی ہوئی نہ قدردانی مجھ سے
میں پیر ہوا سخن ہوا میرا جوان
لی میرے کمال نے جوانی مجھ سے

اب تو ہے تلاشِ یارِ جانی مجکو
ہے یاد اب تک وہ مہربانی مجکو
میں تو طفلی سے کھیلتا پھرتا تھا
اور ڈھونڈتی پھرتی تھی جوانی مجکو

ہیں یاد وہ دن نظر میں وہ راتیں ہیں
سمجھوں گا مرے پاس بھی سوغاتیں ہیں
تربت میں گنہ سارے بیاں کر کے رشید
کہدوں گا جوانی کی یہ سب باتیں ہیں

بالوں کی سیاہی، آہ ہیہات گئی
کہتے ہیں جوانی جسے، وہ رات گئی
دانتوں نے زبان کی فصاحت کھو دی
لو، صبح ہوئی، رات گئی، بات گئی

مدت سے جدائی کا الم باقی ہے
اک عمر سے یہ نشانِ غم باقی ہے
یوں جھک کے جوانی سے مِلا وقتِ وداع
جب سے اب تک کمر میں خم باقی ہے

سو رنج میں روز کم سے کم کھاتا ہوں
جو کوئی نہ کھا سکے، وہ غم کھاتا ہوں
پیری کی طرف دیکھ کے شرم آتی ہے
جب اپنی جوانی کی قسم کھاتا ہوں

کیوں کنجِ لحد کے متصل جاؤں گا
کہنے کے لئے مطلب دِل جاؤں گا
پیری سے بنوں گا منکسر اور رشید
جھکتے جھکتے زمیں سے مِل جاؤں گا

پیری سے رہا نہ کوئی چارا ہم کو
قوت کا قوا کے تھا سہارا ہم کو
تنہا موت آکے کیا بناتی رشید
پیری نے شریک ہو کے مارا ہم کو

پیری سے ہوئے ہیں سفری کی صورت
اُٹھتے ہیں تو درد جگری کی صورت
ہم بیٹھتے ہیں غبارِ خاطر کی طرح
چلتے ہیں نسیم سحری کی صورت

کب کوئی بلا نگاہ بانی سے رکی
اک لحظہ نہ موت زندگانی سے رُکی
پیری کا نام گو ضعیفی ہے رشید
پر ایسی قوی ہے نہ جوانی سے رُکی

اس دہر سے سب بُرے بھلے جائینگے
کیا خلق سے جز گناہ بے جائینگے
پیری سے ہیں خم حشر میں دیکھیگا کون
جنت میں جھکے جھکے چلے جائینگے

ہر چند بہت ملول و دلگیر ہوں میں
کیا فائدہ کیوں بیاں کروں پر ہوں میں
دیکھو مجھے، پوچھنے سے حاصل کیا ہے
پیری وہ ہے جس کی تصویر ہوں میں

پیری سے ہیں خم راہ جناں کیونکر لیں
اک عمر پھرے ہیں، دم ذرا، دم بھر لیں
سوئے ہیں لحد میں اے فرشتو نہ اٹھاؤ
چلتے ہیں ذرا کمر تو سیدھی کر لیں

افسوس جوانی کی نہ کچھ غور ہوئی
ہوتی تھی جو کیفیت بہر طور ہوئی
دانتوں نے کیا قصد جدا ہونیکا
آنکھوں کی بھی کچھ مجھ سے نظر اور ہوئی

دل کو طرف عجز یہ موصوف کیا
ایسا سوئے انکسار مصروف کیا
اپنا بھی مقابلہ نہیں کرتا میں
اب آئینہ دیکھنا بھی موقوف کیا

پیری میں رشید یہ بد آئینی ہے
بالوں میں خضاب طرفہ رنگینی ہے
آئینہ بھی دیکھتے ہو ماشاءاللہ
اب تک تمھیں خیال خود بینی ہے

انتخاب غزلیات

شبہہ ہے تم کو کہاں ٹوٹے تھے تارے راتکو
دم بدم آنسو ٹپکتے تھے ہمارے رات کو
کیں وہ بعد وصل باتیں بڑھ گیا پھر شوق وصل
ہیں وہی، نکلے تھے جو ارمان سارے رات کو
دل جگر لینے پھر آئے صبح کو کہتے ہوئے
رہ گئے بستر پہ دو موتی ہمارے رات کو
آپ نے پوچھا نہ جان و دل، جگر نے لی خبر
درد فرقت میں نہ کس کس کو پکارے رات کو
آپ آرایش بھی کرتے ہیں موافق وقت کے
دن کو منھ دھویا گیا، گیسو سنوارے رات کو
ڈھونڈتے پھرتے ہیں لکو صبح سے آج اے رشید
دلربا تھا ایک پہلو میں ہمارے رات کو

لے لیا کل شب کو چٹکی میں کئی بار آپ نے
شمع میں ہوتا تو کرتا پیار اُس گل گیر کو
دست و پا میں ہے تشنج آتی ہیں انگڑائیاں
آج میں نے کھینچتے دیکھا ہے تری تصویر کو
دیکھنے کو ہے فقط تصویر کی صورت رشید
سچ اگر پوچھو جوانی لے گئی اس پیر کو

مار ڈالے گی مجھے یہ خوش بیانی آپ کی / موت کا پیغام آئے گا زبانی آپ کی

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے / مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

آپ سے ملکر گلے راحت سے آجاتی ہے نیند / سبزۂ خوابیدہ ہے پوشاک دھانی آپ کی

بعد مُردن کھینچ لایا جذبِ دل سینے پہ ہاتھ / ایک انگوٹھی میں جو پہنے تھا نشانی آپ کی

بڑھ چکا قد بھی، عروجِ حسن کی حد ہو چکی / اب تو قابل دیکھنے کے ہے جوانی آپ کی

مجھ سے دن بھر دل کہا کرتا ہے قصہ آپ کا / رات بھر میں دل سے کہتا ہوں کہانی آپ کی

جب وہ مجکو دیکھتا ہے ہنس کے کہتا ہے رشید
کتنی پابندِ وفا ہے زندگانی آپ کی

سزا ہر ایک کو دینے لگی حیا اُن کی / کہ چاک ہوگئی لپٹی جہاں قبا اُن کی

بہت غرور ہے عادت نہیں تواضع کی / جھکائے دیتی ہے لیکن اُنھیں حیا اُن کی

شکایتیں بھی گئیں جب سے زخم پھیل گئے / زیادہ ہوگئی ہے میرے دل میں جا اُن کی

وہ مستِ ناز تھے دو گام بھی نہ چل سکتے / سنبھالتی ہوئی لائی اُنھیں ادا اُن کی

نمو کی فصل جوانی کی آمد آمد ہے / کہ جا بجا سے مسکنے لگی قبا اُن کی

کیوں نہ رنگِ ماہ فق ہو سامنے آتے ہوئے / تیرے آگے مہر کو دیکھا ہے تھراتے ہوئے

اپنی اپنی جا ہر اک مغرور ہے اے شاہِ حسن / لاکھ بل کھاتے ہیں گیسو تا کمر آتے ہوئے

فتنۂ محشر صدا دیتا ہے جب چلتے ہیں آپ / ہم بھی آتے ہیں جلو میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

کھنچ کے دم آیا لبوں تک روح گھبرانے لگی / سچ بتاؤ کیا اشارہ کر گئے جاتے ہوئے

زلفِ سنبل نے سنواری ہے یہ کسنے کہدیا / آئے غصے میں چمن تک بال سلجھاتے ہوئے

سلسلہ جنبانِ وحشت ہیں نئی تدبیر سے / طوق منت کے بدلتے ہیں مری زنجیر سے

ذبح میں بھی لی گئیں ہم پر بہت سی تہمتیں / سیکڑوں طوفاں اُٹھے آبِ دمِ شمشیر سے

کشتۂ لاغر کو اپنے دفن کر دیجے فقط / غسلِ میت ہو چکا آبِ دمِ شمشیر سے

آپ لے جائیں انھیں یا دل کے ٹکڑے جوڑ دیں / میری خاطر جمع ہو جائے کسی تدبیر سے

نزع میں ہیں پاؤں میرے کوئے جاناں کی طرف / جا رہا ہوں واں پہنچ جاؤں کسی تدبیر سے

کلمۂ حق اب تو لازم لے بتِ بے پیر ہے / رکھ چکا ہے حلق پر خنجر دمِ تکبیر ہے

آپ کی آنکھوں نے مارا دل کی یہ تقریر ہے / اُس کے دعوے پر گواہی سُرمے کی تحریر ہے

وہ اسیرِ حسن ہیں اور ہم اسیرِ عشق ہیں / واں گلے میں طوق ہے یاں پاؤں میں زنجیر ہے
ایک ظالم نے کسی کو آج زخمی کر دیا / یہ نہیں معلوم کس کا دل ہے کس کا تیر ہے

اثر ہے دل کا ہر اشکِ رواں میں / نشاں یوسف کا ہے سب کارواں میں
غرورِ عشق سے یہ تفرقہ ہے / چمن میں گل ہیں، بلبل آشیاں میں
خبر رکھنا ذرا اے ساتھ والو / کہ ہم ہیں پا شکستہ کارواں میں

نزع میں رشکِ مسیحا کا خیال اچھا ہے / گو برا وقت ہے لیکن مرا حال اچھا ہے
تیرے بیمار تک آنے نہیں پاتا کوئی / بیکسی درد سے کہہ دیتی ہے حال اچھا ہے
میں نے کچھ سوچ کے یہ نزع میں کہلا بھیجا / اب مری جان نہ آنا مرا حال اچھا ہے

اے جنوں خواہش ہی میرے پاؤں کو زنجیر کی / بیڑیاں بڑھتی ہیں شاید اس بتِ بے پیر کی
ہجر جب ہوگا یہ باتیں یاد آئیں گی ہمیں / خون رلوائیگی رنگینی تری تقریر کی
خوب بیٹھا ہے عمل پھیلے ہوئے ہیں زخم و درد / دل کی بستی میں دُہائی ہے تمھارے تیر کی
جبر ہے، اب خاطرِ احباب کب تک اے رشید / فکر ایذا دیتی ہے، طاقت نہیں تحریر کی

جلوہ گر بام پہ جب مہرِ رخِ یار نہ تھا / کوئی کوچے میں بجز سایۂ دیوار نہ تھا

پسِ مردن رہائی کا ہے غم دلہائے نالاں پر / وفاداروں کی روحیں روتی ہیں درہائے زنداں پر
ہجومِ ناتوانی ہے۔ جنوں کی فصل آ پہنچی / مجھے آتا ہے رونا حسرتِ دست و گریباں پر
ترا وحشی فقط ہے منتظر اک خندۂ گل کا / نظر سوئے چمن ہے ہاتھ رکھا ہے گریباں پر
نشاں خوں ریزیوں کا دے رہے ہیں سرخ لب تیرے / شہیدوں کے ہیں لاشے سرحدِ شہرِ خموشاں پر

عقدے الفت کے سب اے رشکِ قمر کھول دیئے / سینہ یوں چاک کیا داغ جگر کھول دیئے
سب حسینوں نے مرے قتل پر کمریں باندھیں / ڈورے تلواروں کے اور بندِ سپر کھول دیئے
آ گیا ہوش تری چال کے مشتاقوں کو / حشر کی سن کے صدا دیدۂ تر کھول دیئے
عام یاراں کی طرح سے ہے کرم ساقی کا / آئی برسات کہ میخانے کے در کھول دیئے
جا عجب کی نہیں گر اہلِ محبت روئے / میرے ماتم میں حسینوں نے بھی سر کھول دیئے
امتحاں حسرتِ پرواز کا منظور ہوا * / ذبح کر کے مجھے صیاد نے پر کھول دیئے
شرم آئیگی مجھے لوگ سمجھ جائیں گے / تم نے گیسو مرے لاشے پہ اگر کھول دیئے

رشید آغازِ الفت سے کہیں انجام بہتر ہے / کہ بحرِ عشق کے ڈوبے لبِ کوثر نکلتے ہیں

سحر تک روز زنداں کی ہلا کرتی ہیں دیواریں
نہ جانے تیرے قیدی کسطرح فریاد کرتے ہیں

اور بگڑے ہیں مزاج آپکے دیوانوں کے
آج در بند کئے جاتے ہیں زندانوں کے

وصلت شمع کی شب بھر تو رہی سر میں ہوا
صبح کو بزم میں پر اُڑتے تھے پروانوں کے

دل جگر پڑھتے ہیں کلمہ ترا ملکِ تن میں
ساری بستی میں یہ دو گھر ہیں مسلمانوں کے

قہر کی آج چلی تیغ نگاہ ساقی
چور شیشے ہوئے ٹکڑے ہوئے پیمانوں کے

لختِ دل خون جگر نذر غم و درد کر دوں
ماحضر چاہیئے کچھ واسطے مہمانوں کے

ابر اُٹھا یہ خبر پائی ہے مے خواروں نے
راستے بند نظر آتے ہیں مے خانوں کے

شاعروں کے لئے توہین کا باعث ہو رشید
تم نہ بیٹھا کرو مجمع میں سخندانوں کے

ساقیا دور رقیبوں کا رہا جام چلے
یاد رکھنا کہ ہم اس بزم سے ناکام چلے

مجھ تک آنے نہیں دیتے اُنھیں یہ کہکے رقیب
مہندی چھٹ جائیگی پاؤں کی جو دو گام چلے

بام گردوں سے گرا مہر اُدھر مغرب میں
سیر کرنے کو ادھر تم جو سر شام چلے

ضعف ہو لاکھ مگر دشت نوردی نہ چھٹے
حشر تک چاہیئے مجنوں کی طرح نام چلے

بے وفا کہہ کے پکارا دم آخر تم نے
وائے تقدیر کہ ہم لے کے یہ الزام چلے

سفر ملکِ عدم پر ہیں رشید آمادہ
بسکہ اب دیر نہیں صبح چلے شام چلے

راقم

راقم منشی بندرابن دہلوی شاگرد سودا، کوتہ قامت بلند فکر۔ خوش فکری کی انتہا یہ ہے کہ پُرانے تذکرے میں انکا حال نہایت حسُن کے ساتھ لکھا ہے۔ کلام بہت پاکیزہ ہے۔

نامے کا میرے لیکر اس سے جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

اک وہ بھی دن تھے راقم جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اُس کے پیکر شراب پھرنا

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کریں ہیں ابرو
یہ کہکے میں نے اُس سے جب دل کی داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوئے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
ہمکو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں

حضرت ریاض

ہندوستان میں کون ایسا شخص ہے جو حضرت ریاض کو نہ جانتا ہو - ریاض الاخبار آج عمدہ لٹریچر میں اُنھیں کے زورِ قلم سے ایک ممتاز اخبار ہے - ریاض کی شوخ طبیعت اور چلبلی تخیل ابتدائے شاعری سے اپنی چمک دمک دکھا رہی تھی - آپ کا نام منشی سید ریاض احمد اور تخلص ریاض ہے - آپ کے والد مولوی سید طفیل احمد صاحب بڑے پائے کے عالم تھے مولد کے اعتبار سے آپ خیرآبادی ہیں - خیرآباد ممالک متحدہ میں ایک ممتاز قصبہ ہے جس کی خاک سے مشاہیر علما اور فقیہ پیدا ہوئے - لیکن آپ کی شاعری کا وطن لکھنؤ ہے - ابھی خیرآباد کے مدرسۂ عربیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ یکایک طبیعت شعر و سخن کی طرف مایل ہوئی - عنفوانِ شباب تھا - اُس زمانے میں اسیر مرحوم کی شاعری کا طوطی بول رہا تھا - آپ اسیر کے شاگرد ہوئے - اور اُستاد سے ملنے کی غرض سے لکھنؤ میں آئے - چند روز کے بعد خیرآباد سے ایک ماہوار رسالہ (گلکدۂ ریاض) نکالا - اسیر مغفور کی توجہ سے اس ماہوار گلدستے نے بہت ترقی کی - اُردو زبان کا یہ پہلا گلدستہ تھا جس کو تمام شاعر پسند کرتے تھے - ریاض کی ابتدائی شاعری سب کو پسند آئی - اور آپکو اپنی خداداد طبیعت کی بہت کچھ داد ملی-

اس کے بعد ریاض الاخبار خیرآباد سے جاری کیا - جس کی تاریخ اشاعت "لمعۂ درخشاں" ۱۲۹۲ھ ہے - شاعری کے شوق اور طبیعت کی مناسبت سے آپ خیرآباد سے اپنا دفتر لکھنؤ اُٹھا لائے بہت دنوں تک ریاض الاخبار لکھنؤ سے جاری رہا -

ریاض کو ہمیشہ لکھنؤ میں قیام کرنیکا شوق رہا - اور وہ اُسوقت اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کوئی صورت لکھنؤ میں قیام کی نکل آئے - مگر افسوس لکھنؤ میں آپ کے مصارف اخبار بھی نہ نکل سکے - اور آخر آپ کو اپنا دفتر گورکھپور منتقل کرنا پڑا -

گورکھپور میں ریاض الاخبار نے حکام اور رؤسا کی علمی قدر دانی سے بہت ترقی کی - اور ہر گورنمنٹ ملازمت کا سلسلہ نکل آیا - اور منشی ریاض احمد صاحب پیشکار سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو گئے -

ریاض الاخبار گورنمنٹ اور ملکی خیر خواہی کی بدولت ترقی کرنے لگا "گلکدۂ ریاض" کی اشاعت کے بعد حضرت خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر فرمانروائے ریاست رامپور کو توجہ ہوئی۔

اس زمانہ میں آپ کی قدر افزائیوں کی شہرت عالمگیر تھی اور دربار رامپور میں منیر عروج، بحر۔ آغا ہجو ہندی۔ قلق۔ امیر۔ داغ۔ جلال۔ وغیرہ مشاہیر فن جمع تھے۔ حضور نے محض قدر دانی سے حضرت ریاض کو طلب فرماکر خلعت اور زر نقد سے ممتاز فرمایا۔ مگر افسوس ہے آپ قیام نہ فرما سکے۔

حضرتِ ریاض کی عمر کا زیادہ حصّہ تعلقات کی بنا پر گورکھپور میں گذرا۔

ریاض الاخبار کی شہرت کے زمانے میں آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ نظم و نثر کا "فتنہ اور عطر فتنہ" کے نام سے ہفتہ وار جاری کیا۔

ریاض نے اپنی ذاتی قابلیت اور جوہر شناسوں کی قدردانی سے نہایت خوش حالی کیساتھ زندگی بسر کی۔ شرافت کے اعتبار سے بھی ریاض کا پایہ بہت بلند ہے۔ آپ سادات کرام سے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہ شجاع والی کرمان اپنے وطن سے خیرآباد تشریف لائے۔ آپ کا خاندان ہمیشہ معزز اور موقر رہا۔

ریاض اپنی زندگی کے پچاس سال گورکھپور کی نذر کر چکے تو آپ کے دل میں لکھنؤ کی محبت نے گدگدی کی۔ گورکھپور سے لکھنؤ آنے میں آپ کا بہت کچھ مالی نقصان ہوا۔ لیکن ان سبکو آپ نے گوارا کیا۔ چنانچہ ایک مقطع میں آپ فرماتے ہیں:۔

ریاض بھی جو مقدر میں بازگشت شباب جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

ریاض خلیق۔ ملنسار اور متواضع آدمی ہیں۔ آپ کے بہت سے شاگرد اطراف ہند میں موجود ہیں۔ مگر کبھی آپ نے اِس بات پر فخر نہیں کیا۔

ریاض کے کلام میں شوخی کے علاوہ شوکت الفاظ اور بلند پروازی اور نازک خیالی بہت ہے اور عموماً کلام شاعری کے سُقم سے بہت پاک ہے۔ زبان اور روزمرّہ کے محاورے میں صاف صاف مطلب ادا کرنا جس سے سُننے والے کے دل پر اثر ہو۔ ریاض کا خاص حِصّہ ہے۔

ریاض الاخبار ہمیشہ زبان کی خِدمت کے لِحاظ سے ممتاز رہا ہے۔ جس زمانے میں منشی امیر احمد کا

پہلا دیوان چھپا ہے اور مولوی غلام محمد خاں تپش مرحوم اڈیٹر اخبار مشیر قیصر نے اعتراض کئے ہیں تو اس کے جواب - جو منشی ریاض احمد نے اپنی قابلیت سے لکھے ہیں - وہ قابل دید ہیں -

دوسرا معرکہ ریاض الاخبار میں امیر اللغات کے متعلق ہے - مولوی غلام محمد تپش مرحوم کے اعتراضات اور منشی ریاض احمد کے معقول جوابات اور چلبلی چوٹیں بڑے مزے کی ہیں آپ جہاں رہے - کچھ نہ کچھ زبان کی خدمت ضرور کرتے رہے -

ابتدا میں ریاض کو مشاعروں میں شریک ہونیکا بہت شوق تھا اور کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا - جس میں ریاض نہ ہوں - کوئی گلدستہ ایسا نہ تھا - جس میں ریاض کی غزل نہ ہو - پیام یار کی طرح ہے اور منشی نثار حسین کی فرمائش ہے - کہ گلدستہ لکھا ہوا رکھا ہے تمھاری غزل کا انتظار ہے - آپ نے قلم اُٹھایا اور غزل موجود -

لیکن اب مشاعروں میں جانا ایک قلم موقوف اور غزل کا یہ حال ہے کہ اُن دوستوں سے تو مجبور ہیں - جن سے بے تکلفی ہے - باقی سب سے عذر بارد -

ریاض کا سن اسوقت پچاس برس کا ہے - لیکن طبیعت جوان اور بذلہ سنج - لطف یہ ہے کہ آپ کسی صحبت میں بار خاطر نہیں ہوتے جو آپ کے کلام سے ظاہر ہے -

انتخاب کلام

دور ہی راہ سے کچھ بیٹھ گیا دل میرا
پاؤں کیا خاک اُٹھے اب سوئے منزل میرا

رنگ باندھا ہے چمن میں یہ فغاں نے میری
چپکے منہ دیکھتے رہتے ہیں عنادل میرا

آستیں رنگ یہ لے آئی لہو سے نکلی
نہ چھپا لاکھ چھپا حشر میں قاتل میرا

بزم متوالی تھی کیا خم سے اُڑا لی میں نے
ہاتھ تھاما نہ کسی نے سر محفل میرا

کچھ عجب لطف ہے مل جل کے رہا ایک سے ایک
غم ترا جان مری رنج ترا دل میرا

یہ مرا ہو کے رہا بعد فنا تربت میں
جان سے بھی ہے سوا میرے لئے دل میرا

جو کھلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاض
جو کلی رہ گئی کھلنے سے بنی دل میرا

یہ کس کے سایۂ دیوار نے مجھے پیسا
کہ کون ٹوٹ پڑا مجھ پہ آسماں کی طرح

رہِ حیات کٹی اس طرح کہ اُٹھ اُٹھ کر
میں بیٹھ بیٹھ گیا گرد کارواں کی طرح

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اسقدر باقی — کبھی جو آئے تو دو دن کو میہماں کی طرح
گیا چمن میں تو جھک کر بہت ملیں شاخیں — لیا گلوں نے مجھے میرے آشیاں کی طرح
مجھے شباب نے مارا بلائے جاں بنکر — بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

ریاض موت ہے اس سے ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پہ آسماں کی طرح

بہار نام کی ہے کام کی بہار نہیں — کہ دست شوق کسی کے گلے کا ہار نہیں
بہگئی یاد اُنھیں بھی مجھے بھی وصل کی رات — کہ اُن سا شوخ نہیں مجھ سا بیقرار نہیں
جناب شیخ نے جب پی تو مُنہ بنا کے کہا — مزا بھی تلخ ہے، کچھ بو بھی خوشگوار نہیں
یہی چراغ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول — اب انکے نقش قدم بھی سر مزار نہیں

حنا لگا کے پہنچتے ہیں گل رخوں میں ریاض
کچھ اُن کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے — خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے
سنوارے جائیگے گیسو الہی بات بن جائے — دل صد چاک میرا ہے جو بنکر شانہ آتا ہے
ہزاروں رنگ ہوتے ہیں ہزاروں حُسن ہوتے ہیں — حنائی ہاتھ میں ساقی کے جب پیمانہ آتا ہے
گلے ملنے جھکی جُھک کر رکی رک کر کھچی قاتل — تری شمشیر کو بھی ناز معشوقانہ آتا ہے
مری تربت پہ آکر شمع ہے ڈھلوتی ہوئی کیسی — نہ اب گلگیر آتا ہے نہ اب پروانہ آتا ہے

ریاض خضر صورت جب سوئے میخانہ آتے ہیں
تو فوراً سر بمہر اک خم لئے پیمانہ آتا ہے

پھول ہے لالۂ صحرائی کا — یا کلیجہ ترے سودائی کا
مثل گیسو ہیں پریشاں شب وصل — تھا جنھیں شوق خود آرائی کا
بیٹھ کر چوری سے پینا پس خم — راز ہے گوشۂ تنہائی کا

جائے بھی میرے سیہ خانے سے
منھ ہو کالا شب تنہائی کا

گھر میرے آئے آتے ہی دشمن کے گھر گئے — آنا یہ خوب ہے ادھر آئے اُدھر گئے
بس اس طرح بلائیں ہماری نگاہ نے — پہلے سے ان کے اور بھی گیسو سنور گئے

موئے سیہ سفید ہوئے دیر اب نہیں
وقت آگیا ہے شام گئے یا سحر گئے

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

وہ کچھ غضب سے وعدہ فرما رہے ہیں
مرے سر کی سچی قسم کھا رہے ہیں

نہ اُفتاد کچھ پیش آئے الٰہی
ذرا ہم چمن کی ہوا کھا رہے ہیں

دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں واعظ
بھرے جام کوثر کے چھلکا رہے ہیں

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاض آرہے ہیں

نیند اے شب ہجراں نہیں آتی نہیں آتی
آنکھوں میں جسے رکھتے تھے وہ بھی نہیں آتی

دنیا ہے تو دے راہِ خدا جام میں ساقی
صدقے ترے چلو سے ہمیں پی نہیں آتی

روتے ہیں ہمیں دیکھکے دشمن بھی ہمارے
آتی ہے تباہی مگر ایسی نہیں آتی

کس درجہ مری روح کا باقی ہے تعلق
جب جاتی ہے میخانے سے پیاسی نہیں آتی

کچھ بگولوں سے بھرا خانۂ ویراں نکلا
خاک ہو کر بھی یہ چھوٹا سا بیاباں نکلا

یہ وہ پتھر ہے جگہ سے جو کبھی ہٹ نہ سکا
سنگِ در سے بھی سوا آپ کا درباں نکلا

رات بھر گو مرے ماتم میں رہے غیر کے گھر
آستیں آپ کی سکی نہ گریباں نکلا

منہ سے ٹپکائی تھی مینا سے کہ ہچکی آئی
شیخ میخانہ میں کچھ دیر کا مہماں نکلا

کبھی دینے کے نہ تھے تنگ قبا سے فتنے
رعب تیرا ترے جوبن کا نگہباں نکلا

ڈھل چکی ہے اب جوانی جائے گی
یہ شراب ارغوانی جائے گی

تیغ ہی کیا ہاتھ میں قاتل کے تھی
اے حنا تو بھی تو سانی جائے گی

شوخیاں کہتی ہیں کھل کھیلیں گے وہ
اب حیا کی پاسبانی جائے گی

موت سے بدتر بڑھاپا آئے گا
جان سے اچھی جوانی جائے گی

جان سے بڑھکر اسے رکھتے عزیز
کیا سمجھتے تھے جوانی جائے گی

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائے گی

پینے آتے ہیں فرشتہ خو ریاضؔ
حور کے دامن میں چھانی جائیگی

تا شاخِ گل ہمارا جب تک قفس نہ آئے
باغوں میں موسمِ گل لاکھوں برس نہ آئے

گر گیا ہے مری آنکھوں سے مرا قطرۂ اشک
آتے آتے سرِ دامن یہ کہیں ٹوٹ نہ جائے

مے سُرخ ابر سیہ سبزۂ کہسار ریاضؔ
یہ کوئی چیز نہیں توبہ اگر ٹوٹ نہ جائے

ہائے ری دیوانگی کو سا کیا تاثیر کو
میں فغاں اپنی ہی سمجھا نالۂ زنجیر کو

مٹ چکی ان کی اُداسی آ چکی ان کو ہنسی
میرے گھر آئے ہیں رونے غیر کی تقدیر کو

یادگار اس وقت ہم بھی ہیں زمانے میں ریاضؔ
مانتے ہیں سب ہمیں ہم مانتے ہیں میرؔ کو

ہو جہاں شام مجھے ہے وہیں بستر میرا
نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ کہیں گھر میرا

ے چلوں میں طرف خلد انھیں کھینچ کے ہاتھ
وہ کہیں حشر کے دن یہ بھی مقدر میرا

پھیرتے ہیں بہت آہستہ گلے پر خنجر
ڈر یہ ہے ٹوٹ نہ جائے کہیں خنجر میرا

بات دل کی زبان پر آئی
آفت اب میری جان پر آئی

رُو کے رُکتا نہیں ہے سیلِ سرشک
اب تباہی مکان پر آئی

آئی بوتل بھی میکدے سے ریاضؔ
جب گھٹا آسمان پر آئی

میرے سر پہ کبھی چڑھی ہی نہیں
میں نے کچے گھڑے کی پی ہی نہیں

ہائے سبزے میں وہ سیہ بوتل
کبھی ایسی گھٹا اُٹھی ہی نہیں

کس قدر ہے بنا ہوا زاہد
جیسے اس نے "وہ چیز" پی ہی نہیں

صبح کا جھٹ پٹا تھا، شام نہ تھی
وصل کی رات، رات تھی ہی نہیں

کون لیتا بلائیں پیکاں کی
آرزو دل میں کوئی تھی ہی نہیں

کوئی ناخوش ریاضؔ سے کیوں ہو
اس روش کا وہ آدمی ہی نہیں

جنوں کھینچتا سوئے محشر جو مجھکو مرے ساتھ میرا بیابان جاتا
وہ کافر حرم میں تھا ہم میکدے میں جو کعبے میں ہوتے تو ایمان جاتا

ہر لخت دل کی قبر بنے اُن کے نقش پا مدفن جگہ جگہ دل مضطر کے ہو گئے
دامن پہ اب شباب کے وہ داغ می کہاں جب بال تک سفید مرے سر کے ہو گئے
اتری جگر میں تیر کے ہمراہ وہ نگاہ دو وار ایک ساتھ برابر کے ہو گئے
ان میکشوں میں سب سے ہم اچھے رہے ریاض
پی کر پیالہ ساقیٔ کوثر کے ہو گئے

بزم ساقی ہو مرا گھر ہو، کہ میخانہ ہو جب اُٹھا اپنے کو ملے پھول تو جنت کیا ہے
آ گئے دو آنسو گرانے کوئی اُمید نہیں اب مری قبر سے لپٹی ہوئی حسرت کیا ہے
اے ریاض آؤ ابھی جاتے ہو کہاں زنداں سے
نہ کھلے گل، نہ بہار آئی، یہ وحشت کیا ہے

ہم اپنی وضع رندانہ کریں کیوں ترک محشر میں یہی ہونگے وہاں بھی اہل دنیا دیکھنے والے
گرے غش کھا کے موسیٰ تو صدا یہ طور سے آئی کھلیں آنکھیں تری، کچھ تو نے دیکھا دیکھنے والے
سنو افسانۂ جم جام رکھکر سامنے ان کے ابھی دو چار ہیں جم کا زمانا دیکھنے والے
یہ جتنے پینے والے ہیں ریاض اُن سب کے مرشد ہیں
ہمیشہ جام مے میں نور حق کا دیکھنے والے

ہم نئے وہ نئے ہر بات نئی رات نئی نئی صحبت میں حسینوں کو حجاب آتا ہے
مست بلبل کو جو دیکھا ہے کسی گُل کے قریب باغ میں جاتے ہوئے ان کو حجاب آتا ہے
یاد احباب کو آ جاتے ہیں مرحوم ریاض
میکدے سے جو کوئی مست شراب آتا ہے

کیسی ہیبت ناک کیسی تار و تیرہ بے چراغ میری تربت بھی بنی یارب مرے گھر کا جواب
ہنس رہی ہے طنز سے ساقی کی چین آستیں ہلکی موجیں بن رہی ہیں خط ساغر کا جواب
اپنے دیوان کو سمجھتا ہوں بڑی دولت ریاض
ہے یہ مجموعہ مرا بعینہ زر کا جواب

چھری نہ تیز کریں آپ امتحان کے لئے بہت ہے نیم نگہ مجھسے نیم جان کے لئے

کسی کی چین جبیں پر مجھے ہنسی آئی
ذرا سی تیغ چلی میرے امتحاں کیلئے

آنکھ میں سحر نظر میں جادو　　لب میں اعجاز مسیحائی کا
تھوڑی پیتا ہوں بڑھاپے میں بھی　　کہ سبب ہو یہ توانائی کا
نہیں ملتا کوئی مجکو شریک روز تنہائی　　یہ آفت ہے مرا سایہ بھی مجھ سے دور رہتا ہے
ادب سے وعظ کی صحبت میں ہم وہ شے نہیں پیتے　　ہمارے جام میں افشردہ انگور رہتا ہے
لحد پر شمع سے بڑھکر ہی دود شمع کا جوبن　　وہ بنکر حور، تو یہ بن کے زلف حور رہتا ہے
اثر تجلی کا ہے صیاد کیا تیری نگاہوں میں　　کہ ہر مرغ چمن پرواز سے مجبور رہتا ہے
خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے صدقے　　وہ کافر بے پئے بھی رات دن مخمور رہتا ہے
حسینوں کے حنا آلودہ ہاتھ اس سے کہیں اچھے　　کہ موقع پا کے بھی دست ادب معذور رہتا ہے
ترے صدقے ترے ہاتھوں سے اتنی پی ہے ساقی　　کہ ابتو بے پئے منھ پر ہمارے نور رہتا ہے

فرشتے پر سے مس کرتے ہیں شاید اے ریاض اسکو
کہ اب ریش مبارک پر بہت ہی نور رہتا ہے

ہے ریاض ایک مرد مست خرام　　نہ پئے اور جھومتا جائے

سرور مرحوم

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی یہ وہ مایۂ ناز ناظم و نثار ہے جسکا لوہا غالب ایسے سخن گستر نے مانا ہے انکی تصنیف میں فسانہ عجائب - گلزار سرور - شگوفہ محبت - شمشیر خانی - فسانہ عبرت - انشائے سرور - الف لیلہ سرور - مشہور کتابیں ہیں -

لاغر اندام دراز قد، افیون کا شوق بہت تھا، اسی کے سرور میں لکھا کرتے تھے - نظم سے نثر پر زیادہ قادر تھے - میر نوازش سے تلمذ تھا، زندگی عشرت میں بسر ہوئی انکی شاعری کی ابتدا عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانہ سے ہوئی، اسوقت انکی عمر شیدرہ سولہ برس کی تھی - غدر کے بعد لکھنؤ میں بسر نہ ہوسکی تو مہاراجہ بنارس کیخدمت میں چلے گئے جب قدر دان مہاراجہ کا انتقال ہوگیا تو پھر لکھنؤ واپس چلے آئے کچھ دنوں کے بعد نواب کلب علیخاں بہادر نے اپنے دربار میں طلب فرمایا - انکا صرف ایک لڑکا تھا - تمام عمر دربار رامپور میں ملازم رہے - وہیں انتقال کیا، اور خاک رامپور میں دفن ہوئے یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ

شاد پیرو میر

شیخ محمد جان نام تخلص شاد مشہور بہ شاد پیر و میر باپ کا نام شیخ وارث علی - دادا شیخ فضل علی لکھنؤ کے قدیم شیخ زادے حضرت محمد بن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ کی نسل سے -

اجداد مذہب حنفی سنی رکھتے تھے - مگر عہد شاہی میں شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا - پیدائش کا سنہ صحیح تو نہیں ملا لیکن تخمیناً سنہ ۱۲۰۲ھ آپ کی ولادت کا سنہ ہے زمانہ نصیر الدین حیدر شاہ اودھ میں ایک چوبدار نے اپنے لڑکے کی شادی بہت دھوم سے کی تھی - مرزا نصیر الدین حیدر شاہ اودھ بلحاظ ذرہ نوازی اس تقریب میں رونق افروز ہوئے - اور تمام ارکان دولت شریک محفل تھے - پیرِ و میر نے اس کی تاریخ نظم کی ع

نقیب بانگِ نقابت زند پیشِ نگاہ

اس مصرع سے سنہ ۱۲۴۲ھ نکلتے ہیں اور تاریخ فارسی میں ہے اس وقت یہ جوان تھے کم سے کم بیس برس کا سن ہوگا - دوسرا واقعہ یہ ہے کہ منشی سید زاہد علی صاحب سہارنپوری بیان کرتے تھے - کہ شیخ صاحب فرماتے تھے میں نے دس گیارہ برس کے سن میں میر تقی میر کو دیکھا تھا وہ نہایت ضعیف اور دُبلے پتلے تھے -

شیخ صاحب کی اولاد کوئی نہ تھی انھوں نے اپنی شادی تک نہیں کی ہمیشہ لیلائے سخن کے دیوانے رہے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عروس سخن سے جس نے عقد کر لیا ہو اُسکو دوسرا نکاح جائز نہیں - مزاج میں ابتدا سے وارفتگی تھی -

مولوی تفضل حسین صاحب شیدا لکھتے ہیں کہ میں نے چند بار بکھرے ہوئے موتیوں کو سلک میں جمع کیا - لیکن مصنف کی ژولیدگی خاطر نے اُسے برباد کر دیا - اکثر مجنوں ہو جایا کرتے تھے - اور دیوان کھو جاتا تھا آخر مولوی محمد یعقوب صاحب مالک مطبع نجم العلوم کی کوشش سے شیخ صاحب نے پھر از سر نو کلام مرتب کیا، دو دیوان مرتب ہوئے ایک فارسی قافیہ کا ایک ہندی قافیوں کا ایک کا تاریخی نام "سخن بے مثل" دوسرے کا نام سخن بے مثال رکھا - پہلا دیوان ہزار مشکل سے چھپنے پایا تھا دوسرا دیوان کھو گیا اسی تخم غلط کرنے و

کہتے ہیں ع

کھو گیا جو دوسرا دیوان کیا تھا کچھ نہ تھا

مگر حقیقت میں شیخ صاحب کو دوسرے دیوان کے کھونے کا سخت صدمہ ہوا میر تقی میر کے صرف ایک فرزند میر محمد عسکری عرف میر کلو عرش تھے۔ جو اپنے موروثی مکان واقع محلہ مفتی گنج میں رہتے تھے۔

میر کلو بہت سیاہ فام لاغر اندام میانہ قد تھے اور افیون کثرت سے پیتے تھے میر نے تو کسی وقت میں شاید عیش بھی کیا ہو۔ لیکن عرش غریب کی تمام زندگی افلاس اور مصیبت اور پریشانی میں کٹی۔ ان کی نازک مزاجیوں نے عروج حاصل نہ ہونے دیا۔ منشی باقر علی ہنر مرحوم کہتے تھے کہ میر کلو عرش کی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک نواسا زندہ موجود ہے جو غریب یکہ ہانکتا ہے۔ دال کی منڈی میں رہتا ہے۔ شیخ صاحب کو میر عرش سے شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ عرش مرحوم کے شاگرد گنتی کے تھے۔ شیخ فدا علی عیش، منشی سرفراز علی قمر، شاد، فلک مگر یہ سب عروضی تھے۔

عرش کے افلاس نے سب سے بدتر اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ اُن کے بعد خاندان ناسخ نے یہ الزام اُن کے سر رکھا کہ ناسخ سے ان کو تلمذ تھا۔ حالانکہ یہ امر قرین قیاس تھا عرش کی نازک مزاجی ایسی باتوں کو کب قبول کرنے والی تھی دوسرے وہ ان لوگوں میں تھے جن کو ناسخ اُستاد کہا کرتے تھے اور اُن کے صلاح و مشورے سے زبان میں ترمیم و تنسیخ کرتے تھے۔ فلک کے انداز طبع سے عرش بہت ناخوش تھے اور کہا کرتے تھے۔ اس کو شاعری کا فنِ شریف ہرگز نہ آئیگا ہاں کچھ تک بندی کرلیگا۔

شاد پیر و میر بالکل میر کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور وہی زبان کہتے تھے۔ اس لئے عرش انکو پیر و میر کہا کرتے تھے۔

شیخ صاحب کی شاعری میں یہ بڑا کمال تھا کہ ہر غزل میں ایک مثل محاورے اور اصطلاح میں نظم ہے۔ اپنے عہد کے تمام محاورے جو غزل کے رنگ میں آسکتے تھے نظم کر دیئے اصطلاحات کا جس قدر مسالہ شیخ صاحب کے دیوان سے مِلسکتا ہے وہ دوسروں کے کلام میں ہو اور میر تقی میر کے نصیب نہیں۔ حقیقت میں یہ اپنے رنگ کے بادشاہ تھے۔ ہندی قافیوں کا جو دیوان کھو گیا تھا۔ اُس کا شیخ صاحب کو بہت رنج تھا آخر رفتہ رفتہ ہندی قافیوں میں دوسرا دیوان

جمع کیا جو اُن کے انتقال کے بعد چھپا ایک مثنوی چہار درویش نظم کی تھی جس کا نفس قصہ باغ و بہار کے علاوہ ایک بادشاہ ایک وزیر ایک جوہری ایک سوداگر کی عبرت افزا داستان بھی طبع ہو چکی ہے۔

ایک کتاب میں "صرف و نحو" چار زبانوں کی لکھی تھی۔ اُردو، فارسی، سنسکرت، اور عربی قصیدے بہت سے لکھے۔

سر راجہ امیر حسن خاں بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای مرحوم والئی ریاست محمود آباد سے تین۳ روپیہ ماہوار مقرر تھا اسی میں اوقات بسر کرتے تھے۔ مرد فارغ اور وضعدار تھے۔ فارسی شاعری میں آغا علی شیرازی کے شاگرد تھے۔

شیخ صاحب کی تصویر یا فوٹو یا حلیہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ غالب کو چھپاؤ اور انکو نکالو۔

اِس قدر صورت بہت کم ملتے کسی نے دیکھی ہوگی۔ وہی لمبا قد وہی دُبلا جسم وہی لمبوترا چہرہ وہی گندمی رنگ۔

شیخ صاحب کہتے تھے کہ مرزا اسد اللہ خان غالب نے ہم سے لکھنؤ میں ملاقات کی تھی۔ ناسخ اور آتش کے معرکہ آرا مشاعروں میں شیخ صاحب اکثر شریک ہوتے تھے۔ آتش کو خوجی کہتے تھے۔ اور ان کے بہت معرف تھے۔

علم موسیقی میں بھی بہت کچھ دخل تھا۔ اور اپنے کمرے میں اکثر گنگنایا کرتے تھے۔ اپنے بھائی کے ساتھ پاٹے نالے پر رہتے تھے۔ اور اکثر ناراض ہو کر نواب صادق علی خاں کے مکان پر اُٹھ آتے تھے۔ آخر زمانے میں بیس۲۰ برس سے شاعری ترک کر دی تھی۔ غزل نہیں کہتے تھے۔ لیکن رؤسا کے اصرار سے اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے اور غیر طرح کلام پڑھتے تھے۔ پڑھنے کا انداز بہت اچھا تھا اور بہت بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ جس سے تمام محفل مستفید ہوتی تھی۔ پانی کا گلاس سامنے رکھا رہتا تھا۔ جب غزل پڑھنے میں حلق خشک ہونے لگتا تو ایک دو گھونٹ پی لیتے تھے۔

اکثر ان سے زیادہ سن رسیدہ لوگ ان سے اصلاح لینے آتے تھے۔ جیسے کاکوری کے شیخ عظمت علی صاحب عظمتؔ جو بہت اچھا کہتے تھے۔ اور نہایت ضعیف تھے۔ ان کے شاگرد دو تین مولوی سید محمد صاحب واثقؔ، خواجہ بادشاہ علی صاحب صفیرؔ۔ جناب ننھے آغا صاحب ابرؔ۔

منشی سید عاشق حسین صاحب وصلؔ تھے۔

آخر وقت میں اصلاح دینا ترک کر دیا تھا۔ مجکو بھی شیخ صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل ہے میں جسوقت اصلاح کے لئے شیخ صاحب کی خدمت میں گیا تو فرمانے لگے۔ "بھائی میں تو اب اصلاح نہیں دیتا۔ بیس برس سے غزل کہنا ترک ہے۔ اللہ اللہ کیا کرتا ہوں ہر اک دم کو دمِ واپسیں جانتا ہوں۔ دوسرے شاعری میں اب کیا رکھا ہے۔ قدر دانی کا زمانہ نہیں ہے اس سے تو کوئی اور کمال حاصل کرو۔ آج کل لوگوں نے شاعری کو دل لگی سمجھ لیا ہے۔ دو چار شعر اُلٹے سیدھے بک لئے اور شاعر بن بیٹھے۔ اگر ایسی ہی شاعری کرنا ہے تو بہت سے شاعر ہیں۔ اُن سے اصلاح لے لیا کرو۔ اور اگر کچھ فن حاصل کرنا ہے تو میں کچھ عروض و قافیہ پڑھا دوں گا۔ متروکات سے واقف کر دونگا۔ محنت کروگے تو کچھ ہو جاؤ گے۔ ایک شرط ہے جب تک کتاب العروض و رسالہ قافیہ ملا قاسم گنابادی مجھ سے حرف بحرف پڑھ نہ لو اسوقت تک ایک مصرعہ بھی نظم نہ کرنا" یہ سب شرطیں منظور کرنا پڑیں اور تین برس تک پاپڑ بیلنا پڑے شوق کہتا تھا کہ غزل کہئے اور مشاعروں میں شریک ہوجئے لیکن شیخ صاحب کا خوف غالب تھا۔ اس لئے دلی جذبات کا خون ہوتا تھا۔ کیونکہ مزاج میں غصہ بہت تھا۔ اگر انکار کر دیتے تو پھر عمر بھر اصلاح نہ دیتے۔ اور ایسا ہی کئی شاگردوں سے کر چکے تھے۔

ایک سب رجسٹرار لکھنؤ میں منشی محمد نصیر صاحب کافرؔ تھے جو طبیعت دار تھے اور غزل بہت اچھی کہتے تھے۔ انھوں نے ایک مثنوی نظم کی تھی۔ اس پر شیخ صاحب سے اصلاح لینا چاہتے تھے۔ اُن کے پاس شاگرد ہونے آئے۔ تو آپ نے اُن سے اقرار لیا یہ سمجھے مضائقہ کیا ہے دو چار مہینے عروض قافیہ بھی دیکھ لیں گے۔ اور درمیان میں اپنی مثنوی پر اصلاح بھی لے لیا کریں گے۔ شرطیں منظور کرلیں اور سبق پڑھنے لگے۔ ہفتے عشرے کے بعد اثنائے سبق میں اپنی مثنوی پیش کی۔ اور کہا میری خوشی یہ ہے کہ اس کے دو چار صفحوں پر آپ اصلاح فرمادیں۔ انھوں نے فرمایا کہ شاید تم کو اپنا وعدہ یاد نہیں رہا۔ خیر اس مرتبہ تو سنا دو مگر آج سے نہ لانا۔ مثنوی سُن کر اُس پر اصلاح دی اور کہا اگر فن جانتے ہوتے تو شاید اسقدر اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی شامتِ اعمال سے انھوں نے بیس روز کے بعد ایک دفعہ پھر مثنوی پیش کی اور کہا چند صفحہ ملاحظہ فرما لیجئے۔ شیخ صاحب آگ ہوگئے۔ سارے بدن سے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور فرمانے لگے۔ بس اب پائیے آج سے ہمارے آپ کے قطع تعلق۔ پھر لاکھ عذر کئے

ایک نہ سُنی اور انکو اصلاح نہ دی نہ عروض پڑھایا۔
شاگرد کو بیٹے سے زیادہ سمجھتے تھے۔ ہم نے دوسرا دیوان اُنکا بہت کچھ لکھا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں شیخ صاحب کی آنکھوں پر نزلہ کا بہت زور تھا۔ یہاں تک کہ پتلیاں پتھرا گئیں تھیں اور ہاتھ میں شدید رعشہ تھا۔ کہنے کو تو کہا کرتے تھے کہ "میں غزل نہیں کہتا" مگر شاعری اُن کی طبیعت ثانی ہوگئی تھی۔ اور ہر وقت فکر سخن میں رہتے تھے۔ سوائے شاعری کسی بات کی فکر نہ تھی۔ عروض و قافیہ اور متروکات کی تحصیل کے بعد ہم نے غزل کہی۔ اور بہت جانچ کر کہی۔ جس وقت ہم اپنی غزل سُنا رہے تھے۔ مولوی غلام حسین قدر بھی شیخ صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ یہ سُن کر کہ یہ پہلی غزل ہے۔ بہت تعریف کی۔ شیخ صاحب نے فرمایا۔ تین برس میں نے اس کے ساتھ مشقت کی ہے۔ تم میری تعریف نہیں کرتے اس کے مدّاح ہو۔
دو برس کے بعد راجہ صاحب محمود آباد کربلائے معلیٰ جانے لگے۔ شیخ صاحب نے بھی اُنکے ہمراہ جانے کا قصد کیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کا سن اس قابل نہیں کہ راہ کے مصائب برداشت کر سکئے۔ کہنے لگے یہی تو خواہش ہے کہ کربلا پہنچتے پہنچتے دم نکل جائے۔ اور وہیں کی مٹی میں مٹی ملجائے۔ جانے کے دو چار مہینے کے بعد خبر آئی کہ شیخ صاحب نے کربلائے معلیٰ میں انتقال کیا۔ سب کو بہت صدمہ ہوا۔ دوست احباب نے اُن کے مرنے کی تاریخیں موزوں کیں۔ لیکن پھر راجہ صاحب کے ہمراہ صحیح و سلامت تشریف لائے۔
شیخ صاحب کو اچار کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ دیکھتا ہوں تو ایک بڑی سی مٹکی میں اچار ہے۔ ایک چمچہ سے آپ نکال رہے ہیں۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو برابر سے کیڑے بجبجا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کیا آپ نکالتے ہیں۔ اس میں تو کیڑے پڑ گئے ہیں ہنس کر کہنے لگے تو کیا مضائقہ ہے۔ اسی کے تو کیڑے ہیں۔ یہ کہکر کہنے لگے تم نے میرا نقصان کیا۔ مجکو تو سوجھتا نہیں ہے اگر تم مجھ سے نہ کہتے تو اسی طرح برابر کھایا کرتا اور کچھ خبر نہ ہوتی۔
جب کربلائے معلیٰ سے واپس آئے تو کچھ دنوں کے بعد نواب صادق علی خاں کے مکان پر اُٹھ آئے تھے اور وہیں رہا کرتے تھے۔ نواب صاحب کا دولت خانہ میرے مکان سے قریب تھا میں اکثر وہاں جایا کرتا تھا اور اُستاد کے پاس بیٹھتا تھا۔ شیخ فدا علی عیش بھی آتے تھے۔ ایک روز میں نے کہا اب آپ کو چاہئے ہے کہ نماز پابندی سے پڑھا کیجئے کیونکہ آپ زیارت کر آئے ہیں۔ کہنے لگے تو زیارت کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ میں نماز کا پابند ہوں اور

آخر تم لوگ نماز پڑھتے ہو کچھ مجکو بھی ثواب ملتا ہوگا۔ میں نے کہا میری نماز آپ کے کس کام کی اس لئے کہ میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتا ہوں اور آپ کی بخشش کے لئے ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا لازم ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا تو اب نماز بھی گلے پڑی۔

ہر ایک ملنے والے کو کہا کرتے تھے کہ یہ ہمارا آشنا ہے۔ میں نے کہا اُستاد "آشنا" ایک کرہیہ لفظ ہے۔ آپ دوست کہا کیجئے۔ کہنے لگے تم بچے ہو۔ دوست اس زمانے میں کہاں ہیں آج کل گے ارباب پس پردہ دشمنی کرتے ہیں۔ ان کو دوست کہنا کفر ہے۔ وضع کی پابندی یہ تھی کہ کبھی کبھی خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی کے یہاں ملاقات کو جاتے تھے، گرمی ہو یا سردی لیکن اُن کا معمول بہت کم ترک ہوتا تھا۔

اتوار کو جب پوچھا یہی کہا کہ سبزی منڈی جاتا ہوں۔ کوٹھی تک ایک آشنا سے ملنا ہے۔ روز سہ پہر کو ہوا کھانے شاہ مینا تک جاتے تھے۔

مکان پر جو گوشیہ ٹوپی دیئے ایک لنگی باندھے ہوئے حقہ پیا کرتے تھے۔ جب دیکھئے فکر سخن، دیوان کھلا ہوا ہے۔ بار بار ترمیم و تنسیخ ہو رہی ہے۔

نازک مزاجی روسا سے ملنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ منشی سجاد حسین اڈیٹر اخبار اودھ پنچ شیخ صاحب کے عقیدتمند شاگرد تھے اور ان کو چچا کہا کرتے تھے۔

آخر زمانہ میں شیخ صاحب نے اپنی تمام تصنیف مجلدات اڈیٹر اودھ پنچ کے حوالے کیں اور کہا تم سے ممکن ہو تو بصحت ہماری تمام تصنیف چھپوا دینا۔ ایک روز دفتر اودھ پنچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتہً ہاتھ پاؤں میں تشنج ہونے لگا۔ اور یہ کرسی پر سے گر پڑے معلوم ہوا کہ فالج گرا ہے۔ آخر ڈولی میں سوار کرکے گھر پر بھجوا دئے گئے۔ یہاں آتے آتے شام تک روز یکشنبہ ربیع الثانی کی چھٹی تاریخ ۱۳۱۷ھ کو ستانوے برس کے سن میں انتقال فرمایا۔

پہلے دیوان میں ایک تقریظ مولف نے لکھی ہے جس میں یہ دکھایا ہے کہ سابق کے ریختہ گو شاعر اپنے کلام میں غیر مانوس الفاظ خلاف تلفظ اُردوئے معلیٰ نظم کرتے تھے اور الفاظ ثقیل ٹھیٹھ ہندی کے اور الفاظ غیر صحیح بھاکا کے جو عوام کی زبان پر تھے لکھ جاتے تھے۔ عالمگیر کے عہد میں میر حاتم دہلوی نے کلام کے عیوب ظاہر کرکے متروکات کی بنا قایم کی اور موجد اس طرز کے حاتم دہلوی ہیں۔ اُنھیں کی تقلید میں شیخ صاحب نے اپنے دیوان کی لوح پر اپنے متروکات لکھ دیئے جو ۱۲۵۰ھ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانہ

میں اُستاد عرش کی صلاح سے مقرر کئے تھے۔

شیخ صاحب کا کلام اسقدر مقبول ہوا کہ اس کے اکثر شعر اُردو قصص کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور اکثر شعر لوگوں کی زبان پر ہیں۔

نکہت برباد تھا غنچہ کا حسن ــــ مسکراتے ہی نہ وہ عالم رہا

صدف کی طرح توکل تو کر ذرا اے شاد ــــ پھر احتیاج جو قطرے کی ہو گہر لینا

قریب ہے یار روزِ محشر چھپیگا احوال قتل کیونکر ــــ جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

کیا کیا قتل تونے قاتل ہوا ہوا خون مجھ حزیں کا ــــ ارے گریباں کوئی پکڑے لہو تو وہ جیب آستین کا

مجھے شاد بخشد یتا نہ وہ کیوں بغیر پوچھے ــــ میں کسی شمار میں تھا جو مرا حساب ہوتا

ہر حال میں شکستہ دل ناصبور تھا ــــ شیشہ بھی تھا تو سنگِ حوادث سے چور تھا

ذہن میں رازِ محبت یہ بمشکل آیا ــــ دل گیا ہاتھ سے لوگوں نے کہا دل آیا

تیر بارانہ نیشتر مارا ــــ غیر سے آنکھ مار کر مارا

ہمیشہ ہے تہ و بالا زمانہ ــــ ہنڈولہ دَورہٗ افلاک نکلا

عجب حسن جمال آدمی ہے ــــ کہ محبوبِ خدائے پاک نکلا

چلتی ہے سانس جبتک قایم ہے بزم اعضاء ــــ اے دَم ہے تیرے دم تک جلسہ اس انجمن کا

اے شاد گبر و مومن دونوں سے میل رکھے ــــ تسبیح میں ہو ڈورا زنار برھمن کا

تیر مجھ زار کی طرف مارا ــــ آپ نے تو بڑا ھدف مارا

جو میری چوٹ پہ غیر دنکا اُسنے نام لیا ــــ لگا جگر میں وہ گھونسا کہ دل کو تھام لیا

مشکل میں کب کسی کا کوئی آشنا ہوا ــــ تلوار جب گلے سے ملی سر جدا ہوا

کی پرستش بہت اب کام دعا سے ہوگا ــــ اے بت تم سے جو ہوگا وہ خدا سے ہوگا

دل سلگتا ہے تو شعلہ ہے جگر سے اٹھا ــــ یہ دھواں دیدۂ تر دیکھ کدھر سے اٹھا

شب وصل یہ صبح ہونے کا ڈر تھا ــــ نہ پو بھی پھٹی تھی کہ ٹکڑے جگر تھا

یہ دیتا ہے صدا سنگ آسیا کا ــــ خدا رزاق ہے بے دست و پا کا

ہاتھ چھوٹا پڑ گیا مجھ پر جو اس خونخوار کا ــــ پیتے ہی خون جگر منہ آگیا تلوار کا

روح بولی پھینک پشتارہ جسم زار کا ــــ اِک اکیلے سے نہیں اُٹھتا ہی بوجھا چار کا

ظالموں کی ہے کمی کیا ستم ایجاد بہت ــــ سر سلامت ہے تو ملجائیں گے جلاد بہت

ثمر توڑ اس چمن میں یا شجر کاٹ ۔۔۔ کسی کا حق نہ لیکن اے بشر کاٹ

زلفوں کے اسیر ہیں جو در بند ۔۔۔ آنکھوں کے فقیر ہیں نظر بند

پاؤں رکھیں نہ فرش دیبا پر ۔۔۔ لات ماری ہے ہمنے دنیا پر
جیسے گرا رہا ہے کوہِ الم جہاں پر ۔۔۔ ٹوٹیں فلک الٰہی یونہیں اس آسماں پر
اترا ابر کرم چاہیے اے دامن تر ۔۔۔ آنچ آئے نہ جہنم کے گنہگاروں پر

اب ہے نیرنگ سخن سب کا بیاں ہے کچھ اور ۔۔۔ پیر و تیر ہوں میں میری زباں ہے کچھ اور

چھپاتا ہے صیاد کیوں مرگ بلبل ۔۔۔ پڑے تو ہیں پنجرے سے کچھ پر سے باہر

یہ نرمی سخت گیروں میں کٹی رطب اللساں ہو کر ۔۔۔ بسر کی عمر بھر بتیں دانتوں میں زباں ہو کر

میں وہ سرکش ہوں جو ہیں پہنچا در گلزار پر ۔۔۔ تاکنے انگور کی بیلیں چڑھیں دیوار پر

زشت روئی نہ حسن صورت شرط ۔۔۔ آدمی کو ہے آدمیت شرط

گئے تھے بھول کر رستہ حرم تک ۔۔۔ خدا لایا ہمیں بیت الصنم تک

کیا دوں نشانِ قاتل ہوں ناتواں یہاں تک ۔۔۔ پھرتا ہے نام دل میں آتا نہیں زباں تک

نہ تو گوہر ہے نہ زر ہے دل بے حال کا مول ۔۔۔ نگہ لطف خریدار ہے اس مال کا مول

مرنے پر باندھے کمر سرگرم بازار ہوں میں ۔۔۔ جان کا گاہک جو ہے اُسکے خریدار ہوں میں

جس شخص میں ہو نہ آدمیت ۔۔۔ حیوان ہے وہ جامۂ بشر میں
بلبل کا خون ناحق گلچیں چھپے گا کب تک ۔۔۔ آخر یہ اک نہ اک دن بولیگا گل چمن میں
اس درجہ ہیں ملائم اعضا سب اُسکے تن میں ۔۔۔ مثلِ زبان سراپا ہڈی نہیں بدن میں
دیرینہ شوق مے کا اے شاد پوچھنا کیا ۔۔۔ کیفیتیں ہیں تازہ جام مے کہن میں

ٹیڑھے اُس سے ہوں دکھائیں جسے گھونگر گیسو ۔۔۔ کچھ نہ بندے کے خدا ہیں نہ پیمبر گیسو
اوج اگر خلق میں چاہے تو نگونسازی کر ۔۔۔ پاؤں پڑنے سے حسینوں کے چڑھے سر گیسو

اس طرح دینے کو سائل سے ملا ہاتھ سے ہاتھ ۔۔۔ کر نہ آگاہ ہوائے کان تنہا ہاتھ سے ہاتھ

آدمی جز غم بے بال و پری کیا جانے ۔۔۔ لطف پرواز کا مٹی کی پری کیا جانے
منہ سے نکلی جو ہیں اللہ نے فوراً سُن لی ۔۔۔ ہم فقیروں کی دعا بے اثری کیا جانے

ازلی دو جہاں کی ہستی ہے ۔۔۔ نئی دُنیا پرانی بستی ہے
مرنے پہ ہو چین سب گماں ہے ۔۔۔ نیچے بھی زمیں کے آسماں ہے

خدا اگر آئے نہ نظروں سے نکتہ چینوں کی
چڑھے ہوئے ہیں نگاہوں پہ عیب بینوں کی

روئے جب سامنے تربت آئی
مر گئے ہم تو محبت آئی

قسمت میں اگر اولاد نہیں اشعار سے اپنا کام چلے
دنیا سے اُٹھیں جب مہر صفت تا حشر ہمارا نام چلے

جو ناوک مژہ ہے اک تیر بے اماں ہے
جتنی بھوؤں پہ قرباں وہ ٹانک کی کماں ہے

سایہ کرے جو سر پہ کٹتا شجر وہی ہے
باغ جہاں میں سچ ہے نیکی کا پھل بدی ہے

یہ شور کرتی ہے ہر موج دیدۂ تر کی
کہ میری دھار پہ ہے آبرو سمندر کی

عشق انساں میں خدا بھی رشک سے خالی نہیں
گم کیا سایہ نبیؐ کا بدگمانی کے لئے

جوانی جاتی ہے خطِ رُخ جاناں نہ آتا ہے
بڑھاپا راہ داڑھی کا لئے پروانہ آتا ہے

خوشبو کی عطا گل کو جب اُس شوخ نے زر بھی
منہ پھوڑ کے غنچہ نے کہا کچھ تو ادھر بھی

وہ مُرغ گرفتہ ہوں کہ باندھے گئے بازو
پرواز کے قابل نہ ہوئے تھے ابھی پر بھی

کسی کا پردۂ عزت جنوں کتاں نہ کرے
خدا برہنہ کرے ننگ خانداں نہ کرے

گوش کر منقلب زمانہ ہے
آج کا ذکر کل فسانہ ہے

قتل کرتا ہے قاتل عالم
ملک الموت کا بہانہ ہے

فاقہ کش ہوں پہ شکر صحت ہے
تندرستی ہزار نعمت ہے

ناتوانی سے یہ حالت ہے دل ناکام کی
مُہر تک بھی اُٹھ نہیں سکتی ہمارے نام کی

ہوں وہ خرمن جو بچوں برق کی سرتابی سے
بجلیاں مجھ پہ گریں خود مری بیتابی سے

گر پڑے آنسو تو جلکر شمع نے فریاد کی
یہ مثل سچ ہے بری ہوتی ہے آنچ اولاد کی

آنکھیں سینکیں غیر اُس بت سے دل مضطر جلے
وائے بیدردی کوئی تاپے کسی کا گھر جلے

دامن آدم نہ نوح کا تر ہے
رو چکے سب پخوڑ ہمیر ہے

فرشِ زریں پہ نہ نازاں ہوں یہاں زر والے
خاک پر سوتے ہیں کمخواب کے بستر والے

داغ دل اُس بت کی نظر پر چڑھے
پھول وہی ہے جو مہیر چڑھے

لب تک آ سکتی نہیں جو جی کی حسرت دل میں ہے
آرزو وہم ناتوانوں کی بڑی مشکل میں ہے

جز نکیرین اور کچھ کھٹکا نہیں ہے تا عدم
ایک ڈر اِن دو ٹھگوں کا گور کی منزل میں ہے

اے زہے رنجش کہ قلب یار کی منزل میں ہے
رتبہ دیکھو میرے کینے کا کہ اسکے دل میں ہے

دیدنی حشر کی اے محشر یو سیر تو ہے
پر یہ ہنگامہ شر کیا ہے کہو خیر تو ہے

جوانی سے زیادہ وقتِ پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا ہے

خجل پیشِ خدا جاتے ہیں انساں شرمِ عصیاں سے
کفن سے منہ چھپا کر ہر بشر روپوش ہوتا ہے

زبانِ حال سے کہتی ہے یہ لو آتشِ غم کی
مرے آگے ہیں ٹھنڈی گرمیاں نارِ جہنم کی

مرے مضموں میں غیروں کا بیاں ہے
مری دولت نصیبِ دشمناں ہے

مجھی تک نام روشن ہے مرا شاد
مرے پر گل چراغِ دودماں ہے

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

چار ہی پارچے خلعت میں شہادت کے ملیں
کرے چو رنگ جو نیت مرے جلاد کی ہے

سخت باتوں کا پہنچتا ہے جو صدمہ دل کو
وہ کڑی چوٹ نہ پتھر کی نہ فولاد کی ہے

ہم فقیروں کے بجز دیپ بجا اے شہِ حسن
دل گرفتار ہیں صورتِ الف آزاد کی ہے

سیپ تک ہے جگر چاک پئے دُرِ یتیم
ماننا کونسی ماں کو نہیں اولاد کی ہے

حسن بینی سے نظر کی تو یہ معلوم ہوا
سائے کے بھیس میں تصویر پریزاد کی ہے

فغاں نکلے دلِ پُر آرزو سے نالہ یا نکلے
وہ ارمانوں کو لے نکلے دہن سے جو صدا نکلے

میں وہ ہوں کلمہ گو اے شاد سنتے ہی سخن جس کا
دہن سے منکرِ بدیں کے بھی صلِ علیٰ نکلے

آ کے تربت پہ بہت روئے کیا یاد مجھے
خاک اڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے

گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی صیاد مجھے
کس چمن میں ہے نشیمن یہ نہیں یاد مجھے

دل لگاتے ہی گرا آنکھ سے آنسو کی طرح
یہ نہ معلوم تھی اس عشق کی افتاد مجھے

خوش نہیں کوئی جہانِ گذراں میں سفری
نظر آتا ہے جرس تک دلِ ناشاد مجھے

کوئی خالی نہ اثر سے ہو مرا طفلِ سرشک
ناخلف دے مرے اللہ نہ اولاد مجھے

گھٹ کے مر جاؤں یونہیں تا دہن آئے نہ فغاں
کھولنے دے نہ خموشی لبِ فریاد مجھے

عشق میں آلِ محمدؐ کے جنوں ہو اے شاد
پا بہ زنجیر کرے الفتِ سجادؑ مجھے

خط دے کہ نہ دے مصحفِ داور تو نہیں ہے
کچھ قاصدِ محبوب پیمبر تو نہیں ہے

کیوں سنگِ حوادث سے نہ ٹوٹے دلِ نازک
آئینہ ہے کچھ سدِّ سکندر تو نہیں ہے

ہے وحیِ الٰہی کا خطِ یار یہ دھوکا
جبریل کے جامے میں کبوتر تو نہیں ہے

کج ابروِ قاتل ہے تو ہو غم نہیں اس کا
منہ حلق سے پھیرے ہوئے خنجر تو نہیں ہے

تعال اللہ ترش کر یہ ہوئی توقیر پتھر کی		خدائے کعبہ بن بیٹھی ہر اک تصویر پتھر کی
نگاہ غور کر حسن بتاں پر چشم خود بیں سے		خدا کی شان دکھلاتی ہے ہر تصویر پتھر کی

مسطورۂ بالا اشعار دیوان اوّل سخن بے مثل کے ہیں جو ۱۲۹۲ھ میں چھپا تھا اور اب کمیاب ہے سچ تو یہ ہے کہ ملک الشعرا میر تقی میر کے یہاں بہتّر نشتر تھے اور پیر و میر کے پاس ہزاروں تیر ایسے ہیں جو جگر میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ اسپر طرّہ یہ ہے کہ بازاری زبان سے پرہیز کیا ہے۔

عرشؔ کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت کم ہے مگر یہ بات ہے کہ اسوقت میں لوگ بہت سے شاگرد کر لینا عیب سمجھتے تھے۔ خود میرؔ کے شاگرد بہت کم تھے ہاں جسکو شاگرد کرتے تھے۔ پہلے اس کی طبیعت کا اندازہ، دلی شوق، دریافت کرتے تھے اور اس بات کے پرکھنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ خلقی شاعر ہے کہ نہیں پھر اسکو اپنی طرح نامور اور مستند بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اولاد سے کم نہ سمجھتے تھے۔ شاگرد بھی اُستاد کی خدمت کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔

آج کل لوگ بے فن حاصل کئے شاعر بن بیٹھتے ہیں اور عیوب شاعری سے پرہیز نہیں کرتے وہ اہل فن کی نظر میں ہمیشہ ذلیل رہتے ہیں۔ بعض بد اصل اپنے اُستاد سے منحرف ہو کر خود استاد بن بیٹھتے ہیں اور دعویٰ بے دلیل کرتے ہیں اور فن شعر میں غلط ترمیم و تنسیخ کر کے شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا کلام مقبول نہیں ہوتا اور احسان فراموشی چند روزہ نمود کے بعد ذلیل کرتی ہے

اس لئے اگلے شعرا کا قول تھا کہ شریف آدمی کو یہ فن سیکھنا چاہیئے۔

شیخ صاحب نے ابتدا سے عرشؔ سے اصلاح لی اور مرتے مرتے اُستاد کا دم بھرتے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ہر شعر دل میں اثر کرتا ہے اور یہی نہیں کہ صرف غزل گو شاعر ہوئے بلکہ شاعری کے جملہ اصناف پر قادر تھے۔ غزل کے بعد ہم اور صنف سخن بھی پیش کرتے ہیں۔

رُباعی

غمناک ہے فرطِ غم سے چشم گرداب		ماتم کی بچھائے صف ہیں موجیں آب
یہ ڈوب موا ہے کون بیکس یارب		دریا میں جو پھوٹ پھوٹ روتے ہیں حباب

رُباعی

جس روز کہ رخصت شہ والا تھی بیمار مدینہ پہ عجب ایذا تھی
بچپن میں بچھڑنا پدر و مادر سے صغرا کے لئے قیامت کبرا تھی

دنیا میں خوشی جو کوئی دم ہوتی ہے افزائش رنج و غم بہم ہوتی ہے
ہے شاؔد ترقی و تنزل توام بڑھتا ہے جوبن تو عمر کم ہوتی ہے

قطعات

ظاہرا زہد پہ دیتے دم ہیں مے کشی کرتے نہاں بے غم ہیں
کھل گیا پیتے ہیں پوشیدہ شراب شیخ و زاہد بھی چھپے رستم ہیں

آبلوں کو ہوئی خاروں سے جو یاس بولی شبنم کہ تمہیں کیا ہے ہراس
تو ہی منصف ہو یہ کانٹوں نے کہا اوس چاٹے کہیں بجھتی ہے پیاس

تاریخ عقد مرزا نصیر الدین حیدر شاہ اودھ

حبذا عہد شہنشاہ اودھ کد خدا شید چو بعد زینت و زین
مصرعہ سال ہمایوں گردید شد قران قمرین سعدین

تاریخ ختنہ

بنو نواب اسد علی خاں مختوں بہ نمود نور دیدہ
گلچیں بہار بہر تاریخ گلبن از شاخ گل بریدہ

خمسہ بر غزل عرش مرحوم

سنبلیں مو صنم صید فگن پتھر کے لالہ رخسار بت عہد شکن پتھر کے
گلبدن رو کش نسرین و سمن پتھر کے سرو قد غیرت صد غنچہ دہن پتھر کے
بت کدے میں نظر آتے ہیں چمن پتھر کے

یہ بر و مندی روزی سے ہے عالم خرسند سیر ہوتے ہیں شب و روز چرند اور پرند
سنگدل کا بھی از دقہ کبھی ہوتا نہیں بند آسیا کہتی ہے ہر صبح بہ آواز بلند
رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کے

مال و دولت پہ نہ مغرور جہاں میں ہو کوئی — ہو گیا خاک جو قاروں نے امارت کی لی

بے ثباتی میں ہر انسان ہے تصویر گلی — منعمو مٹی میں مل جائے گی آخر مٹی

قصر سنگیں سے نہیں خانۂ تن پتھر کے

شاد کو یاد جو آتا ہے شباب اپنا عرش — وہ ضعیفی میں ہے ہر بار یہی کہتا عرش

نوجوانی میں تو کل زور کئے کیا کیا عرش — پھول اب رعشۂ پیری سے نہیں اُٹھتا عرش

تولتے تھے کبھی ان ہاتھوں سے من پتھر کے

قصیدہ در مدح شہزادہ برجیس قدر بہادر

ہوئی جو مریم پیما شکن کو خواہش زر — اودھ کے شاہ کا عیسائیوں نے موسا گھر

لٹا یہ مال کہ خاک اُڑ گئی خزانے میں — بجائے درہم و دینار رہ گئے پتھر

گرے پڑے ہوئے ڈھیروں جہاں جواہر تھے — وہاں نہ پوت کا چھلہ رہا کہاں زیور

اک اہلکار جو اری کی بدقماشی سے — تمام گنجینہ شاہی کا ہو گیا ابتر

ٹپک رہی در و دیوار سے اُداسی ہے

برس رہی ہے خرابی ہر اک عمارت پر

شیخ صاحب کی شاعری کا اتنا مختصر نمونہ مشتے از خروارے سمجھنا چاہئے۔ ہر غزل میں یہی لطف ہے ہر شعر میں یہی مزا ہے۔ حقیقت میں یہ شاعری نہ تھی سحر حلال کہئے۔

شعور مرحوم

شیخ عبدالرؤف مرحوم تلمیذ رشید مصحفی، کاکوری کے شرفائے شیوخ سے تھے۔ تمام عمر لکھنؤ میں رہے، زمیندار پیشہ تھے سنہ ۱۸۶۰ء میں انتقال کیا کاکوری میں دفن ہوئے مزار کا نشان تک باقی نہ رہا۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔

آتش زباں ہوں بزم سخن میں بسان شمع — پروانہ گر سنے تو کہوں داستان شمع

کرتا ہے شعلہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام — گویا وجود شعلہ ہے رگ زبان شمع

کافی ہے اک اشارہ ادا فہم کے لئے — ہے اشک شمع سلسلہ داستان شمع

گرچہ روشن ہے کہ برق شجر طور ہیں آپ — نظر آتے نہیں کس پردے میں مستور ہیں آپ

صفیر بلگرامی

زبان کی خدمت کرنے والوں کے نام دنیا کے صفحات سے بہت جلد مٹ رہے ہیں انھیں میں ایک سید فرزند احمد صفیر بلگرامی ہیں۔ جن کی خدمات کو بھلا دینا بڑا ستم ہے۔ میر صاحب نے ابتدائی سن سے اُردو زبان کی خدمت کی۔ اور بہت سی کتابیں تصنیف کرکے خود چھپوائیں اور پورب میں زبان کی خدمت کا شوق پیدا کیا۔ ان کی ولادت سنہ ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔ اپنے وطن بلگرام میں بہت تھوڑا قیام کیا۔ یہ بہت صغیر سن تھے کہ ان کے آبا و اجداد وطن چھوڑ کر غریب الوطن ہوئے۔ اور آرہ ضلع شاہ آباد میں تشریف لائے۔ ناچار ان کا قیام بھی آرہ محلہ پھاٹک سادات میں ہوا۔ صفیر مرحوم کا مذہب اثنا عشری تھا۔ اور بعض کا قول ہے یہ غالی شیعہ تھے۔ جب ذرا سن شعور کو پہنچے لکھنے پڑھنے کا شوق ہوا۔ پندرہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ ان کی تعلیم فارسی کی درسیات تک ہوئی تھی۔ جو کچھ نظم کرتے تھے پوشیدہ رکھتے تھے۔ کسی کو دکھاتے نہ تھے۔ آخر دو تین سال کے بعد سید محمد مہدی خبیر سے اصلاح لینا شروع کی۔ جب کچھ کچھ شعر وسخن کا مزا آنے لگا۔ اور زبان کا لطف حاصل ہوا۔ تو شیخ امان علی سحر لکھنوی شاگرد رشید مرزا فتح الدولہ برق کی خدمت میں شاگردی کی درخواست کی اور غزل اصلاح کے لئے بھیجی۔ شیخ امان علی سحر زبان اور محاورات میں مشہور زمانہ تھے۔ اسوقت تمام شہر میں ان کی شہرت تھی۔ صفیر کی شاگردی کی درخواست کو شرف قبول بخشا۔ بہت دنوں تک اصلاح لیتے رہے۔ آخر مرثیہ گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ مرزا دبیر کی خدمت میں ایک مرثیہ بھیجکر اصلاح لی۔ اس کے بعد برابر مراثی لکھتے تھے۔ اتنے میں غدر کا ہنگامہ ہوا۔ لوگوں کے گھر لوٹے گئے۔ شرفا پریشان و تباہ ہوئے۔ امرا محتاج نان ہوئے۔ سحر نے بھی لکھنؤ چھوڑ کر غربت میں قضا کی۔ خدا جانے کس شہر میں انتقال کیا۔ کچھ پتہ نہ معلوم ہوا۔ صفیر نے بہت کچھ تلاش کی کسی نے خبر نہ دی۔ کچھ زمانے کے بعد پٹنہ میں مرزا صاحب مجلس پڑھنے کیلئے بلائے گئے۔ صفیر بھی ملاقات کو گئے۔ اُستاد کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ مرزا صاحب نے بہت الطاف کئے۔ نواب الطاف حسین خاں سے ملاقات ہوگئی۔ صورت قیام نکل آئی۔ تو صفیر نے آرہ کا رہنا کم کیا۔ پٹنہ میں قیام کیا۔ یہاں شعر وسخن کا بہت چرچا تھا۔ اور لوگ

قدر دان سخن تھے۔ یہاں رہ کر تین ۳ مثنویاں اور پانچ قصے اُردو میں لکھے۔ ایک کتاب "رشحاتِ صفیر" تذکیر و تانیث میں تالیف کی۔ ایک تذکرہ "جلوہ خضر" لکھا۔ غالب مرحوم سے بذریعہ خط و کتابت شرف تلمذ حاصل کیا۔ غالب کے بعد سید غلام حسنین قدر بلگرامی سے اصلاح سخن لی۔ پٹنہ میں ان کے بہت سے شاگرد ہوئے یہ مدعی تھے کہ خواجہ فخر الدین حسن مصنف "سروش سخن" بھی میرے شاگرد ہیں۔ وہ منکر تھے کہ میں اُنکی صورت سے بھی واقف نہیں۔ میں تو غالب کا شاگرد ہوں۔ ایسی ایسی بہت سی چوٹیں چلا کیں۔

صفیر نے نثاری کی طرف رُخ کیا تو سب سے پہلے بوستان خیال کی اٹھارہ جلدوں کو فارسی سے اُردو میں لانا چاہا۔ کچھ جلدیں ترجمہ کیں۔ دو جلدیں اپنے ہاتھ سے کاپی لکھکر اپنے مطبع میں چھپوائیں۔ پہلا دیوان بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر چھپوایا۔ دوسرا دیوان "خمخانۂ صفیر" مطبع کارنامہ لکھنؤ میں چھپا۔

پہلا دیوان مطبع گلشن کشمیر خواجہ باقر علی خان مالک مطبع کی اجازت سے حاجی حسن علی صاحب لکھنوی کے اہتمام سے پٹنہ میں چھپا یہ دیوان ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوا۔ اس کا نام "صفیر بلبل" رکھا۔

اس کے بعد ایک قصہ روح افزا لکھا تھا جو طبع نہ ہوا۔ صفیر بہت پُرگو تھے۔ "پیام یار" میں ان کی غزلیں برابر چھپتی رہیں۔ اور آرہ میں اکثر لوگ ان کے شاگرد ہوئے۔ مہر آروی قمر آروی۔ وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔ قمر نہایت خوشگو اور زندہ دل آدمی تھے۔ سید شاہ قمر الدین حیدر نام تھا۔ کچھ عرصہ ہوا انتقال کیا۔

منشی محمد اسمٰعیل صاحب مختار آرہ نہایت طباع آدمی تھے۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ صاحب دیوان تھے۔ غرضکہ صفیر کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا آرہ میں بہت تھا۔ اور پٹنہ میں بھی لوگوں کو ان کی وجہ سے مذاق سخن ہو گیا تھا۔ اور اچھے اچھے کہنے والے پیدا ہو گئے تھے۔ جو صفیر کو سر مشاعرہ ٹوک دیا کرتے تھے۔ صفیر کے فرزند بھی تھے۔ ان کا حال ہمکو معلوم نہ ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد آرہ میں مذاق سخن نہ رہا۔ اب صرف ان کے شاگردوں میں سے ایک سید امیر حسن صاحب نبیرۂ مولوی عبد العزیز مرحوم آروی کا دم ہے۔ جو ابھی تک شاعری کا دم بھرتے ہیں۔ اور اچھا کہتے ہیں۔ صفیر کے شاگردوں کے علاوہ آرہ میں اور بھی بہت سے شاعر ہیں۔ حکیم محمد ضمیر الحق صاحب قیس تلمیذ مولانا شمشاد لکھنوی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بات یہ ہے کہ اب کوئی صفیر جیسا زبان کی خدمت کرنیوالا آرہ میں نہیں ہے۔ جس کے دم سے شاعری کا

چرچا رہے - غازی پور میں مولانا شمشاد کی ذات غنیمت ہے - جو ابتک ہر ایک مشاعرے میں شریک ہوتے ہیں - یہی ایک ذریعہ زبان کی خدمت کا ہے -

صفیر مرحوم اگلی وضع کے آدمی تھے - جوگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے - دراز قد تھے - کسی قدر ہکلاتے تھے - شعر پڑھنے کا بھی انداز اچھا تھا - کلام عاشقانہ ہوتا تھا - اور بندش چست چند اشعار درج ہیں -

جو انان مضامیں پر ہے سایہ ربِ سبحاں کا
بنا طغرائے بسم اللہ سے تاج اپنے دیوان کا

الٰہی ہو صفیر خستہ کو حسن قبول ارزاں
رہے منظور ارباب نظر ہر شعر دیوان کا

جھکا کر سر کیا جب دھیان خوبان پریرو کا
مرقع بن گیا پیش نظر آئینہ زانو کا

گرہ کیوں اپنی ابرو پر ہے ڈالی آپنے صاحب
ابھی تعقید سے نا آشنا مطلع تھا ابرو کا

اشاروں میں ہمارے لطف ملتا ہے سخنداں کا
نہیں بے ڈھنگہ مصرع ہے یہ چشم سخن گو کا

اُس وقت میں واؤ معروف اور مجہول کا ایک غزل میں قافیہ کرنا شعرا میں جائز تھا - مگر اب ابرو کے ساتھ سخن گو نہیں باندھتے - کیونکہ سخن گو کو بواؤ مجہول بولتے ہیں -

دل صد پارہ وابستہ ہوا زلف چلیپا کا
رگ لیلیٰ سے شیرازہ بندھا دیوان سودا کا

لب گویا پہ ان کے خط جو نکلا یہ ہوئی پھبتی
محشی فکر سودا سے ہوا دیوان گویا کا

چھوڑیو فکر شاعری نہ صفیر
فکر عالی تمھیں خدا دے گا

"چھوڑیو" حال کے شعرا نے ترک کر دیا ہے - اب شعرا چھوڑنا بولتے ہیں -

اپنی کشتی کو بچانا اے نوح
جوش پر آج ہی طوفاں میرا

سب اپنی جان کو روتے ہیں دیکھ کر مُردہ
کوئی کسی کے لئے چشم نم نہیں کرتا

شراب روح پرور سے مزا ہے زندگانی کا
اسی پانی سے ہے نشو و نما نخل جوانی کا

کچھ عجب انداز خلوت رات کی محفل میں تھا
تو ہمارے دل میں تھا اور غیر تیرے دل میں تھا

ہمیشہ ساتھ رہا اس کو دامنِ غم کا
یہ دل ہے یا کوئی قطرہ ہے اشکِ شبنم کا

تیرے انجام کا قلق ہے صفیر
کاش تو مرد پارسا ہوتا

اس در کا رہنا دل بے کینہ ہو گیا
قبلہ نما مرے لئے آئینہ ہو گیا

آتش گل کو جو بھڑکایا بہار باغ نے
دود اُٹھ کر سُرمہ چشم عنادل ہو گیا

عذر کرتے ہیں لو قصور ہوا
کہہ دو منہ سے کہ رنج دور ہوا

ابر قبلہ سے دھواں دھار بشدت آیا | ساقیا دوڑ کہ پھر موسم عشرت آیا
ختم ہے کبر و غرور اے بت ترسا تجھ پر | کہ تصوّر میں بھی آیا تو بہ امنت آیا
جلوہ اس بت کا جو دیکھا تو خدا یاد آیا | ہم نے بتخانہ میں سجدہ پئے معبود کیا
خیال یار میں کب تک صفیر روئے گا | خدا نہ کردہ کہیں اپنی آنکھ کھوئے گا
فکر ہے تیرے دہن کی کیسی | دھوم ہے اپنے سخن کی کیسی
یہ کس کی یاد پڑی بیٹھے بیٹھے حال مجھے | چلا میں آپ سے اے ہمنشیں سنبھال مجھے
تم لاکھ لاکھ طرح سے بندوں کو دو فریب | لیکن بتو خدا کی خدائی نہ جائے گی
تمہاری زلف کا دل سے خیال کیا نکلے | پڑا جو آئینہ میں پھر وہ بال کیا نکلے
اسقدر یار نے نظروں سے گرایا کہ صفیر | اپنے ہم چشموں میں اب مجکو حیا آتی ہے
ہماری طبع اگر شعر کہنے پر آئے | زمیں پہ عرش کا مضموں ابھی اُتر آئے
کنٹر کے گرد ہوں جو پیالے چُنے ہوئے | قابوں میں ہوں کباب بھی ساقی بھنے ہوئے
طبع بلند اپنی ہے خود انتخاب دہر | مضمون ہمنے پائے ہیں سارے چنے ہوئے
طور اور موسیٰ کی کہانی اور ہے | ان بتوں کی لن ترانی اور ہے
ہم ہیں مجبور اور تم مختار ہو | اے بتو! یہ خدا کی قدرت ہے
تبسم سے تکلم سے حیا سے | مجھے مارا ابھی تو کس کس ادا سے

ایسا شخص جس کی تمام عمر اردو کی خدمت میں صرف ہوئی ہو۔ اس کا اکثر کلام غیر مطبوع پڑا رہے نہایت افسوس کی بات ہے۔ اُمید ہے کہ ان کے تلامذہ توجہ کرینگے۔

صفی لکھنوی

مولانا سید علی نقی صفی ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے، لکھنؤ محلہ مولوی گنج میں مکان ہے، عدالت خفیفہ میں سررشتہ دار رہ چکے ہیں۔ ۶۶ برس کی عمر ہے، کلام اچھا ہوتا ہے۔

اب دل ہے اور درد کا دریائے بیکنار | ٹھہرے کہاں سفینہ کہ ساحل نہیں رہا
آخر کو مل گیا غم کلفت سے خاک میں | وہ دل کہ جس کے سامنے آئینہ گرد تھا
طریق عشق میں دیر و حرم سے کام نہیں | تلاش سایہ دیوار یار راہ میں ہے
پیری میں سوز و ساز دل داغدار کیا | اُجڑے ہوئے چمن میں خزاں اور بہار کیا

شہنشاہ ظفر

جس طرح انگریزی سلطنت کی برکت سے اُردو میں انگریزی الفاظ کثرت سے شامل ہوتے گئے اور اس کو ایک نئی اُردو بنا دیا۔ اسی طرح سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں فارسی اور عربی کے الفاظ کے شمول نے ہندی زبان کی کایا پلٹ کردی تھی اور اس ملواں ہندی کا نام "اردو" ہوگیا جو وقت انگریزوں کو اردو حاصل کرنیمیں ہوتی ہے اور جس کے لئے وہ کچہریوں کے تمام دفتر روز مرّہ اُردو سے انگریزی میں بدلتے ہیں۔ یہی تکلیف مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کو اُردو بولنیمیں ہوتی تھی جن کی زبان پر ٹ، ڑ، ڈ کے حرف اچھی طرح نہ آسکتے تھے۔ مگر مغلوں نے اپنی رعیت سے ارتباط پیدا کرنے کی غرض سے ہندوستان کی زبان حاصل کرنے میں اپنی عمر کا کثیر حصہ صرف کیا۔ یہاں تک کہ دہلی کے آخری تاجور حضرت محمد سراج الدین بہادر ظفر شاہ اچھی خاصی اُردو بولنے پر قادر تھے۔

اُردو کے علم ادب میں ان کی تصنیف نے ایک تازہ روح پھونک دی۔ بہادر شاہ مرحوم کے چار موٹے موٹے دیوان تو مطبوعہ موجود ہیں اور خدا جانے ان کی تصنیف کا کسقدر ذخیرہ غدر کے زمانہ میں معرض تلف میں آگیا ہوگا۔ جن کو دیکھکر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک مغل کی تصنیف ہے۔ جسکی مادری زبان ترکی اور فارسی تھی۔

اُردو زبان کی ایسی مثال ہم کو کسی انگریز کے کلام سے نہیں ملسکتی۔ بہادر شاہ کی شاعری نے یہ قبولیت حاصل کی کہ وہ اُردوئے معلیٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور جو لفظ قلعہ معلیٰ کی چار دیواری سے نکلا وہ اُردو علم ادب کے لئے سند ہوا۔ بہادر شاہ کی شاعری میں خصوصیت سے وہ بات ہے جو دہلی کے لئے سرمایۂ ناز ہے۔ یعنی جذبات کا اظہار عام زبان میں۔ اسی وجہ سے ظفر کے کلام میں اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ذوق کی شاعری کو جس خصوصیت نے چار چاند لگادیئے۔ وہ ظفر کے کلام میں موجود ہے۔

جی تو چاہتا تھا کہ بہادر شاہ مظلوم مرحوم کے واقعات پر اچھی طرح بحث کرتے اور معزول بادشاہ کے مصائب کا ذکر کرکے ایک مختصر سوانحمری کا کام لیتے۔ لیکن اُردو علم ادب کے ایک

دقیع رسالہ کے واسطے ایسے تذکرے ناظرین کی عیش پسند طبیعت منغص کر دیتے۔ اس لئے ہمنے محض ادبی تعلقات کے بیان پر اکتفا کی۔ حق تو یہ ہے کہ باوجود تمام اشتغال امور سلطنت کے بہادر شاہ کا شعر کہنا اور پھر ایسا کہنا جو مطبوع عام ہو۔ یہ تعجب خیز بات ہے۔

ہند کی رعایا اکبر باشاہ سے اس بات پر خوش ہے کہ اُس نے اپنا مذہب رعایا کی نذر کر دیا تھا۔ اور اس کو بعض علما نے اس بے نفسی پر دہریہ سمجھ رکھا تھا۔ لیکن بہادر شاہ نے اِس سے بھی بڑھکر کام کیا۔ وہ یہ کہ اپنی مادری زبان رعایا کی نذر کر دی اور انھیں کی زبان میں اُنسے بات چیت کرنیکا سبق ہمکو سکھا گئے۔ یہ ظفر کا فیض سلطنت ہے کہ آج تمام سلمان جن کی مادری زبان فارسی، عربی، پشتو، تھی۔ بے تکلف اُردو بولتے ہیں۔ اور ان کی مادری زبان بھی اُردو بن گئی ہے۔

یہ سچ ہے کہ اُردو کی بنیاد شاہجہاں کے وقت سے پڑ چکی تھی۔ لیکن اس کی تکمیل بہادر شاہ ظفر کے عہد میں ہوئی۔ گویا زبان اُردو کا آخری قاعدہ بہادر شاہ مرحوم تھا جس کی شاعری نے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ اور اس کے بعد کسی اوتار کے جنم لینے کی ضرورت نہ رہی۔

گویا دلی کا پایہ تخت اُردو کی تکمیل کی غرض سے قایم ہوا تھا جسکو بوجہ احسن اسنے انجام دیا دلی کی سلطنت نہیں برباد ہوئی۔ دنیا سے اُردو کی بادشاہت اُٹھ گئی۔ جب تک دُنیا میں اُردو کا نام ہے دہلی کی سلطنت کا چراغ روشن ہے۔ لکھنو نے جسقدر رفعت حاصل کی اسی دہلی سے۔ دہلی کے مایۂ ناز شاعر تباہ ہو کر لکھنؤ میں آئے اور لکھنو کو باعتبار زبان دانی دہلی بنا دیا۔ بقولِ غالب ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

میر مرحوم تک قدر دانی کا دائرہ محدود نہ تھا۔ بلکہ دہلی کے تمام شعرا کی قدر و منزلت لکھنؤ کے اہل کمال نے اسیطرح کی۔ جب تو دہلی کے سرمایۂ ناز شاعر میر، سودا، انشا اللہ خاں، جرأت، سوز، میر تقی، نواب طالب علی خاں عیشی۔ وغیرہ دہلی چھوڑ کر لکھنؤ میں آرہے اور یہاں سے مرکر بھی نہ نکلے۔

بہادر شاہ کا دائرہ سلطنت آخر میں گو بہت غیر وسیع رہ گیا تھا۔ مگر اسپر بھی اُن کو اُردو زبان کی پرورش کا خیال زمانۂ ولیعہدی سے تھا۔ دہلی کے موجودہ شعرا کو جو کہنہ مشق تھے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت ملی۔ حکیم ثناء اللہ خاں فراق عبدالرحمن خاں احسان

برہان الدین خاں زار - حکیم قدرت اللہ خاں قاسم - حکیم عزت اللہ خاں عشق - میاں شکیب - میرزا عظیم عظیم - میر قمر الدین منت وغیرہ درباری شاعر مشہور ہوئے - بہادر شاہ اپنا کلام شاہ نصیر کو دکھاتے تھے - مگر شاہ صاحب تھوڑے زمانے کے بعد دکن چلے گئے - شاہ نصیر کی کافی شہرت ہو چکی تھی - ان کے بعد اگر کچھ لوگ مانتے تھے - تو ذوق کو مانتے تھے - شاہ صاحب کے جانیکے بعد ظفر نے ذوق سے اصلاح لی - یہ امر کسی قدر غالب کے خلاف طبع ہوا - اور اپنے قصاید میں بعض بعض موقع پر اظہار ناراضی کیا - لیکن بات یہ ہے کہ اُس زمانے میں بعد نصیر ذوق کا طوطی بول رہا تھا - اور غالب بیچارے کو کوئی جانتا بھی نہ تھا - ولیعہد بہادر جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو اُستاد کو ملک الشعرا، خاقانی ہند کا خطاب دیا -

ظفر کے کلام پر اس اعتبار سے نظر کیجائے کہ اس میں محاورے کس طرح ادا کئے ہیں روزمرہ کیسا ہے - اثر کتنا ہے - زبان کس قدر مستند ہے - تو ان کا مثل و نظیر آپ کو نہ ملے گا - اس لحاظ سے کہ زبان اور محاورات کے تو یہ بادشاہ تھے جو لفظ قلعہ معلیٰ سے نکلتا وہ شعرا کے لئے سند ہو جاتا ہاں پر شکوہ الفاظ - مضامین بلند - تراکیب فارسی - مصادر فارسی - حروف روابط فارسی سے ان کا کلام خالی تھا - تو اس کی ضرورت بھی اُردو کی شاعری میں ایسی نہ تھی - اور بعض کے نزدیک تو ایسی شاعری مخل فصاحت ہے - ہاں مضامین بلند کی ضرور دنیا قدر کرتی ہے - مگر جب تک وہ الفاظ فصیح پیرایہ میں ادا نہ ہوں اچھے نہیں معلوم ہوتے -

اس پر لطف یہ ہے کہ ظفر نے مشکل زمینوں میں جو غزلیں کہی ہیں اُن کو بھی عام محاورے اور سادہ لفظوں سے پانی کر دیا ہے - فرماتے ہیں ؎

اس سے ہے غریبوں کی تسلی کہ اجل نے	مفلس کو جو مارا تو نہ زردار کو چھوڑا

اس شعر میں یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ ردیف کتنی محاورے اور زبان میں ڈوبی ہوئی ہے،

جا سکے گلشن تلک اُڑ کر نہ ہم بے بال و پر	ہم نے اے صیاد کیا پایا رہائی میں مزا

بیٹھا ہے مہندی لگا کر اپنے دست و پا میں تو	آج ہے اے شوخ تجھے ہاتا پائی میں مزا

پہلے شعر میں کتنی نازک بات پوشیدہ ہے یعنی بے بال و پری کا نتیجہ -

دوسرا شعر شوخی سے لبریز ہے - شاعر کی چلبلی طبیعت نے ایک نئی بات پیدا کی ہے - کہ جب حنا ملے ہو اُس وقت دست درازی میں مزا ہے - وہ مجبور ہے - خود مختار ہیں - ہاتا پائی ایک فصیح محاورہ ہے جو دست درازی کے معنی پر مستعمل ہے -

نہیں جاتا کسی سے وہ مرض ہی جو نصیبوں کا　　نہ قائل ہوں دوا کا میں نہ قائل ہوں طبیبوں کا

نصیبوں کا مرض یعنی قسمت کی لکھی ہوئی بیماری ۔

دیا جو اشک نے شورابۂ سرشک ہمیں　　تو نوش جاں اُسے ہم نے مثالِ دوغ کیا

شکوہ الفاظ قابل دید ہے ۔

جواب صاف تو لاتا اگر نہ لاتا خط　　لکھا نصیب کا جو نامہ بر سے کچھ نہ ہوا

کتنا صاف اور سادہ مضمون ہے ۔

کیوں دھوتے ہو زخمِ دلِ بیتاب کا پھاہا　　بھیگا ہوا چپکے گا نہ پھر آب کا پھاہا

وہ زخمی شمشیر حوادث ہوں کہ جس کو　　آئے ہے نظر چرخ بھی زہراب کا پھاہا

پُر درد کو تزئیں سے غرض کیا کہ سرِ زخم　　یکساں ہے گزی کا کہ ہو کمخواب کا پھاہا

پھوڑا سا نہ دِل پھوٹ بہے کیوں ظفر اسپر
ہے مرہم غم خواری احباب کا پھاہا

ایسی مشکل ردیف میں ظفر کے بعد دہلی میں کسی نے اِس زمین میں قافیہ پیمائی نہیں کی مضمون آفرینی اور شکوہ الفاظ قابل دید ہے ۔

کچھ جواب اُس نے جو خط کا دیا اُلٹا سیدھا　　نامہ بر نے مرے رستہ لیا گھر کا سیدھا

اصل لفظ تو راستہ ہے مگر رستہ اُردو میں زیادہ فصیح ہے ۔ گھر کا سیدھا رستہ لیا محاورہ ہے جو اس جگہ بہت موقع سے صرف ہوا ہے ۔ حقیقت میں کلام الملوک ملوک الکلام ہے ظفر کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ زبان کے لئے سند ہے ۔

مرا گھر تو نے کیوں چھوڑا ترا گھر تھا تو اس جا تھا　　مکاں پردے کا اے پردہ نشیں گم تھا تو اس جا تھا

کتنی مشکل ردیف میں تصوف کے مسئلے کو طے کیا ہے ۔

وہ تھا جو مہر و مہ کے لئے اعتبار نور　　سب تیرے ایک جلوہ دکھانے سے اُٹھ گیا

یہ بھی ایک اہل اللہ کے مذاق کا شعر ہے ۔

تھا میرے اور اُسکے جو پردہ سا اک ظفر　　یکبارگی دوئی کے اُٹھانے سے اُٹھ گیا

کتنا وحدت میں ڈوبا ہوا مقطع ہے ۔

بے لکھے خط جو کیا نامہ و پیغام طلب　　کاہلی لکھنے کو تھی آپ میں آرام طلب

سرنامہ میرے نام کا اور خط رقیب کا　　ظالم ترے ستم کے ہیں عنوان عجب عجب

نفس کی ہے یہ جو آمد و شد بغور کر سیر اسکی غافل
یہ دیکھ چلے ہو رہی ہے کیونکر رہِ وجود و عدم چھپا چھپ

جلا گیا شبِ غمِ دل کا داغ صبح کے وقت
وگرنہ ہوتے ہیں گُل سب چراغ صبح کے وقت

دل ہے مکدر ان کا صفائی ہو کس طرح
بخت اپنے نارسا ہیں رسائی ہو کس طرح

ہے سفر در پیش اس بستاں سرا سے غنچہ دار
باندھ تو رختِ سفر غافل سفر سے پیشتر

کرے ہے نکہتِ گل دمبدم چمن میں سفر
ہمیشہ خانہ بدوشوں کو ہے وطن میں سفر

کیونکر نہ خاکسار رہیں اہلِ کیں سے دور
دیکھو زمیں فلک سے فلک ہے زمیں سے دور

قیام ازٹد کی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو
کچھ اس کی اصل نہیں ہے مگر فساد کی جڑ

واللہ بتوں نے ہم سے یاری کی ترک
پر ہمنے نہ اُن کی پاسداری کی ترک

جانِ عالم ہو۔ کوئی کیونکر جدا رکھے تمہیں
زندگی ہے اے بتو تم سے بخدا رکھے تمہیں

صنم جیسا کہ تو نامِ خدا ہے دلربائی میں
نہوگا دلربا ایسا کوئی ساری خدائی میں

جلایا آپ ہمنے ضبط کر کے آہِ سوزاں کو
جگر کو سینے کو پہلو کو دل کو جسم کو جاں کو

ہمیشہ کنجِ تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں
الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو

بنایا اے ظفر خالق نے کب انسان سے بہتر
ملک کو دیو کو جن کو پری کو حور و غلماں کو

بے پڑھے خط نہ مرا تیوری پر بل ڈالو
پہلے پڑھ لو اُسے پھر پھاڑ کے مل دل ڈالو

دل و جاں و تن و ایماں ہے جو لینا ہو صنم لیلو
کرونگا عذر دینے میں نہیں مجھ سے قسم لے لو

تم آئے عین گرمی میں نکل کر دل سے لے اشکو
کوئی دم نخلِ مژگاں کے ذرا سایہ میں دم لیلو

یہی ہے حضرتِ دل عشق کے بازار میں سودا
اگر لیتے ہو اپنے واسطے تم مول غم لے لو

نہیں ہے اعتبار ان کا وہ ہیں کہکر مکر جاتے
نوشتے اُن کی باتوں کے ظفر تم یک قلم لیلو

یہ قصہ وہ نہیں تم جس کو قصہ خواں سے سنو
مرے فسانۂ غم کو مری زباں سے سنو

نہیں معلوم ظفر اُن سے ہوئیں کیا باتیں
چپکے بیٹھے ہوئے تم آج خفا سے کچھ ہو

کہتا ہے تم سے کون کہ خنجر بکف نہ ہو
پر حق جاں نثارِ محبت تلف نہ ہو

اللہ ہے ہمارا طرفدار اے ظفر
کوئی اگر نہیں ہے ہماری طرف نہ ہو

ہے جہاں میں خواہشِ نام و نشاں بے فائدہ
سینہ کاوی ہے نگیں کی طرح یاں بے فائدہ

واں رسائی نہیں تو پھر کیا ہے
یہ جدائی نہیں تو پھر کیا ہے

ہو ملاقات تو صفائی سے
اور صفائی نہیں تو پھر کیا ہے

کسِ قابِ اغنیا ہونا — بے حیائی نہیں تو پھر کیا ہے
اللہ اللہ رے بتوں کا غرور — یہ خدائی نہیں تو پھر کیا ہے

بہکانے والے آپ کے سب یار بن گئے — سمجھانے والے مفت گنہگار بن گئے
ہشیار رہنا چاہیئے یاروں سے اے ظفر — ہیں یار اس زمانے کے عیار بن گئے

کس کی ابرو کی وہاں تصویر کھنچکر رہ گئی — سنتے ہیں بھوپال میں شمشیر کھنچکر رہ گئی

لوگ اس مطلع کو بہادر شاہ کی کرامات پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس مطلع کے چند روز بعد خبر آئی تھی کہ بھوپال میں تلوار چل گئی۔ اور بہت کشت و خون ہوا۔

کیا خرد بدخواہ کیا تدبیر دشمن بن گئی — میرے حق میں تو مری تقدیر دشمن بن گئی

خرد ہی پہ تکیہ نہ بالکل کرے — خدا پر بھی انسان توکل کرے
کروں دم نگاہی کا گر میں گلہ — تو پھر اور بھی وہ تغافل کرے

لکھ کے حال اپنا انھیں ہیہات اپنے ہاتھ سے — کھوئی ہم نے آپ اپنی بات اپنے ہاتھ سے

جفاکش اور ستم پرور نہ ہم جیسے نہ تم جیسے — بلاکش اور غارتگر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

عجب روش سے انھیں ہم گلے لگا کے ہنسے — کہ گل تمام گلستاں میں کھلکھلا کے ہنسے
یہ کہدو غنچے سے آتی ہے تیرے منہ سے بو — چمن میں سامنے اس گل کے منہ چھپا کے ہنسے
گلشن میں جب ادا سے وہ رنگیں ادا ہنسے — غنچے کا منہ ہے کیا کہ جو پھر اے صبا ہنسے
یہ کیا ستم ہے ہم کہیں رو رو کے حال دل — منہ اپنا پھیر پھیر کے وہ بے وفا ہنسے

ملے خسرو کو شیریں کوہکن ناکام رہ جائے — بعید اے عشق ہے یہ بات انصاف و عدالت سے

چھوڑ کر یار ہیں سب ہوئے چلتے پھرتے — اپنی تنہائی پہ ہم ہاتھ ہیں ملتے پھرتے

بلا میں زلف جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے — بلا یہ کون لیتا جان پر لیتے تو ہم لیتے
اسے کیا کام تھا وہ بیخبر کیوں پوچھتا پھرتا — دل گم گشتہ کی اپنی خبر لیتے تو ہم لیتے
لگایا جام مے ہونٹوں سے اسنے ہم کو شک آیا — کہ بوسہ اس کے لب کا اے ظفر لیتے تو ہم لیتے

کہاں وہ اگلی ملاقات والے — عنایات والے مدارات والے
خوش اوقات دل کے خرابات والے — ہمیشہ رہے خوش اس اوقات والے

ظفر جس دم غم دوری سے دل مغموم ہوتا ہے — مزا دل کے لگانے کا ہمیں معلوم ہوتا ہے
حباب اتنی نہ باندھا کر ہوا اپنی تو نمود اپنی — کوئی دم میں نشاں تک بھی ترا معدوم ہوتا ہے

ہم رہیں ساقی رہے اور دور پیمانہ رہے — حشر تک یارب یونہی آباد میخانہ رہے

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھر یاں تھے — شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستے بشر یاں تھے

ظفر احوال عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے — کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھے

گالیوں کا ہم پہ چلنا اور چہرا صاف ہے — کیا زباں ہے آپ کی کیا روز مرا صاف ہے

کہوں کیا ماجرائے بے ثباتی نقش ہستی کا — مٹا جاتا ہے یوں گویا کہ یہ پانی پہ لکھا ہے

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا — اس جا پہ بے زبان ہے دہن قال و قیل کا

پانی پہ اُس نے راہبری کی کلیم کی — آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا

کسی نے اُس کو سمجھایا تو ہوتا — کوئی یاں تک اُسے لایا تو ہوتا

دل کا کچھ کام نہ تجھ سے بت پُر فن نکلا — دوست جانا تھا تجھے جان کا دشمن نکلا

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا — یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

کوچے میں ترے تنہا ہر شب مجھے ہو جانا — دو چار گھڑی اپنا دل کھول کے رو جانا

وائے اے بے خبر و تجکو خبر خاک نہیں — کہ سفر سر پہ ہے سامانِ سفر خاک نہیں

برسوں گذرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد — اب تو اس کوچے میں اے بادِ سحر خاک نہیں

خاک میں آنسوؤں کو میرے رلاتا کیا ہے — تجکو اے دیدۂ تر قدرِ گہر خاک نہیں

ہم سے ظاہر میں ہوئے صاف تو کیا ہوتا ہے
دل تو صاف ان کا ہوا ہم سے ظفر خاک نہیں

پاک شے کچھ اور ہے میں قطرۂ ناپاک ہوں — بولتا کیا جانے کیا ہے میں تو مشت خاک ہوں

بھری ہے دلمیں جو حسرت کہوں تو کس سے کہوں — سُنے یہ کون مصیبت کہوں تو کس سے کہوں

کسی کو دیکھتا اپنا نہیں حقیقت میں — ظفر میں اپنی حقیقت کہوں تو کس سے کہوں

جو دل کو دل کی خبر واں نہیں تو یاں بھی نہیں — بدل محبت اگر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

دردِ دل درد آشنا جانے — اور بیدرد کوئی کیا جانے

ابھی یہ چشم و چراغِ دہلی زندگی عیش و عشرت میں بسر کر رہا تھا کہ سوتیا ڈاہ رنگ لائی اور غربت کو قید فرنگ نصیب ہوئی۔ بچے قتل ہوئے۔ خاندان تباہ ہوا۔ ایک لاکھ روپیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ جس کے اضافے کی تجویز ہو رہی تھی کہ غدر کا ہولناک واقعہ پیش آیا غریب بادشاہ اور بھی زیادہ معیبت میں مبتلا ہوئے۔ قید کی حالت میں رنگون بھیجدیئے گئے۔ اور اسی غربت میں سفر آخرت

اختیار کیا - آج بہادر شاہ کی حکومت ہے نہ دولت - اولاد ہے تو وہ اپنی مصیبت میں مبتلا ہے -
بہادر شاہ کو دنیا سے رخصت ہوئے پچاس برس سے زیادہ ہو چکے مگر ان کی علم ادب کی خدمت
نے ان کو آج تک زندہ رکھا اور ہم ان کا دیوان دیکھ کر اُن سے دل کھول کر باتیں کر لیتے ہیں -
اور وہ غریب اپنی مصیبت کی کہانی دُہرا دیتے ہیں - اسی لئے شعر کو اولاد معنوی کہتے ہیں -
دنیا میں جب تک زبان اُردو کے قدردان موجود رہیں گے - جب چاہیں گے ظفر سے
دو دو باتیں کر لیں گے -

آہ! اے غم کیش ظفر! آہ! اے دہلی کے آخری یادگار!! دنیا میں جسقدر عیش تو نے
اُٹھایا تھا - اُس سے زیادہ تجکو مصیبت جھیلنا پڑی - آخر خاک رنگون تجکو کشاں کشاں لے گئی
جہاں آج تیری قبر کا نشان تک نہ باقی رہا - اب کوئی فاتحہ پڑھے، تو کہاں؟ اور دو پھول
چڑھائے تو کس جگہ - اے پھولوں کی سیج پر کروٹیں بدلنے والے بادشاہ! آج تو ایک
ایسے تاریک مکان میں سو رہا ہے - جہاں نہ مسہری ہے نہ چھپر کھٹ - خاک کا بچھونا - خاک کا
اوڑھنا - خاک کا تکیہ - مگر گھبرا نہیں - بہت جلد تجھے ان مصیبتوں سے نجات ملنے والی ہے
اور دائمی عیش و مسرت کا دروازہ تیرے واسطے کھلنے والا ہے - فقط

عیشی مرحوم

نواب طالب علی خاں بہادر عیشی تخلص - شاگرد مرزا قتیل شاعر دربار نواب سعادت علی خاں بہادر
صاحب تصانیف کثیرہ، آپ کے چار دیوان فارسی، اور ایک تذکرہ شعرائے عجم، اور دو مثنویاں فارسی
ایک مثنوی اُردو، ایک دیوان اردو قلمی، راقم کی نظر سے گذرا ہے -
نظم اُردو میں غالب اور مومن سے سبقت لے گئے - ایک ایک شعر موتیوں میں تولنے کے لایق ہے -
ماسوا اس کے اُردو کے محاورات، اور زبان کا مزہ بھی موجود ہے -
ان کے معاصرین میں مرزا محمد تقی علی خاں ہوس، نواب مرزا محمد تقی خاں ترقی، میر انشا وغیرہ
تھے - انتقال سنہ ۱۲۶۰ھ میں ہوا لکھنؤ میں دفن ہوئے -

جلایا جوش آہ سرد نے پھر دل کا داغ اپنا ... ہوا روشن نسیم صبح سے عیشی چراغ اپنا
محو دیدار کو کب رنگ دوئی حاصل ہے ... آئینہ عکس سے کس حال میں ہو واصل ہے
یا وہ نالے تھے کہ خوں جنسے فلک کا دل تھا ... یا تو اب جنبش لب ضعف سے یاں مشکل ہے

عارف مرحوم

سید علی محمد صاحب عارفؔ مرحوم ولد سید محمد حیدر صاحب مرحوم لکھنوی غدر کے دو برس
کے بعد ۱۸۵۹ء مطابق ۱۲۷۶ھ میں چوبداری محلہ سبزی منڈی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اور فارسی
کی درسیات کی تحصیل اپنے نانا میر خورشید علی نفیسؔ سے کی۔ میر خورشید علی نفیسؔ میر انیسؔ کے فرزند
تھے اور ان کی دو اولادیں تھیں۔ ایک دولھا صاحب عروجؔ اور ایک لڑکی۔ میر صاحب
اپنی لڑکی کو بہت چاہتے تھے۔ اس لئے بعد عقد بھی ان کو اپنے ساتھ رکھا۔ اور نواسے کی تربیت
بھی خود کی۔ درسیات عربی کی تحصیل جناب عارفؔ نے ملا محمد طاہر مرحوم سے کی اور آغاز شباب
میں شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ پہلے غزل گوئی کی مشق کی۔ مولوی مہدی حسن صاحب ناہرؔ کے
مشاعروں میں شریک ہوئے۔ اور سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ کے مشاعروں میں تشریف لیجاتے
تھے۔ غزل میں شکوہ الفاظ کا بھی خیال رکھتے تھے۔ گفتگو میں بھی فارسی عربی الفاظ کی کثرت تھی
میر نفیسؔ مرحوم کی طرح ان کو بھی ورزش کا شوق تھا۔ دوہرا بدن گورا رنگ گول چہرہ ڈاڑھی
منڈی ہوئی۔ بازو پر جوشن بندھے ہوئے۔ چہرے پر کچھ سیتلا کے داغ دراز قد۔ صورت
اور ڈیل ڈول میں اپنے نانا سے بہت مشابہ تھے۔ بات آہستہ کرتے تھے۔ اور کسی قدر کم گو تھے۔
چوگوشیہ ٹوپی۔ نیچی چولی کا انگرکھا باریک تنزیب کا اور نیچے باریک جالی کا کرتا۔

عارفؔ مرحوم کی تربیت میر نفیسؔ مرحوم کے متعلق تھی۔ اس سبب سے ان میں تمام خوبیاں
خاندان انیسؔ کی مجتمع تھیں۔ ان کے والد میر محمد حیدر صاحب ایک شریف غیر معروف آدمی تھے
اس سے ان کے حالات نہ معلوم ہو سکے۔ وہ مرثیہ گو اور شاعر نہ تھے۔ اور اتنی بضاعت نہ رکھتے
تھے کہ اپنے لڑکوں کی پرورش کریں۔ اس لئے ان کی پرورش میر نفیسؔ کے متعلق تھی۔ اور یہی
سبب تھا کہ عارفؔ تمام خوبیوں میں میر نفیسؔ کے نقش ثانی تھے۔ جب مرثیہ کہنے لگے۔ تو اسپر
میر نفیسؔ مرحوم نے بہت توجہ سے اصلاح دی۔ ماہ صفر کی ۲۰ تاریخ کی مجلس محلہ بنجاری ٹولہ
مکان شیخ علی عباس صاحب وکیل میں اپنا نو تصنیف مرثیہ ہر سال پڑھتے تھے۔ سامعین کا
بہت ہجوم ہوتا تھا۔ پڑھنے کا انداز بہت اچھا تھا۔
علمی استعداد نے انکو روسائے شہر کی نظر میں معزز بنا رکھا تھا۔ بعد انتقال میر نفیسؔ

جناب راجہ علی محمد خاں بہادر بالقابہ والی محمود آباد آپ کے شاگرد ہوئے اور ایک سو پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ سواری کیواسطے بگھی مرحمت ہوئی۔ حاضری اور پابندی اوقات معاف تھی اسپر بھی جب راجہ صاحب لکھنؤ میں ہوتے تھے تو آپ روزانہ ملاقات کو تشریف لیجاتے تھے۔ بڑے خلیق اور ملنسار تھے۔ جب سے مرثیہ کہنا شروع کیا تھا۔ مشاعروں کی شرکت کم کر دی تھی۔ مگر خاص خاص مشاعروں میں مجبوراً شریک ہوتے تھے۔

چنانچہ جناب حامد علی خاں بیرسٹر نے جو عظیم الشان مشاعرہ کیا تھا۔ اُس میں آپ بھی تشریف لائے تھے اور تا اختتام مشاعرہ میں شریک رہے۔

آپ کی سات اولادیں ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے سید ظفر حسن صاحب فایق۔ دوسرے سید ہادی حسن صاحب لایق۔ تیسرے سید یوسف حسن صاحب۔ اور چار لڑکیاں ہیں۔

۱۳۔ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ وقت سحر بیر نفیس مرحوم کی مجلس فاتحہ خوانی میں مرثیہ پڑھنے بگھی پر سوار ہوکر سید خورشید حسن عرف دولھا صاحب عروج کے مکان پر جارہے تھے۔ وکٹوریہ اسٹریٹ (بزازے کے قریب) پہنچکر دفعۃً قلب میں شدید درد اٹھا۔ بگھی روک کر اعزا نے مکان پر واپس لانا چاہا۔ کٹرہ حیدر حسن خاں میں پہنچکر حالت زیادہ متغیر ہوئی۔ مجبوراً ایک حکیم صاحب کے مطب میں (جو وہیں واقع تھا) لیجاکر لٹا دیا۔ ابھی فکر علاج میں تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ اسکے بعد میت گھر میں لائی گئی۔ ان کی عمر صرف ستاون برس کی تھی۔ نہایت قوی الجثہ تھے۔ آپ کی وفات سے تمام شہر میں تہلکہ پڑگیا۔ مرحوم میں اخلاقی خوبیاں بہت تھیں۔

انتخاب کلام

رُباعیات

بینا ہونا نظر پہ موقوف نہیں
ممکن ہے شباب میں بھی غم پیری کا
پیری اسبابِ زیست سب لوٹ چکی
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سفید

نالہ اپنا اثر پہ موقوف نہیں
ٹھنڈی آہیں سحر پہ موقوف نہیں
اک آس جوانی کی جو تھی ٹوٹ چکی
اب رات کہاں رہی کرن پھوٹ چکی

رُباعی

ہم وہ ہیں نہ وہ شباب کی باتیں ہیں
کچھ ہیں بھی تو انقلاب کی باتیں ہیں
پیری میں جوانی کا بیان اے عارفؔ
کچھ ہوش میں آؤ خواب کی باتیں ہیں

در شان باری

ذرے میں ضیا مہر کی پیدا کر دے
ادنےٰ کو وقار دے کے اعلےٰ کر دے
کچھ وسعت رحمت کی نہیں حد یارب
تو چاہے تو اک قطرے کو دریا کر دے

تفاخر شاعرانہ

افضل ہیں جہاں کے سخنور مجھ سے
مخفی نہیں پر کسی کے جوہر مجھ سے
چھانے گا اگر خاک زمانہ برسوں
ذرّے آئیں گے ہاتھ کمتر مجھ سے

انتخاب سلام

جو دوراندیش ہیں دنیا میں کب وہ گھر بناتے ہیں
مکان مداحِ سرور خلد میں جا کر بناتے ہیں
عمارت کس لئے دنیا میں اہلِ زر بناتے ہیں
جو عاقل ہیں سرا میں بھی کہیں وہ گھر بناتے ہیں
رضا بچوں نے جب مانگی تو زینب سے کہا شہ نے
غضب کی اب تو باتیں یہ مہ انور بناتے ہیں
جنھیں عقل سلیم اللہ نے دی ہے زمانے میں
دل دشمن میں بھی وہ دوستی سے گھر بناتے ہیں
غم شہ میں کوئی آنسو جو لب تک آ گیا ڈھل کے
کہا تسنیم سے آنکھوں نے یوں کوثر بناتے ہیں
ٹپک پڑتے ہیں آنسو یاد کر کے حال عابد کا
لرز جاتے ہیں جب زنجیر آہنگر بناتے ہیں
نجف کے میکدے کی آرزو میں مر کے بھی دیکھیں
ہماری خاک سے کب کاسہ گر ساغر بناتے ہیں
بہت بیتاب تیغ مرتضیٰ ہے رن میں چلنے کو
مگر شبیر ابھی قبر علی اصغر بناتے ہیں
صدا یہ صاف آتی ہے عمارتہائے عالی سے
خطا کرتے ہیں راہ سیل میں جو گھر بناتے ہیں۔
سرشکِ خون غم سرور میں ٹپکاتے ہیں دامن پر
ہم ان مہروں سے بخشش کیلئے محضر بناتے ہیں
سخن کے جوہری جو ہیں دکھا دو انکو اے عارفؔ
جِلا کہتے ہیں اس کو اور یوں گوہر بناتے ہیں

گھوڑے کی تعریف

کیوں قدر کریں اسکی نہ عباس خوش انجام
مِثل اس کا نہیں نجدیوں میں روم سے تا شام
جاندار بھی آفت کا ہے یہ اسپ سبک گام
ہو اوج کہ پستی کہیں دم بھر نہیں آرام
شعلے بھی دُھنا کرتے ہیں سر اسکی لپک پر
سیماب زمیں پر ہے تو بجلی ہے فلک پر

تلوار کی تعریف

اس تیغ سرافراز پر پیار آئے نہ کیونکر
ڈوبی ہوئی ہے حُسن کے دریا میں سراسر

شفاف چمکتا ہوا آئینہ سا پیکر
یہ حور کی اُلجھی ہوئی زلفیں ہیں کہ جوہر

ہے فرق اگر کچھ - تو بقدر سر مو ہے
ان کے لئے روغن کی جگہ خون عدو ہے

ساقی نامہ

ہاں ساقیٔ مہرو کوئی جام آج پلا پھر
میں جسکا ہوں مُشتاق وہ مے شیشے سے لا پھر

دے آئینہ طبع مصفا کو جلا پھر
ہونٹوں سے چھلکتے ہوئے ساغر کو ملا پھر

لکھتا ہوں دعا ساقیٔ کوثر کے خلف کی
جھوٹی بھی اگر مے ہو تو رندانِ نجف کی

انتخاب غزلیات

نہیں ہے سُرخ ڈوپٹا یہ فرقِ دلبر پر
چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا سر پر

ہوا کی طرح سے پلٹا ہے لیکے اُس سے جواب
نظر نہ پیار سے کیوں کر کروں کبوتر پر

وہ روز وعدے کو دانستہ بھول جاتے ہیں
بدی کی رکھنے کو تہمت مرے مقدر پر

رواں ہوا صفت ماہ صبح وصل وہ مہر
شکن کی طرح پڑا رہ گیا میں بستر پر

خلاف وضع ہے گر غیر کو کروں سجدہ
جبیں رکھ کے ترے آستانۂ در پر

ادا سے دیکھتے ہیں جب وہ خاکساروں کو
تو اور ہوتی ہے صیقل نگہ کے خنجر پر

وصال و ہجر کا ساماں بہم رہے اَیدل
گلوں کا فرش ہو کانٹوں سمیت بستر پر

نئی خوشی ہے کہ قاتل لقب ہو عالم میں
کہو تو ہاتھ بھی رکھا نہ جائے خنجر پر

وہ جلد آئیں گے یا دیر میں خدا جانے
میں گل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پر

بغیر اذن کسی کو مجال دخل نہیں
ہوا بھی جا کے ٹھہر جاتی ہے ترے در پر

سمجھتے ہیں کہ انھیں اب کوئی نہ توڑے گا
بخیل کرتے ہیں مُہریں جو کیسۂ زر پر

فروغ نور کا حاصل ترے قدم سے کرے
پڑا ہے سایۂ دیوار اس لیئے در پر

جو نا شناس جفا تھے وہ سمجھے خندۂ برق
ہنسی فلک کو جو آئی مرے مقدر پر

زمانہ ٹھوکریں کھلوا کے اوج دیتا ہے
اُٹھی جو گرد قدم سے تو آتی ہے سر پر

میں زار ہوں مرا دفن و کفن ہے کیا دشوار
ذرا سی کھاک کی چٹکی چھڑک دو بستر پر

ہے جان لینے میں یکتا اداے دلبر بھی | لگا نہ دے کوئی تہمت کہیں قضا پر بھی
نہ میرے زخموں کو کہئے ذرا ورید ہ دہن | حضور تیز زباں آپ کا ہے خنجر بھی
کبھی شکار کیا خود کبھی شکار ہوئی | مری نگاہ ہے شہباز بھی کبوتر بھی
عجب طرح کی کشاکش ہے دوں کسے آواز | ادا بھی دل کی ہے طالب نگاہ دلبر بھی
مثال نکہت گل راز ہے محبت کا | کہ میرے دل میں بھی ہے اور دل کے باہر بھی
مرے لہو کے مزے کے رہیں گے سب مشتاق | زبان تیغ کو چاٹا کریں گے پتھر بھی
کھلی ہے آنکھ جو مجھ نیم جاں کی صبح فراق | لپٹ کے ہوتا ہے مجھ سے وداع بستر بھی

حسرت ہجر نہ ارمان وصال اچھا ہے | جس سے بہلا رہے دل کچھ وہ خیال اچھا ہے
کچھ بقا جسکو جدا نہیں ہو وہ حال اچھا ہے | جو کبھی جائے نہ سر سے وہ خیال اچھا ہے
طلب وصل پہ دیتے جو نہیں کچھ وہ جواب | ہم سمجھتے ہیں کہ انجام سوال اچھا ہے
تم نہ صورت مری دیکھو نہ مرا ذکر سنو | نہ میں اچھا ہوں نہ ایجاں مرا حال اچھا ہے
صبح رخ نے اسے کافور کی ٹھنڈک بخشی | اب دل سوختہ برق جمال اچھا ہے
ہو ہی جاتی ہے برا سن کے توجہ ان کو | رشک کی جا ہے کہ مجھسے مرا حال اچھا ہے

ذکر سودائیوں کا بزم میں آجاتا ہے جب
کہتے ہیں عارف آشفتہ خیال اچھا ہے

فلک مرحوم

میر سجاد حسین فلک ابن میر امام علی - لکھنؤ ساکن محلہ سبحان نگر - تلمیذ میر کلو عرش، سیاہ فام دراز قد پرگو، کثیر العیال تھے - عہد واجد علی شاہ میں ان کا شباب تھا - فارسی میں اچھی استعداد تھی - عربی بقدر ضرورت جانتے تھے - پیشہ معلمی تھا - اور اسی پر گذر اوقات تھی - تخمیناً باسٹھ برس کی عمر میں سنہ ۱۹۰۶ھ میں انتقال کیا - اور کربلائے ملکہ جہاں میں دفن ہوئے -

کون سا راز ہے اخفا ان کا | ہم سے بیکار ہے پردا ان کا
وہاں ہے امتحاں جور و جفا کا | یہاں سر خم ہے تسلیم و رضا کا
توکل رہنما ہے اے فلک چل | اگر ہے قصد دل میں کربلا کا

منیر مرحوم

سید محمد اسمٰعیل حسین منیر مرحوم ابن سید احمد حسین شاد مرحوم شکوہ آباد کے رہنے والے تھے۔ خود لکھتے ہیں کہ مجھے شاعری کا شوق عنفوان شباب سے تھا۔ لیلی سخن پر مجنوں تھا۔ رات دن اشعار دیکھا کرتا تھا۔ اور خط کے ذریعہ سے اُستاد ناسخ سے اپنے کلام پر اکثر اصلاح لی۔

پھر ایسا ہوا کہ نواب نظام الدولہ خلف اوسط نواب معتمد الدولہ بہادر کی ملازمت حاصل ہوئی اور روزمرہ مصاحبین میں داخل ہو کر کانپور آیا۔ اس وقت حضرت مجتہد الشعرا ناسخ کی آستانہ بوسی حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ اُستاد مرحوم کسی تقریب سے نواب امین الدولہ بہادر کے مہمان تھے۔ اور بہت فوائد حاصل ہوئے اور جب ناسخ مرحوم لکھنؤ تشریف لے گئے۔ تو اس دن سے حسب ارشاد عالی ناچیز جناب میر علی اوسط رشک کے شاگردوں میں داخل ہوا اور ان کی خوشہ چینی کی برکت سے کانپور۔ لکھنؤ۔ مرشد آباد اور دوسرے شہروں کے مشاعروں میں شریک ہوا۔

آخر طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو کر بیت السلطنت لکھنؤ میں آیا۔ اور برسوں یہاں مصیبت جھیلتا رہا۔ تکلیف اُٹھاتا رہا۔ توفیق باری نے دستگیری کی اور ظفر الدولہ نواب علی اصغر خاں بہادر کی خدمت میں پہنچا۔ اس عالی ہمت نے مرہم اطمینان معاش کا دل ریش پر رکھا۔ تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ نواب معین الدولہ سید باقر علی خاں بہادر ظفر جنگ خلف ثالث نواب معتمد الدولہ بہادر کے التفات نے قرض کے بار گراں سے مجھے سبکدوش کر کے کانپور میں بلا لیا۔ اور اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دی۔ ابھی دم نہیں لینے پایا تھا کہ پھر دشمنوں کی دشمنی سے مجھے روز سیاہ دیکھنا نصیب ہوا اور ایک سخت بلا میں مبتلا ہوا۔ اگر ایسے وقت میں مولانا احمد حسن خاں بہادر عروج صبر گداز اعانت نہ فرماتے تو میرے وجود کا غبار بھی صحرائے عدم میں پہنچ جاتا۔ اور اسی حال میں امیر دریا دل فیاض بے ہمتا، شاعر شیریں مقال اسد الدولہ رستم الملک سید محمد ذکی خاں بہادر فیل جنگ عرف نواب بہادر ذکی تخلص نے اپنے متوسلین میں داخل کر کے اصلاح کلام کی خدمت میرے سپرد کر کے رہین منت بنایا اور دوبارہ مجھے لکھنؤ میں بلایا۔ اور کوئی دقیقہ بزرگداشت اور توقیر میں باقی نہ رکھا۔ دو برس تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا کہ رئیس الامرا امیر الاغنیا گوہر دریائے سخنگوئی نواب نصیر الدولہ معین الملک تجمل حسین خاں بہادر ظفر جنگ معروف بہ حشمت جنگ فرمانروائے

ریاست فرخ آباد نے میری بے کمالی اور ہیچمدانی کا حال معلوم کر کے مجھے طلب کیا - اور سفر خرچ بھی بھیجدیا -

آخر لکھنؤ کی مفارقت کا داغ لیکر فرخ آباد میں قیام کیا - نواب کی ملازمت میں (خدا انکی مغفرت کرے) میں بہت مالدار ہوگیا - ذرے کو آفتاب بنا دیا - آخر نواب بسردر نے انتقال فرمایا - اور کچھ دنوں ان کے مرنے کے بعد میں نے مصیبت جھیلی - ہرچند اسوقت بھی مہاراجہ الور، فرمانروائے دھولپور نے بہت سے شقے لکھکر مجھے طلب فرمایا - اور زر مصارف بھی روانہ فرمایا - لیکن دل نہیں چاہتا تھا - کہ ایسے دور دراز ملک میں جاکر بقیہ عمر تلف کروں - اس کے علاوہ شفیق والاہمم لالہ مادھورام جوہر (جو میرے شاگرد اور صاحب دیوان ہیں) کی محبت بھی اجازت نہ دیتی تھی -

ناگہاں دولت بیدار نے منہ دکھایا یعنی امیر الامرا رئیس الروسا حضرت دلی نعمی نواب علی بہادر صدر نشین حکومت "باندا" نے اپنی قدردانی کی کمند سے فرخ آباد سے "باندے" میں کھینچ لیا - اور وابستگان دامن دولت میں شامل کرلیا - اور اپنے کلام کی اصلاح سے میری عزت افزائی کی - ابھی تک یہی بادہ جام میں اور یہی ہما دام میں ہے - غرض اس بیان سے یہ ہے کہ ایسے ایسے انقلابات عظمی واقع ہوئے کہ کبھی مشرق میں تھا تو کبھی مغرب میں - ایکدم آرام سے بیٹھنا دشوار تھا - ایسی حالت میں تحصیل علوم اور فکر شعر جس کے لئے پوری آسودگی درکار ہے - کیا ہوسکتی تھی - مگر اس پر بھی میں نے بہت کچھ بکا کہ اگر وہ سب کلام جمع ہوتا اور تلف نہ ہوتا تو چھ سات دیوان مکمل ہوتے - فی الحال دو دیوان جمع ہوئے - پہلے میں استعارات اور کنایات نظم ہیں دوسرے میں استعارے نہیں مگر نزاکت معنی سے خالی نہیں ہے - اور اگرچہ بعض شعرا کی تعلیاں اجازت لب کھولنے کی نہیں دیتی ہیں - لیکن جو نالہ لب تک آتا ہے - وہ کب رکتا ہے - لہذا ابے کم وکاست لکھتا ہوں کہ آج کل کے ابنائے زماں خصوصًا شعرا اکثر علم و فضل و کمال سے خالی ہیں - یہانتک کہ رسم الخط سے بھی ناواقف ہیں - اور عروض و قافیہ کو اسم بے مسمی جانتے ہیں - اس سبب سے میں نے استعارہ گوئی ترک کردی - اور بعضوں نے چند انشا کی کتابیں طفولیت میں پڑھی تھیں - اب اپنی معلومات پر ناز کرتے ہیں - اور کوس لمن الملکی بجاتے ہیں - یہ لوگ اس زمانے میں طاقت شعر فہمی کی نہیں رکھتے - دوسرے دقائق سخن تو جاننا مشکل ہیں - اور سننے والے ایسے اہل فہم ہیں کہ ان لوگوں کے ہاتھ سے ہزارہا نشتر دل پر لگتے ہیں - لہذا ان

لوگوں کی قابلیت کے خیال سے سہل گوئی اختیار کی۔ منیر مرحوم نے جو حال اپنا آپ لکھا ہے وہ سب غدر کے پیشتر کا معلوم ہوتا ہے۔

غدر کے بعد ہی کسی الزام میں قید ہو کر کالے پانی بھیجدیئے گئے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ فرخ آباد کے احباب گردشِ تقدیر سے چھٹ گئے۔ ہم قید ہو کر "باندے" میں آئے۔ وزیر تخلص ہمارا ایک شاگرد تھا۔ اس نے بہت سعادتمندی کی۔ آخر میری تقدیر سے عاجز ہو گیا۔ اور بھی دوستوں نے رہائی کی تدبیر کی۔ مگر کارگر نہ ہوئی۔ الزام یہ تھا کہ مسماۃ نواب جان قتل کی گئی۔ مصطفےٰ بیگ نے اسے قتل کیا اور تدبیر سے مجھ بیگناہ کو بھی پھنسوا دیا۔ باندے کے زنداں میں مجھ پر لاکھوں ستم ہوئے۔ ایک تاریک کوٹھری قبر کے مانند جس میں بول و براز کا ڈھیر تھا۔ پانی کا قطرہ میسر نہ ہوتا تھا۔ افیون میسر نہ آئی۔ اس کی سخت تکلیف ہوئی۔ ہر وقت گالیاں کھاتے تھے۔ روٹیاں گوبر جیسی کھانے کو ملتی تھیں۔ ترکاری کے بدلے سوکھی گھاس بھینس کی سانی سے بدتر دال کرکری کثیف۔ بے نمک۔ ٹاٹ کا بچھونا کمل اوڑھنا، محنت مزدوری، تکلیف، حد بیان سے باہر اس جہنم کے تمام موکل بے مروت۔ بے حیا۔ قاتلِ اشراف تھے۔ پھر ہم کو الہ آباد میں بھجوا دیا۔ الہ آباد میں جو ستم گزرے وہ بیان سے باہر ہیں۔ پھر وہاں سے کلکتہ پیدل روانہ ہوئے۔ ہاتھوں میں ہتکڑیاں۔ پاؤں میں بیڑیاں۔ راستے میں اعدا نے بہت ستم کئے۔ کلکتہ میں فوٹو اتارا گیا اور ہم کالے پانی بھیجدیئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۲۷۱ھ کا ہے۔ کالے پانی سے شاگردوں کی شکایت اور بیمروتی کی حالت میں لکھتے ہیں۔ جب تک میں ہندوستان میں رہا۔ سب شاگرد میرے ثناخواں تھے۔ وہاں سے قید ہو کر کالے پانی میں آیا تو اکثر شاگردوں کے خطوط آیا کئے۔ عزیزوں کی شکایت کیا کروں ان سے میں خود شرمندہ ہوں۔ اگر میں نے کوئی سلوک کیا ہوتا تو ان سے ہمدردی کی اُمید رکھتا۔ مگر ان شاگردوں سے شکوہ ہے۔ جنھوں نے یک قلم بھلا دیا۔ نواب باندا کی شکایت بے سود ہے۔ کیونکہ وہ میرے آقا تھے میں ملازم تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس فتنے نے ان کو بھی تاراج کر دیا تھا۔ لیکن اگر کوئی شقہ بھیجدیتے تو مجھ کو اتنا رنج نہ ہوتا۔ صرف واجد علیخاں میرے حقوق تربیت کو نہ بھولے اور اس بُعد پر بھی مہربانی سے پیش آئے۔ نواب حید رجنگ نے ان کی سعی سے احسان کیا۔ حمید الدین نے بھی سعادتمندی کی۔

وزیر نیک خو نے باندے سے میری اعانت کی۔ تسلیم نے زادِ راہ کا سامان کر دیا تھا۔ سنہ ۱۲۸۲ھ میں قید سے رہا ہو کر ہندوستان میں آئے کہتے ہیں۔

جزیرۂ دریائے شور میں ہم قید تھے - وہاں کمشنر صاحب کے محکمے میں منشی تھے۔ انعام میں دو برس معاف ہوئے - چھٹکر الہ آباد آئے - وہاں سے کانپور پہنچے -

منیر نے مرثیہ پر مرزا دبیر سے اصلاح لی - اور نواب کلب علی خاں بہادر کے دربار میں بعد رہائی ملازم ہوئے - ان کی سرکار میں بہت سرفرازی پائی - نواب رامپور بہت قدردان رئیس تھے اسیر - امیر - عروج - داغ - جلال - حیا - شاغل - قلق - بحر - جان صاحب - بدر - شاداں - غنی - اور اچھے اچھے شاعران کی فیاضیوں سے جمع ہو گئے تھے - منیر بہت پرگو تھے - ان کا کلیات مطبع ثمر ہند لکھنؤ میں چھپا تھا - اور نواب کلب علی خاں بہادر نے اپنے خاص مصارف سے چھپوایا تھا - اس میں تین دیوان ہیں - پہلا منتخب العالم - دوسرا تنویر الاشعار - تیسرا انظم منیر - ایک مثنوی معراج المضامین بھی منیر نے لکھی تھی - جواب طبع ہوئی ہے - اس میں معجزات امام لکھے ہیں - یہ مجموعہ سنہ ۱۲۹۶ھ میں چھپا تھا - اسوقت تک منیر زندہ تھے -

غدر سے پہلے نواب یوسف علی خاں رئیس رامپور کی خدمت میں بھی کچھ قصاید منیر نے بھیجے تھے اسوقت تک نواب یوسف علی خاں بہادر ولیعہد تھے - چنانچہ ایک قطعہ میں لکھتے ہیں - کہ حضور نے مجھے طلب فرمایا - شقہ طلبی بھیجا اور زادراہ بھی عنایت ہوا - مگر میں حاضری سے معذور ہوں آج کل ایک سخت حادثہ پیش آیا ہے ناچار عطیہ سرکار واپس کرتا ہوں - مجھے بعد محرم یاد فرمائیے اور اسی وقت زادراہ بھی مرحمت ہو - مقطع میں لکھتے ہیں ؎

دربار میں منیر غزل خوانیاں کریں ۔۔۔ طوطی حضور مول لیں یہ بولتا ہوا

منیر قادر الکلام تھے - اور نظم کے کسی صنف میں عاجز نہ تھے - خاص کر قصائد کے بادشاہ تھے - قطعہ - رباعی - فرد - مخمس - غزل - فارسی - اردو سب میں اپنا رنگ دکھاجاتے تھے اور ہمیشہ رئیسوں کی صحبت میں رہے - علم مجلس سے خوب واقف تھے - مگر ایک جگہ قیام کم کرتے تھے اسی وجہ سے بہت سے سفر کئے - آخر میں رامپور میں عمر بسر کر دی اور اسی رئیس کی ملازمت کے سلسلہ میں انتقال کیا -

انتخاب کلام

سرتاج روح نام ہے رب کریم کا ۔۔۔ چوٹی عروس جاں کی ہے دنبالہ میم کا
بندہ ہوں اے منیر خدائے کریم کا ۔۔۔ صراف ہوں خزانۂ فیض عمیم کا

ہر سر کے واسطے نہیں سودائے عشقِ پاک — جبریل کا دماغ ہے گھر اس شمیم کا

اُمید ہے خدا سے کہ قبل از اجل منیرؔ
دیکھے مزارِ نفسِ رسولِ کریم کا

بختِ خفتہ کا ٹھکانا کوئے جاناں میں نہ تھا — خوابِ غفلت کا گذر چشمِ نگہباں میں نہ تھا
تھے سبھی دنیا میں مشتاقِ عروسانِ بہشت — اسکے سر سہرا رہا جو فکرِ ساماں میں نہ تھا
ہوگئے محجوب تم کو دیکھکر خوبانِ دہر — کون سا سر تھا جو آغوشِ گریباں میں نہ تھا
میرے رونے کی خبر کیونکر نہ پوچھی نوح سے — سات دریا درمیاں وہ عینِ طوفاں میں نہ تھا
ہر گھڑی کے رنج سے اک بار تو ملتی نجات — زہر بھی میرے لئے تلخیِ دوراں میں نہ تھا
لُطف کی صحبت نہ دیکھی زندگی بھر اے اجل — مجمعِ دلچسپ اس خوابِ پریشاں میں نہ تھا
منھ جو پردے سے نکالا ہوگیا بے شرم حسن — شعلۂ عریاں چراغِ زیرِ داماں میں نہ تھا
وحشیانِ عشق کو کیونکر پسند آتا بہشت — اک گلِ داغِ جنوں گلزارِ رضواں میں نہ تھا
مفت بھی رکھے نہ اک بت نے یہ موتی اپنے پاس — آنسوؤں کا آب و دانہ شہرِ خوباں میں نہ تھا
ایک رسی عاشق و معشوق کی گردن میں تھی — اے جنوں کس کا گلا طوقِ گریباں میں نہ تھا
فصلِ گل میں عام تھا دربارِ سلطانِ جنوں — راندۂ درگاہ تھا جو اب کی زنداں میں نہ تھا
صوفیانہ وضع تھی جب کشتگانِ عشق کی — لالۂ خونیں کفن باغِ شہیداں میں نہ تھا
ہم سے کرتی ہے قیامت چال کس اُمید پر — کونسا فتنہ نیا رفتارِ خوباں میں نہ تھا
بحرِ آفت میں تنِ لاغر بھی تھا نا آشنا — ایک تنکے کا سہارا جوشِ طوفاں میں نہ تھا
بلبلوں کے حق میں اب صیاد کانٹے بوتے ہیں — یاد آیا میکہ پتّا اُس گلستاں میں نہ تھا
ہم سے پہلے خلوتِ اہلِ عدم تھے بے فروغ — اک چراغِ مردہ بھی شہرِ خموشاں میں نہ تھا

راہ و رسمِ خانۂ زنجیر کس سے پوچھتے
کوئی اگلے وقت کا دیوانہ زنداں میں نہ تھا

کعبے کے سامنے دل خانہ خراب تھا — یہ جھونپڑا حضورِ محل کا جواب تھا
دنیا و دیں سے جس نے نکالا کھڑے کھڑے — یادش بخیر وہ دل خانہ خراب تھا

اللہ رے تلوّنِ نیسانِ فیضِ دوست
اشکِ یتیم تھا کہیں دُرِّ خوشاب تھا

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا
دو دغا بازوں کے قبضے میں ہے جوبن اُن کا

کس طرح پائیں پتہ شیخ و برہمن اُن کا
سارے ہرجائیوں کے دلمیں ہی مسکن اُنکا

نہیں دبنے کا جوانی سے لڑکپن اُن کا
چھاتی پر چڑھ کے دبایا کرے جوبن اُن کا

چھپ کے غیروں سے مرے خواب میں وہ آئینگے
راستا روک کے بیٹھے رہیں رہزن اُن کا

جائے انصاف ہے دم کیوں نہ گلے میں اٹکے
اے اجل گھر ہے قریب رگِ گردن اُن کا

کیا ہوا خاک نشینوں نے اگر دیکھ لیا
اس قدر جامے سے باہر نہ ہو دامن اُن کا

بے حقیقت بھی نہیں فیضِ ازل سے محروم
نظر آیا دلِ ہر مور میں خرمن اُن کا

ایسے منکر سے کہو ارض و سما میں نہ رہے
ڈھونڈھ لے اور خدائی کہیں دشمن اُن کا

شمع رُخ سے نہ چراغ حرم و دیر جلائیں
جلوہ پہچان نہ لیں شیخ و برہمن اُن کا

وصل نے لوٹ لیا دونوں کو تنہا پاکر
آج میرا ہے گریبان نہ دامن اُن کا

جلوہ داغِ محبت میں کمی تھی جن کے
جھلملاتا ہے چراغِ سرِ مدفن اُن کا

سابق و حال کے جلوے کو مطابق کرلیں
آئینہ بھیجدے اے وادی ایمن اُن کا

کل ہی کی وعدہ خلافی سے وہ محجوب نہیں
کئی شب کا ہے ہلالِ خم گردن اُن کا

آپ سے آپ مسک جاتی ہے انگیا کرتی
پھٹ پڑا دیکھتے ہی دیکھتے جوبن اُن کا

ناسخ و رشک کا یہ نور افادت ہی منیر
تا ابد نام زمانے میں ہے روشن اُن کا

دستِ جفائے یار نہ دل کھول کر ملا
دامانِ زخم بھی جو ملا ہاتھ بھر ملا

بزم جہاں میں گرم فغاں ہر بشر ملا
خاموش اگر ملا تو چراغِ سحر ملا

غصے کے وقت انکو کبوتر نے خط دیا
قاصد بھی قسمتوں سے عجب جانور ملا

دنیا سے لا کے چھوڑ گئی موت قبر میں
جس گھر میں بیکسی ہے مقید وہ گھر ملا

نقصان کا عوض ہو زمانے میں کس طرح
جو دن گذر گیا نہ کبھی عمر بھر ملا

دانا بھی مول لے نہیں سکتے ہیں لے منیر
افسوس ہے کہ کیوں ہمیں یکتا گہر ملا

اپنے رُتبے سے جو منظور ہے بڑھکر ہونا
اے قیامت قدم یار کی ٹھوکر ہونا

دشمن جاں ہے فقیروں کو تونگر ہونا
لے اُڑا سوئے عدم چونٹیوں کو پر ہونا

منعمو خاک نشینوں سے تعلی کب تک
ایک دن ارض و سما کو ہے برابر ہونا

دیکھنے والوں نے بے پردہ تمھیں دیکھ لیا
پھر بھی غصے میں کبھی جامے سے باہر ہونا

ہر جگہ سختی و نرمی نہیں زیبا اے دل
شیشہ مینخانے میں بتخانے میں پتھر ہونا

جی کے مرنے سے تو بہتر تھی بقا بعد فنا
خوب تھا ہو کے نہ ہونے سے نہ ہو کر ہونا

قتل کرنے کے لئے وعدہ فردا کیا
ابھی ہو جائے اگر ہو کوئی محشر ہونا

ایک کم بچپنے میں سب سے نکیلے نکلے
نہیں آتا ہے کسی پھانس کو نشتر ہونا

بندہ عاجز نہ ہو تدبیر کے یہ معنی ہیں
اپنی تقدیر سے بھی چاہئے بڑھ کر ہونا

چار دن روح کو تکیہ ہے بدن پر ناحق
صاحب خانہ کی قسمت میں ہے بے گھر ہونا

دین و دنیا کے مزے سے رہے محروم ازل
خضر ہونا ہمیں آیا نہ سکندر ہونا

ذبح کر ڈالئے پر سب میں نہ گنئے ہم کو
سر سے در گذرے گوارا نہیں ہمسر ہونا

حسن و خوبی کی ترازو ہے ڈوپٹہ تیرا
دونوں پلوں کو مناسب ہے برابر ہونا

حضرت رشک کے بھی لیں گے قدم چل کے منیر
کربلا میں کئی رتبے ہیں میسر ہونا

عبث کہتے ہو کوئی ہم سا نہ ہوگا
خدا کی خدائی میں کیا کیا نہ ہوگا

مرے ہونگے سر پھوڑ کر مرنے والے
تمھارا تو ماتھا بھی ٹھنکا نہ ہوگا

کہاں سے لگائیں گے مہندی پری رو
اگر روز خون تمنا نہ ہوگا

کدورت اگر دل میں یونھیں رہیگی
کہاں تک یہ آئینہ میلا نہ ہوگا

مرے رشک یوسف کو دیکھ اے زلیخا
کبھی خواب میں تو نے دیکھا نہ ہوگا

ڈھلا ہے یہ سانچے میں دور فلک کے
زمانہ کسی طرح سیدھا نہ ہوگا

وہ مشق ستم کر کے کامل بنیں گے
جو لکھا ہے کس طرح پورا نہ ہوگا

تمھاری گلی سے سوئے کعبہ جاؤں
خدا سے ڈرو مجھ سے ایسا نہ ہوگا

اٹھے گا غرور اس قدر کس سے توبہ
خدا آپ ہوں گے تو بندا نہ ہوگا

رہے وصل دن بھر ہمارا تمھارا
جدا ہو جو محشر ہمارا تمھارا

سنے کون لیلی و مجنوں کا قصہ
فسانہ ہے گھر گھر ہمارا تمھارا

منیر اوقات ضایع کی عبث غزل گوئی میں
ارے نادان مداح شہ لولاک ہونا تھا

عجز و نخوت نے قدم جب حد سے باہر رکھدیا
پاؤں پر سر میں نے اُسنے پاؤں سر پر رکھدیا

جان لی رحم جو اُن کو دم بیداد آیا
یہ خوش اخلاق تو غصّے کا بھی اُستاد آیا

کیا لکھنؤ سے کام جناب منیر کو
زنار بند زلف بُتِ رامپور ہیں

نہیں جس میں دل دار وہ دل یہی ہے
جدا اپنی لیلےٰ سے محمل یہی ہے

غضب ہے اُسے زندہ در گور دیکھوں
جسے مر کے پالا ہے وہ دل یہی ہے

ادا اُن کی کہتی ہے میں ہوں مسیحا
قضا میری کہتی ہے قاتل یہی ہے

شب وصل بھی ہے اسے بے قراری
نرالا زمانے سے کیا دل یہی ہے

کسے آئینہ جان کر توڑتے ہو
میں پہچانتا ہوں مرا دل یہی ہے

اُلجھتیں جو زلفیں تو سُلجھاتے اے بُت
گرہ پڑ گئی دل میں مشکل یہی ہے

لہو سے مشابہ ہے منہدی کسی کی
سمجھ لے ترا چور اے دل یہی ہے

نہایت ہے منیر افسردہ دل طول اسیری سے
مدد کو یا علیؑ پہنچو دم مشکل کشائی ہے

مومن مرحوم

حکیم مومن خاں مومن دہلوی ولد حکیم غلام نبی خاں مذہب سنی حنفی۔ تلمیذ شاہ نصیر دہلوی سنہ ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی۔ عربی۔ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد فن طب حاصل کیا۔ خدا نے دست شفا بھی دیا تھا۔ علم نجوم میں مہارت تامہ پیدا کی۔ شطرنج کا بہت شوق تھا۔ ابھی انکی عمر ۵۳ برس کی تھی کہ دفعتہً کوٹھے سے گر پڑے اور بازو ٹوٹ گیا۔ اسی صدمہ میں سنہ ۱۲۶۸ھ کو انتقال فرمایا۔ اور دلی دروازے کے باہر دفن ہوئے۔

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پر اس بیوفا کے آنے کی

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کیلئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے ہوا
ہمیں بھی دینی تھی جاں اسکے امتحاں کیلئے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی تو ظالم نے کیا کی

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

میر مونس مرحوم

میر محمد نواب صاحب مونسؔ میر خلیقؔ کے چھوٹے فرزند اور میر ببر علی انیسؔ کے چھوٹے بھائی تھے۔ شاعری میں ان کا مرتبہ میر انیس سے کم نہ تھا۔ لیکن گوشہ نشینی نے ان کی شہرت کو مسدود رکھا۔ وضع کے نہایت پابند تھے۔ چوگوشیہ ٹوپی پہنتے جس پر چکن کا کام بنا ہوتا تھا۔ نیچے شلوکہ اوپر جامدانی کا انگرکھا بے گوٹ کی آستین کا۔ روز پوشاک بدلتے تھے۔ ورزش کا نہایت شوق تھا۔ کندھوں تک زلفیں پڑی رہتی تھیں۔

پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ واقعے کی تصویر پیش نظر ہو جاتی تھی۔ یہ بات مشہور ہے کہ میر مونسؔ سے بڑھ کر کسی نے مرثیہ نہیں پڑھا۔ ابتدا میں غزلیں بھی بہت کہیں۔ یہ مقطع زباں زد ہے ؎

مونسؔ کی گلستاں میں ابھی آنکھ لگی ہے اے بلبلوں یہ شور مچانا نہیں اچھا

انیسؔ کی طرح دُبلے پتلے آدمی نہ تھے بلکہ کثرتی بدن تھا۔ مشک گنج میں رہتے تھے۔ مجالس عشرہ ریاست محمود آباد میں پڑھنے جاتے تھے۔ مشہور ہے کہ راجہ امیر حسن خاں صاحب مرحوم مرثیہ گوئی میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ معقول وظیفہ ریاست سے مقرر تھا۔

نواب میر محمد حسین خاں مرحوم بھی ان کے شاگرد تھے ان کے یہاں کی مجلس بھی پڑھتے تھے۔ اور وہیں کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ گھر سے کبھی پیدل نہیں نکلے۔ سہ پہر کو بوچہ پر ہوا کھانے جاتے تھے۔

نواب صاحب کے یہاں مجلس ہر مہینے کی چھبیسویں (۲۶) تاریخ کو ہوتی تھی۔ ہمیشہ میر صاحب مرثیہ نو پڑھتے تھے۔ اور حاضرین کا بہت مجمع ہوتا تھا۔

شہر میں اور بھی مجلسیں میر صاحب نے پڑھیں مگر یہ بات کسی مرثیہ گو میں نہ تھی کہ وہ ہر مہینے کی مجلس میں نیا مرثیہ کہتا ہو۔ پھر یہ کہ ہر مرثیے کے ساتھ ایک نیا سلام بھی ضرور ہوتا تھا۔

میر صاحب کے مرثیوں کے متعلق تو ہم کسی دوسرے حصے میں لکھیں گے۔ سر دست سلام کی خوبیوں کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

یہ بات تو ان کے خاندان میں مخصوص تھی۔ کہ زبان اور محاورات کا لحاظ مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی سبب سے میر صاحب کا خاندان ممتاز تھا۔ لیکن میر مونسؔ کے سلام میں محاورات کی تہہ

میں استعارات کی چمک دمک نظر آتی تھی اور یہ بات میر مونس کی ذات کیساتھ مخصوص تھی ایک سلام کا مطلع ہے۔

جلوہ ہے دل میں حبِّ علی کی شراب کا ۔۔۔ مینائے احمری میں ہے پھول آفتاب کا

اسی طرح ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات استعارات وکنایات میں ضرور ہوتی تھی۔

گوہر نکلتے آتے ہیں دریائے طبع سے ۔۔۔ ہے عین آبرو جو کریں آشنا پسند

مشکل زمینوں میں محاورے اور زبان کو قایم رکھنا مشکل کام ہے مگر مونس کا کلام اپنی خوبیوں کے ساتھ اس راستے کو بھی طے کرجاتا تھا۔

قبر میں خاکِ شفا پھولوں کی چادر باہر ۔۔۔ مجرئی بوئے ارم پھیلی ہے اندر باہر
دیکھ عبرت سے ذرا گورِ غریباں کیطرف ۔۔۔ استخواں قبر کے اندر ہیں تو پتھر باہر
باغِ عالم میں چلی ہے یہ ہوا خست کی ۔۔۔ غنچے کہتے ہیں کہ مٹھی سے نہ ہو زر باہر

غیر کی مدح کروں شہ کا ثناخواں ہو کر ۔۔۔ مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

سلامی لطفِ زباں ہمزباں اٹھاتے ہیں ۔۔۔ مرے سخن کا مزا قدرداں اٹھاتے ہیں

مونس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اپنے بھانجے میر کاظم حسین کو بجائے فرزند پرورش کیا۔ ممبر پر ٹھاٹھ سے بیٹھنا، شعر کی تصویر کھینچنا، آپ کا خاص حصہ تھا۔ جہاں شاعری کا رنگ دکھاتے تھے، لوگوں کی زبان پر واہ واہ کی صدا بلند ہوتی تھی۔ بین دکھاتے تھے تو ساری مجلس صفِ ماتم بنجاتی تھی۔

لکھنؤ میں انکی زود گوئی کی عام شہرت تھی ہر مہینے میں ایک نیا مرثیہ سننے کیواسطے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ رجب کے مہینہ میں جب مرزا دبیر صاحب اور میر انیس صاحب اپنا اپنا نیا مرثیہ پڑھتے تھے میر مونس کی چھبیسویں (۲۶) تاریخ کا مرثیہ بہت زوردار ہوتا تھا اور پڑھنے کے انداز میں اپنے بھائی میر انیس سے بھی گوئے سبقت لیجاتے تھے۔

جب میر انیس نے ۱۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ تو مونس کو سخت صدمہ ہوا۔ اور ہر مجلس میں اس غم کا اظہار فرماتے تھے۔ ابھی سال بھر ہوا تھا کہ دفعتہً عید کے مہینہ میں جمعرات کی شب درد گردہ اٹھا۔ شدت سے تکلیف تھی آپ نے کرب کی حالت میں اگالدان پر ہاتھ رکھکر زور دیا اور اٹھنا چاہا۔ اسی حالت میں روح نے مفارقت کی یہ واقعہ پانچ منٹ میں ختم ہوگیا۔ تمام شہر میں کہرام مچگیا۔ صبح کو جنازہ بہت دھوم سے اٹھا شہر کے تمام رؤسا شریک تھے۔ کلاں کوٹھی میں غسل دیا گیا گھیسن والی بغیا میں جس میں میر انیس مدفون ہیں دفن ہوئے۔

گھیسن شاہی میں ایک آئینہ ساز تھا جو شاہی آئینے بنایا کرتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد لڑکوں نے اس باغ کو بیچ ڈالا۔ اور اب اس باغ میں میر انیس و میر مونس کی قبریں ہیں۔

حکیم مسیحا

حکیم محمد علی خاں مسیحا تخلص شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ پیشہ طبابت گندمی رنگ دراز قد تحقیقات الفاظ کے بہت دلدادہ تھے۔ ناسخ کے خاص رنگ میں غزل کہتے تھے فن سخن میں اُستاد مشہور تھے۔ مگر معاش محض طبابت پر تھی۔ صاحب تلامذہ تھے۔ نواب مہدی حسن خاں آباد شاگرد ناسخ سے بہت اتحاد تھا۔ عصمت بختی گو لکھنوی بعد شیخ ناسخ حکیم مسیحا کے شاگرد ہوئے۔ اور انھیں سے اصلاح کلام لیتے تھے حکیم صاحب کے کلام میں شکوہ الفاظ بہت ہے اور اپنے اُستاد کے پورے پورے مقلد تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہوں جس کا باغ عالم میں مقلد　　　وہ ناسخ بلبل ہندوستاں ہے

متروکات ناسخ کی پابندی کو لازم سمجھتے تھے۔

بے اضافت قبیح کیا ہے بلکہ ہے حسن کلام　　　اے مسیحاؤں کا اعلان رہنے دیجئے

بات یہ ہے کہ دہلی والے صورت اضافی میں بھی اعلان نون کو جائز رکھتے تھے۔ ناسخ نے اسے متروک کیا۔ اور غیر عطف و اضافت کی صورت میں اعلان نون کو جائز قرار دیا۔ اسی کی طرف حکیم مسیحا نے اشارہ کرکے کہا ہے۔

مشاعروں میں کم شریک ہوتے تھے۔ مگر ان کے مکان پر خود شعرا کا مجمع رہتا تھا۔ اصلاح اچھی دیتے تھے۔ اکثر ملیح آباد بغرض علاج مریض تشریف لے جاتے تھے۔ مذہب امامیہ تھا۔ غزل کے سوا دوسرا کلام ان کا دیکھنے میں نہیں آیا۔ صاحب دیوان تھے سنہ وفات صحیح نہیں معلوم مگر غالباً بعد غدر یعنی ۱۲۸۳ھ میں انتقال کیا۔

اے مسیحا کیوں نہ ہو بیرنگ بستان سخن　　　حیف دنیا سے جناب ناسخ اشعر اُٹھا

اکثر اشعار ان کے زبان زد عام ہیں۔ چنانچہ یہ اشعار نقالوں کی زبان پر ہیں۔

اے پری پیکر ملا تجکو سراپا نور کا　　　آنکھ آہو کی کمر چیتے کی چہرا حور کا

تیرے پستاں پر نظر آتا ہے عالم نور کا　　　اے پری روشن ہے گویا قمقمہ بلور کا

حشر سے یہ مدعا ہے آپ کا رخ دیکھ لوں　　　میں نہیں مشتاق غلماں کا نہ طالب حور کا

اس کے علاوہ آپ کا کلام معنوی نکات سے خالی نہیں ہے۔ اور ناسخ کے رنگ میں ہے۔

آنکھوں سے اشک الفت لب میں نکل گیا　　　لڑکے نے دیکھ لی جو مٹھائی مچل گیا

اس شمع رو نے مجھ سے جو کیں شکوہ گزاریاں — کیسا رقیب آتشِ حسرت سے جل گیا

اے خدا تو شافع مطلق ہے ہر آزار کا — نام ہے دار الشفا بیشک تری سرکار کا
اس فقیرِ عشق کو کچھ غم گناہوں کا نہیں — حشر میں کافی ہے تکیہ رحمت غفار کا

یادِ چشم سیہ یار نے سونے نہ دیا — مجکو اندیشہ بیمار نے سونے نہ دیا

آنسوؤں سے ہے سمندر زیرِ پا بالائے سر — رکھتے ہیں پانی کی چادر زیرِ پا بالائے سر

وعدہ ناحق ہے آج کا کل کا — یاں بھروسا نہیں ہے اک پل کا
تو نے کاٹا جو سر تو بوجھ اُترا — اے پری زاد ہو گیا ہلکا
آپ کی ذات ابر رحمت تھی — کیوں نہ سر پر ہو سایہ بادل کا

مائل گردوں اگر نالہ مرا ہو جائے گا — عنصر خاکی جو تن میں ہے ہوا ہو جائیگا

ہاتھ میں انگیا کی چڑیا آگئی — آج ہم عنقا کو لائے دام میں

لکھنؤ کی یاد میں آنکھوں سے خوں جاری ہے ابتک — یاد آیا میکہ پھرتے تھے حسین آباد میں
خوب واقف ہے مسیحا حسن و قبح شعر سے — سالہا بیٹھے ہیں بزم ناسخ اُستاد میں

دل ہے مقیم کوچہ گیسوئے یار میں — مٹی مری خراب ہے ملک تتار میں

ابروؤں کے لئے دنیا میں بڑا رتبہ ہے — آنکھ پر رکھتے ہیں دلبر انھیں تلواروں کو

عبث انسان کو الفت ہے چاندی اور سونے سے — آل کار سونا خاک میں معلوم ہوتا ہے

ہر اک لب وصفِ رُخ میں کھولتا ہے — اِس آئینہ کا طوطی بولتا ہے

گل نہیں سنتے کسی نے کان بہرے کر دئے — نالہ مرغِ چمن اے باغباں بیکار ہے

اے مسیحا گوہر مضموں نہ ہاتھ آیا کبھی — روز جوشِ قلزم بحر رواں دیکھا کئے

مجکو اُمید رحمت ربِ کریم ہے — کیا غم ہے شعلہ زن جو مسیحا جحیم ہے
روز نشور سے نہیں کم ہے شب وصال — خوف و رجا میں ہوں مجھے اُمید و بیم ہے
دکھلاؤ آکے پنجہ پُر نور باغ میں — محتاج شانہ گیسوئے موج نسیم ہے

مسی آلودہ لب پر پان کی کب تیرے لالی ہے — کلی لالے کی خالق نے یہ سوسن سے نکالی ہے

مرے پہلو سے آپ جب سرکے — نہ تھمے اشک دیدۂ تر کے

کیا کہیں دنیا سے ہم کیوں کر چلے — بار عصیاں لے کے اپنے سر چلے

مرزا حاتم علی مہرؔ

مرزا حاتم علی بیگ مرحوم، مہرؔ تخلص، تاریخی نام خورشید علی سنہ ۱۲۳۰ھ چوتھی جمادی الاول ہفتے کے روز قریب شام جھٹ پٹے وقت گلزار عدم سے دنیا کی بہار دیکھنے آئے۔ اس زمانے میں ان کے پدر بزرگوار مرزا فیض علی بیگ قزلباش ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے علی گڈھ کے تحصیلدار تھے۔ کہ مرزا مہرؔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

جب ان کی عمر ڈھائی برس کی ہوئی تو ان کے چھوٹے بھائی مرزا عنایت علی بیگ ماہؔ پیدا ہوئے۔ مرزا مہرؔ چار برس کے اور مرزا ماہؔ ڈیڑھ برس کے تھے کہ باپ نے اس جہان فانی سے انتقال فرمایا۔ بیوہ ماں نے اپنے حسن انتظام سے دونوں بچوں کی تعلیم اور پرورش میں نہایت عقلمندی کا ثبوت دیا۔ اور ابھی تعلیم سے فراغت ہوئی ہی تھی کہ اٹھارہ برس کے سن میں اپنے بیٹے کی دھوم سے شادی بھی کر دی۔ مرزا صاحب نے اپنے عقد کی تاریخ نئے طرز پر لکھی ہے۔

چوں مرا قیدی زندان علایق کردند ۔۔۔ سالِ تاریخ عروسی خودم بنوشتم
یعنی آزاد و شے بودم واکنوں اے مہرؔ ۔۔۔ از سر جبر گرفتار شدم بنوشتم

قیدی زندانِ علایق بنگر سر جبر کا تعمیہ بہت مناسب کیا ہے۔ شادی کے دو برس بعد خدا نے فرزند عطا کیا۔ جس کا نام مرزا سخاوت علی رکھا اور تاریخی نام آغا بہرام نکالا۔ آغا بہرام دسویں شوال کو دوشنبہ کے روز صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ مرزا صاحب مرحوم نے اس خوشی کی بھی تاریخ لکھی۔

شوال کی دسویں تھی دوشنبہ کا وہ دن ۔۔۔ تو عین نماز جمعہ کا تھا وہ ہنگام
خالق نے عطا کیا مجھے جو فرزند ۔۔۔ ہم صولت اسکندر وہم جرأت اسام
دل نے کہا مجھ سے مہرؔ اس بیٹے کا ۔۔۔ تاریخ بھی ہو جس میں رکھنا نام
ناگاہ یہ دی سروش غیبی نے ندا ۔۔۔ تو ہم نے تو رکھا نام آغا بہرام ۱۲۵۰

آغا بہرام کے تین برس کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا دو برس کے بعد انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

بزرگ ان کے مغل قزلباش، اصفہا،

عہد میں ان کے دادا مرزا مراد علی خاں قزلباش لکھنؤ میں آئے - اور شاہی دربار میں رکن الدولہ کا خطاب حاصل کر کے ممتاز عہدہ پر رہے - کچھ دنوں ڈولمئو رائے بریلی کے ناظم بھی رہے مرزا مراد علی خاں کے والد یعنی مہر کے پردادا نادر شاہ کے وقت میں کمانڈر توپ خانہ ہو کر ہندوستان آئے تھے -

مہر کو شاعری کا چسکا ابتدائے سن سے تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ چودہ پندرہ برس کے سن میں اچھی طرح شعر کہنے لگے - اس لئے کہ اپنے عقد کی تاریخ آپ فارسی میں لکھی - اور بہت اچھی لکھی طبیعت کے اقتضا سے مہر ناسخ کے شاگرد ہوئے - اور ماہ نے آتش سے اصلاح لی - شاید دس برس اصلاح لی ہو کہ ناسخ کا انتقال ہو گیا - انتقال کی تاریخ مہر نے جو لکھی - اس میں بیشک اپنی اُستادی کا کمال دکھایا ہے - ناسخ کے ایک مقطع کے مصرعہ آخر سے تاریخ انتقال بے کم و کاست نکالی - ع

ناسخ ازل سے بندۂ شاہ حجاز ہے　　۱۲۵۴ھ

۱۸۴۰ء میں سند عہدہ منصفی کی حاصل کر کے چنار گڑھ کے منصف مقرر ہوئے - وکالت ہائی کورٹ کی سند حاصل کی - ابھی عہدۂ منصفی کے اُمیدوار تھے کہ حاسدین نے رخنہ اندازی شروع کی - اس واقعہ کو مہر نے ایک تاریخ میں لکھا ہے -

اُمیدوار کیا جج نے منصفی کا مجھے　　تو مجھ سے ہو گئی ناحق کو حاسدوں کو کد
دیا سوال مری ضد پہ صدر میں اے مہر　　ہوا وہاں سے بھی آخر سوال ان کا رد
ملا ذریعۂ کامل خدا کا فضل مجھے　　اثر پذیر عدو کا نہ ہو گا بغض و حسد
نکالوں سائل موذی کو اب کہو تاریخ　　عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد　　۱۸۴۸ء

۱۸۵۷ء کے غدر میں سات انگریزوں کو اپنے گھر میں چھپایا - اس خدمت میں مرزا سخاوت علی بیگ اور مہر کے ماموں شریک تھے پھر لکھنؤ سے ان کو لیکر آگرے گئے - گورنمنٹ سے اس خدمت کے صلے میں بائیس پارچہ کا خلعت مع مالائے مروارید اور گھوڑا اور اسلحہ عطا ہوئے - اور جاگیر میں دو موضع قریب فتح پور مرحمت ہوئے - اب اپنا قیام آگرے میں کر لیا - اور وہیں ہائی کورٹ میں وکالت کرنے لگے لیکن موجودہ زمانے کے وکیلوں کی طرح نہ تھے - موکل سے کبھی فیس طے نہیں کی - مقدمے کی کامیابی کے بعد اگر کچھ موکل نے خدمت کی تو قبول کر لی - اور نہیں تو کچھ طالب نہیں ہوئے - باہر سے جو لوگ اپیل کرنے آتے تھے اور مہر کو اپنا وکیل کرتے تھے - تو کھانا اور مکان ان کے ذمہ ہوتا بلکہ اگر واپسی میں کرایے کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی مرزا صاحب سے وصول کر کے گھر جاتے تھے -

کچھ دنوں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے - اس حکومت پر آپ کے اخلاق عام رہے - مرزا صاحب کا مذہب شیعہ اثنا عشری تھا - لیکن کبھی مذہب کا ذکر نہ آنے دیتے تھے - نماز جنازہ شیعہ سُنی دونوں نے پڑھی - غدر میں بہت سا کلام برباد ہو گیا - لیکن شاعری کا ذوق شوق بدستور رہا - آپ کے خاص احباب میں مرزا غالب، مولوی غلام امام شہید، خواجہ غلام غوث خاں بیخبر، میر وزیر علی صاحب صبا تھے - غالب مرحوم نے ان کے نام بہت سے خط لکھے ہیں - جو ان کی تالیف میں شایع ہو چکے ہیں - منشی محمد اسمعیل صاحب منیر، اور مرزا دبیر، میر انیس صاحب بھی خاص ملنے والوں میں تھے -

آگرہ میں جب ان کی شاعری کی شہرت ہوئی تو مہاراجہ بلوان سنگھ بہادر والئی کاشی مقیم آگرہ ان کے شاگرد ہوئے - اور پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ بھی قدردانی کے لحاظ سے مقرر کر دی - ان کا تخلص راجہ رکھا گیا - اس زمانے میں اُردو زبان کے قدردان ہر جگہ موجود تھے - اسی سے لوگوں کو تالیف اور تصنیف کا بہت شوق تھا - غدر میں جو کلام کھو گیا - اس کے علاوہ بھی مہر کی تصنیف و تالیف کا بہت ذخیرہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہے -

الماس درخشاں - دیوان کا نام ہے - اس کا تاریخی نام خیالات مہر ہے - جو مصنف کے انتقال کے بعد ان کے پوتے مرزا قاسم حسین صاحب قزلباش نے چھپوایا ہے - اس میں کچھ غزلیں فارسی کی بھی شامل ہیں - اور اکثر غزلیں سنگلاخ زمین میں لکھی ہیں - جو مصنف کی کہنہ مشقی اور استادی کا اظہار کر رہی ہیں -

بارۂ عروض - اُردو میں فن عروض کا ایک مختصر رسالہ ہے - جس میں انھیں بحروں کا بیان ہے - جس میں اُردو کے شاعر اکثر طبع آزمائی کیا کرتے ہیں - جو مصنف کے ایک شاگرد نے چھپوا کر شایع کیا -

ایاغ فرنگستان - تاریخ کی ایک کتاب ہے جو ۱۸۶۳ء میں چھپی تھی - اس میں مختصر حال شروع عملداری انگریزی سے گورنر اور لفٹنٹ گورنر کا اور بڑے بڑے واقعات کی تاریخیں لکھی ہیں -

داغ نگار - ایک مثنوی ہے - جس میں عاشق و معشوق کا ایک سچا واقعہ نظم کیا ہے - اور کمال یہ ہے کہ پوری مثنوی ایک روز میں نظم کر کے چھپوائی -

داغ دل مہر - ایک واسوخت ہے -

شبیہ عشرت - میں اپنے فرزند آغا سخاوت علی بیگ کی شادی کے سہرے اور

تاریخیں جو احباب نے لکھی ہیں جمع کر کے چھپوائی ہیں۔

ذابِ انتقام ۔ ایک مذہبی کتاب ہے جس میں مختار کا حال نظم کیا ہے۔

شعاعِ مہر ۔ مثنوی ہے جو ۱۲۷۵ھ میں مطبع حیدری آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔ یہ وہی مثنوی ہے جس کی تعریف غالب نے اپنے خطوط میں لکھی ہے۔ اس میں نگاریں بیگم زوجہ مسعود سوداگر پر سلطان محمود کا عاشق ہونا نظم کیا ہے۔

ان کے علاوہ رسالہ **زبر و بینات** ، **ہمدمِ آخرت** ، **بیانِ بخشائش** ، **عید قیصریہ** ، **پنجہ مہر** ، **توقیرِ شرف** وغیرہ مختلف مقاصد پر نظم کی گئی ہیں۔ اس سے مہر کی پُرگوئی کا پتہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اور مراثی وغیرہ غیر مطبوعہ آپ کے یادگار ہیں۔ ہر صنفِ سخن پر تھوڑا بہت کلام مرزا صاحب کا ملتا ہے۔ غزل ، مستزاد ، مسدس ، مثلث ، مسبع ، تضمین ، رباعی ، مخمس ، قطعہ مثنوی ، تاریخ وغیرہ دیوان میں بھی موجود ہیں۔

مادہ تاریخ ہمیشہ صاف اور پاکیزہ نکالتے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں ان کے فرزند مرزا سخاوت علی مسل خوان صدر کلکٹری ایٹہ کے سر رشتہ دار مقرر ہوئے۔ اس خوشی میں آپ نے تاریخ لکھی۔

مستقل شد بہ افسری مال ۔۔۔ نورِ چشم دلم چو گل بہ شگفت

مہر تاریخ سالِ استقلال ۔۔۔ نیک سر رشتہ دار ایٹہ گفت
۱۸۶۶ء

میر زاوزیر علی صبا نے انتقال کیا۔ آپ نے مادہ تاریخ نکالا۔

دورِ صبا گلشنِ جنت میں ہے ۔۔۔ ۱۲۷۱ھ

غالب مرحوم کے انتقال کی تاریخ لکھی۔

بجناں غالب نامی آمد۔ ۔۔۔ ۱۲۸۵ھ

مہر کی خوش نصیب ماں نے شوہر کے انتقال کے صدمے اٹھانے کے بعد فرزند کے عروج سے دل کو خورسند کیا۔ مہر نے تعلیم پائی ، شادی ہوئی ، بہو گھر میں آئی ، غدر ہوا۔ بیٹے نے سرکار کی خوشنودی کے لحاظ سے انگریزوں کی جان بچائی ، خلعت اور جاگیر سے سرفراز ہوا۔ وکالت سے منصف ہوا۔ پوتا جوان ہوا۔ کلکٹری ایٹہ کا سپرنٹنڈنٹ مال مقرر ہوا ، شادی ہوئی پوت بہو آئی ، اپنے باغ کی بہار اچھی طرح دیکھنے کے بعد ۱۲۸۶ھ میں اس جہانِ فانی سے انتقال کیا۔ مہر نے تاریخ لکھی۔

شود جنتی مادرِ پاکِ مہر ۔۔۔ ۱۲۸۶ھ

ڈاڑھی ہمیشہ منڈوایا کئے۔ کلّا صاف رہتا تھا۔ جب خدا نے ۱۲۸۷ھ میں پوتا دیا تو اس خوشی میں آپ نے ڈاڑھی رکھ لی۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ کہنے لگے یہ منت مانی تھی کہ پوتا ہوگا تو ڈاڑھی رکھینگے۔ کشیدہ قامت، رنگ گندم گوں، کترواں ڈارھی محذنب،

روزگار کے لحاظ سے ہمیشہ آگرہ میں رہتے تھے، بنچ مجسٹریٹ تھے۔ تین مہینے بنچ میں برابر نشست رہتی تھی۔ تین مہینے فرصت ہوتی رہتی۔ فرصت کے زمانے میں ایٹہ میں اپنے بیٹے آغا سخاوت علی تحصیلدار ایٹہ کے پاس چلے آتے تھے۔

ایک دفعہ ایٹہ میں تھے کہ ہچکی کا مرض شروع ہوگیا۔ آخر ۲۸ شعبان سنہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۔ اگست سنہ ۱۸۷۹ء، روز دوشنبہ غروب آفتاب کے بعد مہر آسمان سخن بھی گوشۂ قبر میں چھپ گیا دوست احباب کو اس سانحہ کا بہت صدمہ ہوا۔ اور اسد علی کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ چھیاسٹھ برس کی عمر پائی۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

مرزا صاحب کے کلام میں روزمرہ اور محاورے کے لطف کے ساتھ کلام میں پختگی اور ترکیب میں متانت اور مضامین بلند ہیں۔ بعض بعض مقام پر استعارات اور تشبیہیں فارسی کی بھی موجود ہیں۔ کلام کو رنگین اور بلند کرکے دکھانے میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ کہیں سادہ شعر میں ایسا مزا پیدا کر دیا ہے۔ جسے سُنکر آدمی پھڑک اُٹھے ؎

تجھ سے تو ہے اُمید ہمیں لطف و کرم کی
ہوگا کسی کافر ہی کو ڈر روز جزا کا

کتنا صاف شعر ہے۔ اور کافر کے لفظ نے کتنا مزہ دیا ؎

محراب کے عوض خم گیسو ہے یار کا
عالم ہے دام عابدِ شب زندہ دار کا

اس سادگی کے بعد اس بلند پروازی کو دیکھئے خم گیسو کو محراب بنانا۔ دل کو عابدِ شب زندہ دار سمجھنا۔ پھر گیسو کی رعایت سے شب کا استعمال کتنا دشوار گذار راستہ تھا۔

ظلم سے بھی ظالموں کو آسرا ہو جائیگا
پیر گردوں کو مرا نالہ عصا ہو جائیگا

محال امر کو ممکنات کر دکھایا۔

آبرو اشکِ ندامت سے مجھے ہوگی نصیب
پنجۂ مژگانِ تر دستِ دعا ہو جائے گا

شعر کی بلندی قابل دید ہے۔

مرے دست جنوں کا مشغلہ اچھا نکل آیا
گریباں پھٹ گیا تو دامن صحرا نکل آیا

کیا طوفاں سا طوفاں ہمارے دیدۂ تر نے
جو اک آنسو نکل آیا تو اک دریا نکل آیا

غبار خاطر یارانِ رفتگاں نہ رہا — میں خاک ہو کے بھی دنبال کارواں نہ رہا

وہ بے حجاب ہوئے عالم شباب آیا — بہار آئی تو گلشن میں باغباں نہ رہا

شکل آئینہ دل صاف جو پیدا کرتا — وہ مجھے دیکھتا اور میں اُسے دیکھا کرتا

اشعار بالا میں حسن بندش شکوہ الفاظ حسن تخیل روزمرہ سب موجود ہے - ذیل میں آپ کے کلام کا مختصر انتخاب درج کیا جاتا ہے -

میں تو اس چال پہ مرتا ہوں کہ چلتے چلتے — ٹھوکریں ماریں سرِ گورِ غریباں کیا کیا

تجھی سے جسنے پایا مطلب دل ایخدا پایا — بتوں کو برہمن نے عمر بھر پوجا تو کیا پایا

یہ شان بے نیازی ہے کہ وارفتہ کیا مجھکو — طبیعت بے غرض پائی دل بے مدعا پایا

چراغ دیر میں شمع حرم میں ترا جلوہ ہے — تجھی کو ہر جگہ دیکھا تجھی کو جابجا پایا

میرے اور یار کے ہے بیچ میں دریا حائل — جوش اتنا نہ ترا دیدۂ گریاں ہوتا

قفل گنجی کی اگر گوندھتے چوٹی صاحب — گوچۂ زلف مجھے گوشۂ زنداں ہوتا

عاقلوں کا ہے تکدر بھی فروغ سادہ لوح — خاک سے آئینہ چمکا خاک اسکندر ہوا

آسماں پر آپ کے جھمکے کا یہ پڑتا ہی عکس — بندہ پرور عقدۂ عقد ثریا کھل گیا

روزی ہوا ہے دانہ زنجیر و آب تیغ — قسمت کا عاشقوں کی یہی آب و دانہ تھا

ذرا انھیں مرے رونے پر التفات نہیں — بتو خدا سے ڈرو یہ ہنسی کی بات نہیں

خدا کریم ہے اس سے تو ہے اُمید نجات — زبان واعظ مغرور سے نجات نہیں

پیار سے میں نے جو دیکھا تو وہ فرماتے ہیں — دیکھتے دیکھتے ہوتی ہیں گنہگار آنکھیں

رنگ صحبت بدلتے جاتے ہیں — ساتھ کے یار چلتے جاتے ہیں

صبر ہم بقیرار کرتے ہیں — جبر یہ اختیار کرتے ہیں

چڑھا کشتی پہ جب وہ غیرت مہتاب دریا میں — تو ہالے بنگئے اے مہر سب گرداب دریا میں

ہوا جاتا ہوں پانی پانی احسان احبا سے — عبث مجکو ڈبوتے ہیں مرے احباب دریا میں

رات دن سینہ زنی خاک بسر کرتے ہیں — عیش و آرام سے ہم خاک بسر کرتے ہیں

روزہ کیا رکھیں وہ میخوار جو میخانے میں — پانی پی پی کے شب و روز گزر کرتے ہیں

صورت گرد رہ قافلہ میں بیکس ہوں — ہمسفر بھی مرے سب مجھ سے حذر کرتے ہیں

پوچھتا کون ہے اب علم و ہنر کو اے مہر — سخت ناداں ہیں جو کسب ہنر کرتے ہیں

دل مجھ کو دے کے حکم دیا بے نیاز نے
اس دل میں وہ وہ درد جو دربان پسند ہو

غافل نہ ہو سرا یہ محلِ خطر بھی ہے
شب کاٹتی ہی صبح یہ عزمِ سفر بھی ہے

میں وہ بسمل ہوں جس نے قاتل کو
معرکے میں گلے لگایا ہے

شانہ نکرو گیسوؤں کا تار نہ ٹوٹے
دیوانوں کی زنجیر ہے ہشیار نہ ٹوٹے

قربان میں کس ناز سے کہتے ہیں وہ مجھ سے
سر پھوڑیئے لیکن مری دیوار نہ ٹوٹے

کوئی دل سوز سوا اس کے نہ دیکھا اپنا
شمع رونے کو مری قبر پہ آجاتی ہے

کوچ وقت سحر ہمارا ہے
کوس رحلت گجر ہمارا ہے

سخی بھی خدا کے ہی فضل و کرم سے
بتو مضطر کا نام حاتم علی ہے

عبث کرتے ہیں کیوں ہر کام میں تدبیر پہلے سے
وہ ہوگا لکھ چکا جو کاتب تقدیر پہلے سے

کدھر کا چاند ہوا مضطر کے جو گھر آئے
تم آج بھول پڑے کس طرف کدھر آئے

دل سوز ہے کوئی نہ کوئی غمگسار ہے
مرنے کو ہم ہیں رونے کو شمع مزار ہے

سند ہمیں وہی ہوگی تری کریمی کی
جو فرد ہاتھ میں اپنے گناہ کی ہوگی

معین اپنے بندوں کا ہر آن تو ہے
خداوند عالم نگہبان تو ہے

شمع کی تقریر پروانوں سے یہ محفل میں ہے
وہ زبان پر ہے ہمارے جو تمھاری دل میں ہے

زلف اندھیر کرنے والی ہے
تم نے ناگن بلا کی پالی ہے

اس کے مذہب کا اعتبار ہے کیا
مضطر اک رند لاابالی ہے

کس منھ سے خداوند ترا شکر ادا ہو
جب دانت نہ ہوں بندو نگے تب دودھ عطا ہو

رومال کے لباس میں ابر آکے بار ہا
پانی پیا کیا مری چشم پُر آب سے

مُضطر مَرحُوم

افتخار الشعرا سید افتخار حسین مضطر مرحوم خیرآبادی مولوی عبدالحق خیرآبادی کے آپ نواسے تھے منشی امیر احمد کے شاگرد تھے۔ ریاست گوالیار میں مدت العمر رہے اور وہیں انتقال کیا۔ اردو، ہندی اور فارسی میں نظم پر قادر تھے طبیعت جدت پسند تھی ۸۰ برس کی عمر میں سنہ ۱۹۱[illegible]ء میں انتقال کیا

صحن گلزار میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
کہہ دو توبہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے

دونوں اعجاز برابر کے ملے ہیں اُن کو
آنکھ میں موت ہی ہونٹوں میں مسیحائی ہے

شیخ امام بخش ناسخ

شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے سنہ ولادت کا پتہ کسی تاریخ سے نہیں ملتا اور نہ ان کے باپ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ شیخ خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں متبنّے کیا تھا۔ ناصر خاں ناصر دہلوی مولداً، فیض آباد کے رہنے والے لکھنؤ میں تشریف لائے۔ محلہ "خیالی گنج[1]" میں سکونت اختیار کی۔ ایک تذکرہ لکھا جسمیں تمام شعرا کی قومیت پیشہ۔ سکونت اور شاگردی کا حال لکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ امام بخش فیض آباد میں پیدا ہوئے اور کریم بخش بساطی نے فیض آباد میں ان کو پرورش کیا۔ شیخ صاحب سیاہ فام۔ فربہ بدن آدمی تھے۔ سر منڈا ہوا۔ ڈاڑھی خشخشی تھی۔ اور بانکوں میں مشہور تھے۔ عہد آصف الدولہ میں مرزا محمد تقی ترقی رئیس فیض آباد کے ہمراہ لکھنؤ آئے۔ شب کو مرزا صاحب کے مکان کے پنبئی پردے اوڑھ لیتے تھے۔ دن کو باریک کپڑے پہنے ہوئے اکڑتے پھرتے تھے۔

منشی امیر اللہ تسلیم کہتے تھے۔ لکھنؤ میں ایک رئیس تھے۔ میر کاظم علی۔ انھوں نے ناسخ کو اپنا فرزند بنا لیا تھا۔

اور بعد ان کے مرنے کے انھیں کی دولت ناسخ کو ملی۔

"گئو گھاٹ" میں ایک قبر ہے۔ جس پر مصرع لکھا ہے۔

گور پدر جلیل ناسخ

لیکن دیوان ناسخ میں جو تاریخ لکھی ہے۔ اس کا مصرع یہ ہے۔

بارسول ہاشمی محشور باد

سنہ ۱۱۸۸ھ میں آصف الدولہ بہادر نے لکھنؤ کو بیت السلطنۃ بنایا۔ اس کے دو چار برس بعد ناسخ لکھنؤ آئے۔ کچھ دنوں عسرت میں بسر ہوئی۔ آخر شاعری کے شوق نے انکو رؤسا امرا سے ملنے کا موقع دیا۔ ناسخ کے سامنے اچھے اچھے شاعر دہلوی دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ میر تقی میر کے انتقال فرمانے کے بعد دہلی کا وقار شاعری کم ہو گیا۔ اسی زمانے میں جرأت نے انتقال فرمایا۔ مرزا رفیع سودا راہی ملک بقا ہوئے۔ اور مصحفی نے سفر آخرت قبول کیا۔

---

[1] یہ محلہ روشن الدولہ کی کوٹھی کے جنوب میں واقع ہے۔ مولف

اب شیخ ناسخ کے لئے ترقی کا میدان خالی تھا۔ ناسخ سب سے پہلے میر تقی میر کی خدمت میں اصلاح کے لئے غزل لے گئے۔ انھوں نے بے توجہی کی اصلاح دینے سے انکار کر دیا۔ تو ناسخ نے مصحفی سے اصلاح لی۔ اور علیسی خاں تنہا سے بھی۔

میر کاظم علی کا انتقال ہو گیا تو ایک کثیر رقم بذریعہ وصیت نامہ ملی۔ اب ناسخ آسودہ حال ہو گئے۔ ٹکسال[1] والے مکان میں سکونت اختیار کی۔

شاگردوں سے ملنے کا وقت مقرر کیا شعر کہنے کے اوقات مقرر کئے۔ صحن میں متعدد چوکیاں بچھی تھیں۔ اس کے پاس نا ندے پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ جب زیادہ گرمی معلوم ہوتی نہانے بیٹھ جاتے۔

زندگی بھر شادی نہ کی۔ مکان کے سامنے مولوی وارث علی صاحب کا کمرہ تھا۔ وہ طلبا کو مفت درس دیتے تھے۔ اور "میزان" سے "شمس بازغہ" تک کے شاگردان کے پاس آتے تھے۔ ناسخ عربی سے بے بہرہ تھے۔ جو کتابیں مولوی صاحب طلبا کو پڑھاتے یہ اپنے کمرے میں وہی کتاب لیکر بیٹھ جاتے۔ اور جو سبق ملتا اسے یاد کر لیتے۔ حافظہ اچھا تھا۔ کچھ دنوں میں عربی صرف نحو حاصل کر لی۔ اسی طرح میزان سے شرح جامی تک پڑھ گئے۔

مصحفی نے ایک مرتبہ ان کی غزل اپنے شاگرد بیتاب کو اصلاح کے لئے دیدی اُسی روز سے خفا ہو گئے۔ اور اصلاح لینا ترک کر دی۔

جب میر و مرزا نہ رہے تو ناسخ کا عروج ہونے لگا۔ اور لکھنؤ کی زبان ان کی تحقیق کے معیار پر دلی کی قید سے آزاد ہوئی۔ لکھنؤ کے شعرا خود مستند بن گئے۔ ناسخ کی صحبت میں بڑھے فلک زدہ شاعر موجود رہتے تھے۔ اور بقدر امکان ان کی خاطر تواضع کی جاتی تھی۔ اور ان سے شاعری و زبان کے متعلق اپنے شکوک رفع کر لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ تحقیق الفاظ میں ناسخ کی شہرت ہو گئی۔ آتش کا رنگ تغزل بلند تھا۔ وہ غزل کو عاشقانہ رنگ میں رنگ لیتے تھے۔ اس سبب سے ان کا کلام مطبوع عام تھا۔ ناسخ کو شاعری میں یہ بات تو حاصل نہ تھی۔ مگر ان کی تحقیق حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

اصلاح دینے کا اچھا مادہ پیدا کیا تھا۔ اس لئے ان کی طرف امرا و رؤسا کا رجوع زیادہ تھا۔ ناسخ کے یہاں دنیا دی ساز و سامان درست تھا۔ دوسرے رؤسا کے مکان پر جانے

[1] لکھنؤ۔ چوک کے وسط میں ایک محلہ ہے۔ مولف۔

میں عذر نہ تھا۔

اس لئے ناسخ کے بہت سے رؤسا اور شرفائے لکھنؤ شاگرد ہوئے۔ یہاں تک کہ نواب معتمد الدولہ بہادر آغا میر بھی ناسخ کے شاگرد ہوئے۔ اور ایک لاکھ روپیہ نذرانہ کے نام سے پیش کیا۔ آپ نے وہ سب روپیہ اپنے منظور نظر مرزا ائی صاحب کو دیدیا۔

یہ بات سچ ہے کہ خدا جب دولت دیتا ہے۔ تو غرور آجاتا ہے۔ ناسخ نے دنیاوی دولت بھی حاصل کی اور علمی دولت بھی پائی۔ یعنی محقق اردو مشہور ہوئے۔ دلی کے مقابلے میں غیر فصیح الفاظ کو ترک کیا۔ اور تمام شعرا نے مان لیا۔ وزیر شہر شاگرد ہوئے۔ اُمرا نے قدر دانی کی۔ اسپر بھی فربہ اور سیاہ فام ہونے کی وجہ سے آتشیوں نے دُم کٹے بھینسے کی پھبتی کہی سید محمد عسکری عرف میر کلو عرشؔ خلف میر تقی میرؔ ناسخ کے یہاں آتے تھے۔ اور ناسخ ان سے افادہ حاصل کرتے تھے۔ ناسخ کے بعض شاگردوں نے مشہور کیا کہ یہ ناسخ سے اصلاح لیتے ہیں۔ عرشؔ میر کی طرح نازک مزاج تھے۔ ناسخ سے خفا ہوگئے۔ اور اپنے ایک شاگرد میر تراب علی کا تخلص آسخ رکھا۔ انھوں نے ناسخ کے رنگ میں غزل کہی۔ اور ناسخ پر اعتراض کیئے۔ آخر لوگوں نے صفائی کرادی۔

ناسخ کی صحبت میں رؤسا کے علاوہ تمام شہر کے معزز شعرا جمع ہوتے اور ناسخ ان کی خاطر مدارات کرتے رہتے۔ اور شاعری کے متعلق اپنے شکوک رفع کیا کرتے۔ اکثر گنّے چھلا کرتے اور افیون گھُلا کرتی۔ کہنہ مشق شعرا کی صحبت میں ان کو شاعری کے متعلق بہت درک حاصل ہوگیا۔ موجودہ زبان کے ثقیل الفاظ نکال ڈالے۔

سہ پہر کو "ٹکسال" کے پھاٹک کے پاس ایک دکان میں بیٹھتے تھے۔ دو چار بچے پیسے کے لالچ میں ان کے پاس آتے۔ ان کو چھیڑ دیتے۔ پیسہ دیتے اور خوش طبعی کیا کرتے۔ قریب شام نواب محسن الدولہ بہادر کی عمارت کی طرف سے شاہ مینا اور حاجی حرمین ہوتے ہوئے سنجین دروازے تفریح کو جاتے تھے۔

اَودھ کے بادشاہ محمد علی شاہ کو پرچہ گذرا کہ ایک شاعر نواب محسن الدولہ پر عاشق ہے اور سہ پہر کو انھیں دیکھنے آتا ہے۔ یہ خبر پہلے نواب محسن الدولہ بہادر کو معلوم ہوئی۔ دوسرے روز انھوں نے ناسخ سے تمام ماجرا بیان کیا۔ ناسخ نے اسی روز سے گھر سے باہر نکلنا ترک کردیا۔

سلہ ایک پھاٹک نواب آصف الدولہ بہادر کے امام باڑے کے قریب تھا اب کھد کر کنگ جارج میڈیکل کالج میں شامل ہوگیا

نواب محسن الدولہ بہادر کو معلوم ہوا تو کہنے لگے ۔ ایسا نہ ہو ناسخ گھر میں بیٹھے بیٹھے فاقے کر کے جان دیدے اور مواخذہ مجھ پر ہو ۔ پانچہزار روپیہ ان کے گھر بھجوا دیا ۔ قدردانی کا زمانہ تھا شاگرد اسقدر اُستاد کی خدمت کرتے تھے کہ ناسخ گھر بیٹھے سلطنت کر رہے تھے کسی رئیس کی ملازمت کی پروانہ تھی ۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں نواب آصف جاہ والی دکن نے انتقال کیا ۔ ناسخ نے تاریخ وفات کہی ۔

دکن تاریک شد اے وائے افسوس ۱۲۴۰ھ

ان کی شہرت "حیدر آباد (دکن) میں اچھی طرح ہو چکی تھی ۔ لیکن اس زمانے میں حُسنِ اتفاق سے "الہ آباد" میں تشریف رکھتے تھے کہ مہاراجہ چندو لال مدار المہام دکن نے بارہ ہزار روپیہ بھیجکر ناسخ کو طلب فرمایا ۔ انھوں نے استغنا سے جواب لکھدیا کہ میں یہاں ایک سید کے دامن سے وابستہ ہوں ۔ اب یہاں سے لکھنؤ واپس جاؤں گا ۔ انتہائے قدردانی دیکھئے کہ مہراج نے دوبارہ پندرہ ہزار روپیہ بھیجا اور بہ اصرار کہا کہ اگر آپ یہاں تشریف لائیں گے تو ملک الشعرا کا خطاب آپ کو ملیگا ۔ حاضری دربار کی قید نہ ہوگی ۔ ملاقات آپ کی خوشی پر رہے گی ۔ مگر انکی وارفتہ مزاجی نے اس کو بھی قبول نہ کیا ۔

لکھنؤ سے نکلنے کا یہ سبب واقع ہوا کہ نواب مرزا حاجی اور ناسخ سے بہت دوستی تھی ۔ رفتہ رفتہ وہ شیخ صاحب کے رفیقوں میں ملازم ہوئے ۔ کل آمدنی شیخ صاحب کی ان کے پاس جمع رہتی تھی ۔ شیخ صاحب سے اور ان سے کسی حساب فہمی پر ان بن ہو گئی ۔ مرزا حاجی اک رسا آدمی تھے ۔ امرا ۔ رؤسا ۔ شہزادگان والاشان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔

ایک دن نواب غازی الدین حیدر بہادر نے اپنے دربار میں فرمایا کہ اگر ناسخ ہمارے دربار میں قصیدہ تہنیت پیش کریں ۔ تو ان کو خطاب "ملک الشعرا" عطا ہوگا ۔ نواب مرزا حاجی نے یہ خبر ناسخ کو دی ۔ ناسخ نے فرمایا کہ اگر شاہان دہلی کیطرف سے یہ خطاب عطا ہوتا تو میرے لئے باعث فخر تھا ۔

نواب مرزا حاجی نے یہ کلمہ بادشاہ کے گوش گزار کر دیا ۔

اسی روز نواب معتمد الدولہ بہادر نے فرمایا کہ بہتر ہے آپ صوبہ اودھ سے چند روز کیواسطے باہر چلے جائیں ۔ بادشاہ کا مزاج تند ہے ۔ خدانخواستہ کوئی امر آپ کے خلاف شان ظہور میں آیا تو ہم لوگوں کی بے عزتی ہوگی ۔ ناسخ رات ہی کو الہ آباد روانہ ہو گئے ۔ اور نواب مرزا حاجی

نے ان کی تمام رقم آپ صرف کی۔

دو دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔ تیسرا دیوان میری نظر سے گذرا ہے مگر افسوس ہے کہ اس وقت موجود نہیں ہے۔

مثنوی "نظم سراج" بھی ناسخ نے لکھی تھی۔ مگر وہ بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایک مختصر مولود شریف نظم مطبوعہ موجود ہے۔ قصیدہ ناسخ نے کبھی کسی رئیس کی شان میں نہیں کہا ہجو سے ہمیشہ گریز کیا۔

دہلی کے شعرا اکثر باوجود کثیر آمدنی کے مذموم حالت میں بسر کرتے تھے۔ جیسے مصحفی کی غزل فروشی مشہور عام ہے میر مستحسن خلیق بھی غزلیں بیچا کرتے تھے۔ اور تمام شعرا نے روسا اور امرا کی خوشامدوں میں ہزاروں قصیدے کہے اور ان سے فیض حاصل کیا مگر لکھنؤ کے دونوں شاعر ناسخ اور آتش کا دامن اس کثافت سے پاک رہا۔ دونوں نے اپنی آن بان رکھی ناسخ نے عیش کیا دولتمندی میں بسر کی۔ آتش نے فاقے کئے اور کسی والئ ملک کی بھی خوشامد نہ کی۔ اور کبھی رئیس کی ملازمت کو قبول نہ کیا۔ اس پر بھی انکی ہمتوں نے ان کو شاہانہ ساز و سامان سے رکھا جس طرف جاتے تھے لوگ آنکھیں بچھاتے تھے۔ لیکن افسوس ہے ان کے بعد اس آن بان کو لکھنؤ کے اور شاعر نباہ نہ سکے۔ اور گردش زمانہ نے ان کو قصاید خوانی پر مجبور کر دیا۔

ناسخ کے شاگردوں میں میر علی اوسط رشک۔ اور خواجہ وزیر اور کپتان مقبول الدولہ قبول اور فتح الدولہ برق اور شیخ امداد علی بحر بہت مشہور ہوئے اور انکے دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔

ناسخ کا مذہب شیعہ تھا۔ ان کی پیدائش فیض آباد میں ہوئی تھی۔ ۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ تشریف لائے اور ۱۲۳۴ھ میں اول مرتبہ الہ آباد گئے تھے۔ اکثر فساد خون کی بیماری میں مبتلا رہتے تھے۔ آخر اسی مرض کہنہ کے اشتداد سے ۱۲۵۴ھ میں انتقال فرمایا اور اپنے مکان واقع محلہ ٹکسال میں دفن ہوئے قبر ان کی موافق اصول مذہب شیعہ زمین دوز بنائی گئی۔ تربت کا نشان پختہ ابتک موجود ہے۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ ان کے ورثا نے اس مکان کو فروخت کر ڈالا۔ افسوس

انتخاب کلام

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیر کا ‎ ‎ روح القدس ہے نام مرے ہمصفیر کا

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوعِ صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں
دل پُر داغ کو کیونکر ہے عشق اُس زلف پیچاں کا

شگفتہ مثل گل ہر فصل گل میں داغ ہوتے ہیں
بنا ہے کیا ہمارا کالبد خاکِ گلستاں کا

دیا میرے جنازے کو جو کاندھا اُس پری رو نے
گماں ہے تختۂ تابوت پر تختِ سلیماں کا

جس جگہ ہے حسن فوراً قدرداں پیدا ہوا
چاہ میں یوسف گرا تو کارواں پیدا ہوا

سخت دل جو ہیں انہیں محروم رکھتا ہے فلک
بیضۂ فولاد سے بچہ کہاں پیدا ہوا

اس ادا سے دھوئے ہیں دستِ حنائی آپنے
ہر حباب آب جو اک دیدۂ پُرخوں ہوا

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب
ہاں تتبع کرتے ہیں ناسخ ہم اس مغفور کا

لبریز اس کے ہاتھ میں ساغر شراب کا
بنتا ہے عکسِ رُخ سے کٹورا گلاب کا

رکھتا ہے چرخ اوج کسی کا کب ایک دن
ہوتا ہے دوپہر میں زوال آفتاب کا

جو ہے حسین اُسکو ہے نفرت جہان سے
ہوتا نہیں ادھر کبھی منہ آفتاب کا

پریوں کو عمل سے میں تسخیر نہیں کرتا
جز نقش درم کچھ بھی تاثیر نہیں کرتا

کیونکر مرے رونیسے دل نرم ہو اُس بُت کا
پتھر میں کبھی پانی تاثیر نہیں کرتا

کیوں فکرِ عمارت ہے دنیا میں تجھے ناسخ
ویرانے میں گھر کوئی تعمیر نہیں کرتا

دل میں ساکن ہے خیال اک بت بے پروا کا
آشیانہ مرے ویرانے میں ہے عنقا کا

جواب اُس نے نہ بھیجا اور ہم نے خط لکھے اتنے
کہ مہریں کرتے کرتے مٹ گیا نقش اپنے خاتم کا

سخاوت جس کو کہتے ہیں کہاں ہے اس زمانے میں
بخیلوں کی بدولت رہ گیا ہے نام حاتم کا

مسی آلودہ لب کو تو نے جس کپڑے سے پونچھا
وہ میرے زخم دل کیواسطے پھاہا ہے مرہم کا

گذر ناگاہ جو میرا ہوا شہر خموشاں میں
عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہان عالم کا

کہیں آئینہ زانو سکندر کا شکستہ تھا
کسی جانب پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

سیکڑوں آہیں کروں پر ذکر کیا آواز کا
تیر جو آواز دے ہے نقص تیر انداز کا

نازنینوں سے کروں کیا ربط میں نازک مزاج
بوجھ اُٹھ سکتا نہیں مجھ سے کسی کے ناز کا

دے ڈوپٹہ تو اپنا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

سر پر پہاڑ اُن کے نہ لے آسماں گرا
جو برگ گل کو سمجھیں کہ سنگ گراں گرا۔

تونے شہباز نگہ کو جو ادھر چھوڑ دیا
ہمنے بھی طائرِ دل باندھ کے پر چھوڑ دیا

پہنچے ہم آتش پہ بانو تنکو ضررِ دشمن سے گیا ——— شمع کو کرتا ہے روشن ترستم گلگیر کا

ساتھ اپنے جو مجھے یار نے سونے نہ دیا ——— رات بھر مجھکو دلِ زار نے سونے نہ دیا

یہ نور ہی روئے مہ جبیں کا کہ ہو خجل چاند چودھویں کا ——— جو حلقہ ہی زلف عنبریں کا وہ ایک نافہ ہی مشک چیں کا

یہ جوشش پریاں ہی اشک کا یم کہ ساتوں دریا ہیں قطرہ ایکم ——— جسے کہ کہتے ہیں سب جہنم شرر ہی اک آہِ آتشیں کا

یہ ساعد نکا ہی اُسکے عالم کہ جسنے دیکھا ہوا وہ بیدم ——— نیامِ تیغِ قضائے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

طمع ہے انصافِ دوستاں سے کہ اتنا فرمائیں سب زباں سے

کیا ہے ناسخ نے آسماں سے بلند تر رُتبہ اس زمیں کا

نہیں ہے سبزہ خط عارضِ محبوب پُرفن پر ——— موئے ہیں جمع پروانے یہ آکر شمع روشن پر

ہے ولا کس کو دوام اس گردشِ افلاک میں ——— خاک کے پتلے ہزاروں مِلگئے ہیں خاک میں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں ——— جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

دو روز ایک وضع پہ رنگ جہاں نہیں ——— وہ کونسا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں

ہے ریاضِ فکرِ ناسخ کی جو شادابی یہی ——— لکھنؤ میں آئے گی روحِ غنی کشمیر سے

اجل سر پر کھڑی ہے خوابِ غفلت میں زمانا ہے ——— چھپر کھٹ کے عوض لازم جنازے کا بنانا ہے

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے ——— وگرنہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے

کونسا خورشید آج اپنا چراغ خانہ ہے ——— بزم میں باہم ہجوم ذرہ و پروانہ ہے

فکر سے میں نہیں خالی غمِ جاناں میں کبھی ——— کبھی زانوں پہ مرا سر ہے گریباں میں کبھی

یہ جسمِ زار بے حرکت پیرہن میں ہے ——— سب مجکو جانتے ہیں کہ مردہ کفن میں ہے

ہیں بے نصیب صحبت جاناں سے ایک ہم ——— پروانہ بزم میں ہے تو بلبل چمن میں ہے

ہمصفیر اس باغ کی کیسی ہوا ناساز ہے ——— طائرِ رنگ چمن تک مائل پرواز ہے

مشتاق سب ہیں بدر سے افزوں ہلال کے ——— دنیا میں قدرداں نہیں صاحب کمال کے

مرنا قبول ہے مجھے دنیا نہیں قبول ——— غم سے اُٹھیں گے مجھ سے نہ اس پیرزال کے

چشمِ جاناں اور ہے چشمِ غزالاں اور ہے ——— وضع انساں اور ہے ترکیب حیواں اور ہے

زنداں میں بھی کوچہ ترا اے یار آتا ہے نظر ——— بلبل قفس میں ہے مگر گلزار آتا ہے نظر

غش مجھے آیا جو میں پہنچا درِ دلدار پر ——— پاؤں کے بدلے رکھا سر سایۂ دیوار پر

رہنے دے بس یونہی اے جراح تو ٹانکے نہ دے ——— ہنستے ہیں چاک گریباں زخم دامن دار پر

بیٹھنے کا قصد کرتا ہوں جو کوئے یار میں
سایہ چڑھ جاتا ہے مارے بخل کے دیوار پر

زلف کے صدمے زیادہ رُخ سے ہیں بیمار پر
دن سے افزوں رات بھاری ہوتی ہے بیمار پر

ہے یہ میرے ضعف کا روزِ جدائی میں اثر
شام ہے اور دھوپ چڑھ سکتی نہیں دیوار پر

طاق کعبہ پر لگایا ہے کسی نے آئینہ
یا جبینِ صاف ہے یاں ابروِ خمدار پر

قامتِ یار کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
سرو کو صدقے میں آزاد کیا کرتے ہیں

رشک سے نام نہیں لیتے کہ سُن لے نہ کوئی
دل ہی دل میں اُسے ہم یاد کیا کرتے ہیں

تیرا دیوان ہے کیا سامنے ان کے ناسخ
جو کہ قرآن پہ ایراد کیا کرتے ہیں

ہے عجب رنگ کی وحشت ترے دیوانے میں
جی نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں

خامشی مجھ کو ہوئی قفلِ دہن ان روزوں
چھُٹ گیا مشغلہ شعر و سخن ان روزوں

ہم زبانِ شمع سے سنتے ہیں ہجرِ یار میں
چاہیے گھُل گھُل کے مرنا عشق کے آزار میں

سوائے مکر زمانے میں رسم و راہ نہیں
وہ کون جا ہے جہاں چاہ زیرِ کاہ نہیں

ہمیشہ کام میں غیروں کے ہیں سعادتمند
ہما کو اپنے لئے فکرِ عز و جاہ نہیں

صبح فرقت تیرگی میں شام سے کچھ کم نہیں
چاند نکلا ہے افق سے نیر اعظم نہیں

قدح لئے ہوئے گل مثلِ بادہ خوار آیا
خزاں چمن سے گئی موسم بہار آیا

تیرے جاتے ہی ہوا رنگِ چمن ہو جائیگا
برگ گل جو ہے وہ برگ یاسمن ہو جائیگا

فرقتِ ساقی میں مجھکو عیش بھی غم ہو گیا
جام جب دیکھا برنگ شیشہ قد خم ہو گیا

تونے ظالم دلِ روشن جو ہمارا توڑا
غلُ فرشتوں نے کیا عرش کا تارا توڑا

غم فرقت سے جان تن میں نہیں
جان کیا تن بھی پیرہن میں نہیں

لے کے بوسے ہوا ہیں کیوں بیہوش
مے تو اس کے چہِ ذقن میں نہیں

کیوں کر ترے آگے نہ جھکے حور کی گردن
بجلی کی کمر، شعلے کا منھ، نور کی گردن

قرباں تری آنکھ پہ ہے دیدۂ ساغر
گردن پہ فدا شیشۂ بلور کی گردن

یاد ہیں سب گلعذار لکھنؤ
پھول سے بہتر ہیں خار لکھنؤ

گل سے رنگیں تر ہیں خار لکھنؤ
نشے سے بہتر خمار لکھنؤ

سارے نقشے سامنے آنکھوں کے ہیں
نقش ہیں نقش و نگار لکھنؤ

ہم صفیر اپنا وطن ہے لکھنؤ
ہم تو بلبل ہیں چمن ہے لکھنؤ

آسماں کی کب ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ — لکھنؤ مجھ پر فدا ہے میں فدائے لکھنؤ
نظر آتا ہے ہلال رمضاں جام بھی لا — ساقیا مجھ کو سپر چاہیئے تلوار کے ساتھ
آگئی موت شب ہجر میں ہیہات مجھے — اب کہاں یار سے اُمید ملاقات مجھے
کبھی نالہ کبھی گریہ کبھی وحشت کبھی غش — کیا ہی او عشق کیا تو نے خوش اوقات مجھے
دل بر میں جسم میں نہ جی ہے — کچھ میری خبر تمھیں اجی ہے
اُس ماہ کی فرقت میں جو تارے نکل آئے — تاروں سے سوا اشک ہمارے نکل آئے
ہیں حسیں اور بھی پر تجھ میں ہی ہر بات نئی — دھج نئی وضع نئی گات نئی بات نئی
باغ میں آج جو اُس گل کی سواری آئی — شور بلبل نے کیا باد بہاری آئی
ناسخ شراب پی شب تاریک ہے تو کیا — محتاج آفتاب نہیں ماہتاب کا
شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی اُستادی میں — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ناظم مرحوم

نواب محمد یوسف علی خاں والی رامپور، ناظم تخلص غالب کے شاگرد رشید تھے۔ بڑے قدر دان سخن تھے، رام پور میں اہل کمال کا مجمع ان کے دربار میں رہتا تھا۔ مرزا غالب کئی کئی مہینے ان کے مہمان رہتے تھے۔ اسی سرکار سے ان کی معقول تنخواہ مقرر تھی۔ منیر نے ایک مقطع میں خداوند دولت کی ناقدر دانی کی شکایت کی۔ ناظم نے اُس کے جواب میں ایک مقطع کہا جس میں منیر کو اپنے دربار میں طلب فرمایا ؎

ناظم منیر آئے یہاں ہم ہیں قدر دان — شرمندہ کیوں ہے اپنی کمالوں کے سامنے

لیکن خوبی قسمت دیکھئے کہ منیر اُسوقت دریائے شور کی ہوا کھا رہے تھے، جب قید فرنگ سے نجات ملی تو ناظم کا انتقال ہو چکا تھا۔ تاہم یہ فوراً نواب کلب علی خاں کے دربار میں پہنچے اور مر کر بھی وہاں سے نہ نکلے، رام پور ہی میں دفن ہوئے۔

نواب ناظم نے ۱۲۸۲ھ میں انتقال فرمایا، فردوس مکان لقب ہوا۔

شمع پر دیکھ کے گرتے ہوئے پروانے کو — پوچھتے ہیں کہ یہ ہوتا ہے تماشا کیسا
میں نے کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط — کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط
تاثیر آہ و زاری شبہائے تار جھوٹ — آوازہ قبول دعائے سحر غلط

میر نفیس لکھنوی

میر خورشید علی نفیس کو ہم نے اسوقت دیکھا جب اُن کا سن اسّی برس سے تجاوز کر چکا تھا۔ نہایت نیک مزاج، مہذب و متین تھے۔ سیتلا منھ داغ۔ گندمی رنگ۔ کتابی چہرہ کرنجی آنکھیں، گول بدن اور دراز قد تھے۔ اس ضعیفی میں بھی کسرت کرنیکا شوق تھا، بازو و زیر جوشن کے پٹھے بندھے ہوئے۔ کمر کسی قدر خم ہو چلی تھی۔ ہاتھ میں چاندی کی شام کی جریب انگلیوں میں فیروزے کی انگوٹھیاں، لباس میں دہلی کا تتبع کرتے۔ ڈھیلی مہری کا پجامہ، گھٹنے تک کا مہین شربتی کا کرتا، پیچی کمر توئی کا جامدانی کا انگرکھا، چوگوشیہ ٹوپی، داڑھی منڈی ہوئی[1] مونچھیں بڑی بڑی۔

"چوبداری محلہ"[2] میں رہتے تھے۔ چہرے سے رعب و متانت کے آثار ظاہر ہوتے تھے "سبزی منڈی" سے ہو کر "چوک" میں اشیائے ضروری خریدنے کو تشریف لاتے تو ایک ملازم ضرور ساتھ ہوتا، سودا اپنی پسند اور پرکھ سے خرید کر ملازم کو دیدیتے۔

ان کے والد میر ببر علی انیس تین بھائی تھے۔

میر ببر علی انیس۔ میر نواب مونس۔ میر مہر علی اُنس جنھیں سے میر اُنس کے فرزند میر وحید۔ میر مونس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اور میر انیس کے اولاد ذکور میں تین بیٹے۔ میر خورشید علی نفیس۔ میر محمد سلیس۔ میر عسکری رئیس۔ سن کے علاوہ فن کے اعتبار سے بھی میر نفیس اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھے۔ استعداد علمی بہت اچھی تھی۔ فارسی میں مفتی میر محمد عباس سے مشورۂ سخن ہوتا۔ اور اُردو میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔

مرثیہ گوئی کی شہرت میں میر انیس کے بعد انھیں کا رتبہ ہے۔ معمول تھا کہ ۲۵ رجب کو اپنا نو تصنیف مرثیہ "دلارام کی بارہ دری" میں پڑھا کرتے۔

پنڈت دلارام کشمیری برہمن تھے، جنھوں نے ایک عالیشان بارہ دری اپنے نام سے بنوا کر

---

[1] یہ وضع ان کے خاندان کی تھی۔ ان کے جد اعلیٰ میر حسن بھی اس وضع کے پابند تھے۔ اور داڑھی منڈانے کی ابتدا خاندان میں انھیں سے ہوئی۔

[2] اس نام سے لکھنؤ۔ چوک کے قریب ایک محلہ آباد ہے۔ مولف

مع ساز و سامان، فرش وفروش وغیرہ کے شادی وغمی، مجلس ومولود کے جلسوں کے لئے ہندو اور مسلمان عوام کے نام وقف کردی تھی۔

میر نفیسؔ اِدھر ممبر پر تشریف لے گئے۔ اُدھر حاضرین مجلس خاموشی کے عالم میں تصویر حیرت بن گئے۔ آپ نے پہلے کچھ رباعیاں پڑھیں، واہ، واہ، کے شور سے بارہ دری ہل گئی، پھر ایک سلام پڑھا بعدہ، مرثیہ شروع کیا، ڈھائی تین گھنٹے کامل پڑھتے۔

اسّی برس کا سن تھا۔ کمر جھک گئی تھی۔ چہرہ پر جھریاں پڑ گئی تھیں، لیکن جس وقت ممبر پر جاتے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیر گونج رہا ہے۔ ایک مصرع سے دوسرے مصرع کا زور بڑھتا جاتا تھا۔ تعریف کے وقت لوگ کھڑے ہو ہو جاتے اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہتے "سبحان اللہ میر صاحب! یہ آپ ہی کا حصّہ ہے، نیا مضمون ہے آج تک نہیں سُنا۔ کیا بندش ہے۔ اور کیا پیاری زبان ہے واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔ اور ٹیپ کا بند تو ختم ہے جناب امیر کی لاجواب ہے"۔

ایک مرتبہ میر صاحب مرثیہ جدید پڑھ رہے ہیں، لوگ کھچا کھچ بھرے ہیں، صاحب مجلس ممبر کے پاس کھڑے ہیں۔ یہ بھی ایک سن آدمی ہیں۔ میر انیسؔ کے ملنے والے، میر اعظم علی نام ہے، رجب کی مجلس ان کی مشہور ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ آٹھ آٹھ روز تک اسی انتظار میں قیام کرتے ہیں،

میر صاحب اُسی انداز سے پڑھ رہے ہیں، محویت کا عالم ہے، ایک مرتبہ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا

وہ گرد اٹھی وہ جگر بند بوتراب آیا

ممبر پر نیم قد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہاتھ سے اشارہ کر کے "وہ" اس طرح کہا کہ لوگ پیچھے پھر کے دیکھنے لگے۔

حیدر آباد (دکن) میں جب تشریف لے جاتے تو آپ کے رہنے کے واسطے ایک خاص کوٹھی ملتی۔ امراء رؤسا وہیں آپ سے ملنے آتے، آپ سب کی خاطر مدارات کرتے آنریبل راجہ امیر حسن خاں صاحب والی محمود آباد (اودھ) کے زمانے میں آپ اکثر ریاست میں تشریف لے جاتے اور راجہ صاحب آپ کی بہت قدر ومنزلت کرتے۔

ایک حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ میر نفیسؔ ایک مرتبہ "دیانت الدولہ کی کربلا[1]" میں مرثیہ پڑھنے تشریف لائے۔ لوگوں کا ہجوم کثرت سے تھا۔ بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ گرمی کا زمانہ تھا۔

[1] یہ کربلا لکھنؤ۔ "تہمنی گنج" میں واقع ہے۔ اور بہت مشہور ہے۔ مولف

میر صاحب نے ایک سلام پڑھا جس کا مقطع یہ تھا: ۔

نفیسؔ افسوس ہم تو ہند میں ہیں دوست پہنچے
خراساں میں، النجف میں، روضۂ سبط پیمبر میں

اسی سلسلے میں یہ لکھ دینا بیجا نہ ہوگا کہ میر انیسؔ مرحوم کے ایک نواسے میر احسان علی تھے رئیسؔ تخلص کرتے تھے۔ نہایت خوش گو اور خلیق۔ نواب مرزا امجد علی خاں بہادر مرحوم رئیس "شیش محل لکھنؤ" کے داروغہ تھے۔ ابتدا میں تو میر انیسؔ مرحوم سے اصلاح لیتے رہے۔ میر صاحب کے انتقال کے بعد اپنے ماموں میر نفیسؔ سے مشورۂ سخن فرماتے۔ اس فن میں طبیعت ایسی مناسب پائی تھی کہ میر نفیسؔ کا سا نقادِ سخن میر احسان علی رئیسؔ کی شاعری کا معترف تھا۔ ایک بات یہ بھی کہ میر احسان علی رئیسؔ شہرت پسند نہ تھے۔ صرف "شیش محل" کے مشاعروں میں شریک ہوتے۔ اور وہیں اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے۔

کثرت کارِ سرکار کی وجہ سے عام مشاعروں کی شرکت سے معذور تھے۔ افسوس کہ عین جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

کلام ان کا بہت تھا جو ضایع ہو گیا۔ ان کے فرزند سید ننّن صاحب سے ایک مرثیہ ستیاب ہوا۔ جس کے دو ایک بند یہ ہیں۔

کھولا جو مہر نے علمِ زرنگار کو
پُر نور کر دیا فلکِ بے مدار کو
پایا جو خوشگوار نسیمِ بہار کو
وجد آگیا ہر اک شجرِ سایہ دار کو
رونق دو چند ہو گئی دنیائے زشت کی
خوشبو ہوا سے آگئی باغِ بہشت کی

تڑکا وہ نور کا، وہ بیاضِ سحر کا رنگ
تھا زرد چرخِ نیلوفری پر قمر کا رنگ
کوسوں گلوں سے تھا شفقی دشت و در کا رنگ
رہ رہ کے جھومتا تھا یہ تھا ہر شجر کا رنگ
جھونکے ہوا کے چار طرف سرد سرد تھے
ذرّوں کی یہ چمک تھی کہ ہیرے بھی گرد تھے

دلچسپ بلبلوں کے وہ نغمے اِدھر اُدھر
شاخوں پہ طائروں کا وہ پھرنا کشادہ پر
گویا دُلھن بنی تھی ہر اک شاخِ بارور
شاداب تھے یہ برگ و گل و غنچہ و ثمر
دیکھا جو رعب سبزۂ دشتِ نبرد کا
مینا اُتر گیا فلکِ لاجورد کا

آئی نظر سحر کی سفیدی جو ناگہاں
نکلے حرم سرا سے شہنشاہِ انس و جاں
اکبر نے شد و مد سے جو میداں میں دی اذاں
آنسو بھر آئے رونے لگے قبلۂ زماں
جس دم زباں پہ تھا یہ ہر اک دل ملول کی
یہ آخری اذان ہے شبیہِ رسول کی

پُر نور وہ صفیں وہ نمازی نکو سیر
اک ایک حق شناس و نمودار نامور
ذی قدر یادگارِ جہاں غیرتِ قمر
سوکھے ہوئے لبوں پہ دعائیں وہ با اثر
تھی حق کی یاد، ساغرِ کوثر نظر میں تھے
گویا ملک زمیں پہ لباسِ بشر میں تھے

جب پڑھ چکے نمازِ سحر شاہِ تشنہ لب
بھرو غا ادھر سے بڑھی فوج بے ادب
تیر آئے جب قریب سپاہِ شہِ عرب
غصے سے تھرتھرا گئے سب خاصگانِ رب
راحت جو غازیوں کو نہ تھی بے لڑے ہوئے
تیغوں کو تول تول کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

مرثیہ کی ابتدا میں تمام ہمراہیوں کا شہید ہونا، اور اس کے بعد عزیزوں کا فدا ہونا، بچوں کا جامِ شہادت پینا، پھر امامِ عالی مقام کا رن کی اجازت کے واسطے خیمے میں آنا۔ ان واقعات کو مصنف نے نہایت دردناک الفاظ میں نظم کیا ہے۔ امام کی تشریف آوری پر اہلِ حرم میں جو حشر بپا تھا اس کے متعلق لکھا ہے :-

روتے ہوئے جو رانڈوں میں داخل ہوئے امام
دوڑے سب اہلِ بیتِ رسولِ فلک مقام
آئے نظر جو بیکس و تنہا شہِ انام
شہ سے کئے لپٹ کے سکینہ نے یہ کلام
اماں ہیں مضطرب شہِ انور کو کیا کیا
بابا ہمارے چھوٹے برادر کو کیا کیا

بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
بی بی، شہید ہو گیا رن میں وہ رشکِ ماہ
پھنکتا تھا تشنگی سے جگر، حال تھا تباہ
جنت میں لے گئی انھیں نہرِ لبن کی چاہ
دیکھا نہ ماں کو پھر، کہ اجل پا گئی انھیں
آغوشِ قبر دیکھ کے نیند آ گئی انھیں

بے جاں ہوئے، اب آئیں گے اُنکے نہیں ہے آس
اب ہم بھی جاتے ہیں کوئی دم میں اُنھیں کے پاس
رونے لگے یہ کہہ کے جو شبیرِ حق شناس
آئیں قریب بانوے بیکس بدرد و یاس
فرقت جو دل پہ شاق تھی زہرا کے ماہ کی
دامن قبا کا تھام کے اک سرد آہ کی

کی عرض، دل ہی غم سے دوپارا، میں کیا کروں
جز موت، اب نہیں مجھے چارا، میں کیا کروں
دکھ میں کیا سبھوں نے کنارا، میں کیا کروں
بچوں کا بھی رہا نہ سہارا، میں کیا کروں
خالی ہے گود، بانوے ناشاد لٹ گئی
اصغر سے بھی میں ظلم کے جنگل میں چھٹ گئی

لاشے سحر سے آتے ہیں اے فاطمہ کے لال
باقی نہ پیر ہیں، نہ جواں ہیں، نہ خرد سال
غربت میں آپ بھی ہیں جو آمادۂ جدال
سونپا کسے کنیز کو، یا شاہِ خوش خصال
سب مر چکے اب آنکھ کا تارا نہیں کوئی
لونڈی کی زندگی کا سہارا نہیں کوئی

پورا مرثیہ اس انداز سے لکھا ہے کہ سننے والوں کا جگر شق ہوتا ہے، میر نفیس کو میر حسن علی رئیس کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ اب ان کی یادگار اولاد ذکور میں صرف ایک سید نبن صاحب ہیں۔

میر نفیس باوجود اس کمال کے حد درجہ منکسر مزاج تھے۔ اس رفعت کمال پر ہر ایک سے جھک کر ملتے۔ باتیں اس طرح کرتے کہ گویا کچھ جانتے نہیں ہیں غرور کا کلمہ زبان پر نہ آتا۔ اکثر کہا کرتے "مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا ہے"۔

کسی نے تعریف کی کہ "آپ کے کلام میں بالکل میر انیس مرحوم کا رنگ ہے"۔ آپ بگڑ بیٹھے اور کہنے لگے "یہ آپ نے کیا کہا وہ کجا اور میں کجا۔ ہاں ان کا ایک ادنےٰ خوشہ چیں ہوں۔ آپ نے اُن کے مرتبے کو پہچانا نہیں"۔

اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی سلام کو پہلے آپ ہی ہاتھ اُٹھاتے۔ نماز، روزے اور احکام شرع کے سخت پابند تھے۔

پچاسی برس سے زیادہ سن ہوا۔ ضعف اور نقاہت کے ساتھ عوارض بھی پیدا ہوگئے چند روز بیمار رہ کر ۱۳۔ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ ہجری مطابق سنہ ۱۹۰۱ء کو انتقال فرمایا۔ جس وقت روح لطیف نے جسم خاکی سے مفارقت کی۔ صبح کاذب کا وقت تھا۔ تمام علمائے کرام اور عمائدین شہر شریک تجہیز و تکفین ہوئے۔ جنازے کو فوراً دریائے گومتی پر لیجاکر غسل دیا۔ پانچ بجے شام کو غسل سے فراغت ہوئی۔ تو جنازہ "چوک" کی راہ سے سید تقی صاحب مرحوم کے امام باڑے میں لائے۔ مجتہد العصر میر آغا صاحب مرحوم نے نماز جنازہ پڑھائی اور میر انیس مرحوم کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے مرثیوں کا ایک حصہ طبع ہوچکا ہے۔ باقی مرثیے غیر مطبوعہ ہیں۔

آپ کے فرزند میر خورشید حسن عرف دولھا صاحب عروج کہتے ہیں کہ جناب مغفور نے ۲۵۔ رجب کو ایک نو تصنیف مرثیہ پڑھا۔ جس کا ایک شعر یہ تھا۔

دعائے خیر سے روح حزیں کو شاد کریں ہمارے بعد بھی احباب ہم کو یاد کریں

اور اس کے چار مہینے بعد ذیقعدہ میں انتقال فرمایا۔ اس کو حسن اتفاق کہا جائے یا پیشین گوئی۔ نہایت کوشش سے میر نفیس مرحوم کے غیر مطبوع مرثیے بہم پہنچے ہیں، جن کا انتخاب ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کریں کہ میر صاحب کا رنگ

کس قدر گہرا ہے:-

جب گیسوے مشکیں کی گرہ شام نے کھولی / چہرے سے ردا لیلی خود کام نے کھولی
شمشیر بہ سپر لشکر اسلام نے کھولی / خیمے میں کمر شاہ خوش انجام نے کھولی
سجدہ کیا زینب نے مصلے کو بچھا کے / مغرب کی اذانیں ہوئیں لشکر میں خدا کے

وہ شام غم انجام وہ جنگل کا اندھیرا / نزدیک سے خیمہ نظر آتا تھا نہ ڈیرا
مہمانوں سے راحت نے جو منھ اپنا تھا پھیرا / خود کہتی تھی وہ رات کہ دور آج ہے میرا
تاریک شبیں ہوں گی پہ یہ بات نہ ہوگی / ایسی کبھی اب حشر تلک رات نہ ہوگی

صحرا میں غضب تھا شبِ عاشور کا آنا / ہر چشم میں تھا تیرہ و تاریک زمانا
اس رات سے تھا قافلہ راحت کا روانا / وہ شب بھی ڈرانی تھی وہ جنگل تھا ڈرانا
شمشیر جفا فوج الم تولے ہوئے تھی / ثابت تھا کہ منھ اپنا بلا کھولے ہوئے تھی

خورشید ہوا لشکر منولے کے جو راہی / دنیا میں ہوا داخلہ فوج سیاہی
کی شام سے آ کر شب تیرہ نے جو شاہی / عالم میں ہوئی روشنی آنے کی مناہی
جب سلطنت نور لٹی کون و مکاں میں / ظلمت کا عمل بیٹھ گیا ملک جہاں میں

تھا غرب سے تا شرق کسی جا نہ اُجالا / خالی کہیں ظلمت سے نہ پستی تھی نہ بالا
رنگ اپنا سیاہی نے درختوں پہ جو ڈالا / پتا بھی ہر اک سبز نظر آتا تھا کالا
ضو خلق سے معدوم تہ چرخ بریں تھی / اک نقطہ سیاہی کا زمانے کی زمیں تھی

عالم میں جو ظلمت تھی سر شام سے پھیلی / افلاک پہ رنگت تھی ستاروں کی بھی میلی
ضو تھی نہ زحل میں نہ وہ تھا نور سہیلی / تھی رات کہ برپا تھا سیہ خیمۂ لیلی
خار غم و اندوہ ہر اک دل میں گڑا تھا / پنہاں تھی ضیا خلق میں اندھیر پڑا تھا

وہ شام، وہ غربت، وہ سیاہی، وہ بیابان / نہ روشنی شمع کسی جا نہ چراغاں
پھرتی تھیں نبی زادیاں سب مضطر و حیراں / ڈھلکی تھی ردا بال تھے زینب کے پریشاں
فرماتی تھیں کل حشر بپا ہوئے گا لوگو / یہ رات جو گذرے گی تو کیا ہوئیگا لوگو

اس مرثیے میں میر صاحب نے شب عاشور کا واقعہ نظم کیا ہے۔ پھر تاریکی شب کا سین (منظر) دکھایا ہے۔ بعدہٗ لکھا ہے کہ امام عالیمقام نماز عشا سے فرصت کر کے مناجات میں مشغول ہوئے، سحر ہوئی، یار و انصار دوپہر تک قتل ہوتے رہے۔ پھر علی اصغرؑ شہید ہوئے

اور حضرت بانو کا بین تو دردناک طور پر نظم کیا ہے۔

رے بانوئے غمدیدہ و مضطر ادھر آؤ
اب صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
تکیئے علی اصغر کے نہ چھاتی سے لگاؤ
مرجاؤ گی گہوارے کے نزدیک نہ جاؤ
حلقے ہیں ہیں آفت کے تباہی میں پڑی ہیا
رکھدو کہیں، اُن کے جو یہ سکلی، یہ کڑی ہیں

یہ سنتے ہی سر پیٹ کے بانو یہ پکاری
ہے ہے مرے اصغر تری تربت کے میں واری
تم چھٹ گئے کیوں کر نہ کروں گریہ وزاری
خالی ہوئی یاں آکے بھری گود ہماری
جینے کی نہیں، گر نہ تمھیں پاؤں گی بیٹا
میں پیٹتے ہی پیٹتے مرجاؤں گی بیٹا

یاد آتا ہے اماں کو تمھارا وہ ہمکنا
وہ پھول سا رُخ، نرگسی آنکھیں وہ جھپکنا
منھ کھول کے ہر بار مرے منھ کو وہ تکنا
جھولے میں وہ بے دودھ وہ بے آب بلکنا
طاقت نہیں ماں کے دل بے صبر میں بیٹا
کیونکر تمھیں آرام ملا قبر میں بیٹا

دلارام کی بارہ دری میں ماہ رجب کی سالانہ مجلس تھی سامعین رؤسا، امراء دہر سے جمع تھے میر صاحب کو تشریف لانے میں کسی قدر وقفہ ہو گیا، آتے ہی دیکھا کہ ماشاء اللہ مجلس بھری ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے، لوگ اکتا رہے ہیں۔ آپ ممبر پر تشریف لے گئے فرمایا "التماس دعا ہے"۔ سبنے دعا مانگی، آپنے ایک رُباعی پڑھی۔ رُباعی

مرجائے جو فرزند تو کیا چارا ہے
ہاں! صبر علاج دل صد پارا ہے
اصغر کو لٹا کے شہ نے تربت میں کہا
آرام کرو اب یہی گہوارا ہے

چند رُباعیوں کے بعد مرثیہ شروع کیا:۔

پھر طبع سلیم انجمن آرائے سخن ہے
پھر دیدۂ دل عاشق سلمائے سخن ہے
پھر جلوہ کناں چہرۂ زیبائے سخن ہے
پھر مشک فشاں طرۂ لیلائے سخن ہے
نقطوں میں نظر آتا ہے پھر نور کا جلوہ
پھر حرف دکھاتے ہیں رُخ حور کا جلوہ

پھر خضر قلم بادیہ پیمائے سخن ہے
پھر یوسف دل محو زلیخائے سخن ہے
پھر پیش نظر طور تجلائے سخن ہے
پھر طبع کو ذوق منّ و سلوائے سخن ہے
یاد آ گیا پھر لب کو مزا شہد سخن کا
پھر آج زباں کھولتی ہے قفل دہن کا

یہ مرثیہ حضرت قاسم کے حالات کی نسبت ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

ہاں! شادی و ماتم کا مرقع ہے یہ عالم
غم میں کہیں شادی ہے کہیں بیاہ میں ماتم

رقت بھی ہے، عشرت کی بھی محفل ہے فراہم
گھر اے ہے گیسوئے شب غا شور محرم

دیکھا نہ سنا بیاہ میں اس رنج ومحن کو
دولھا کو نہ پانی ہے میسر نہ دلھن کو

غربت میں مصیبت ہے، تلاطم ہے، قلق ہے
نوشاہ کی ماں خوش ہے اگر رنگ بھی فق ہے

ماں چپ ہے دلھن کی، یہ جگر سینے میں شق ہے
اشکوں کو جو روکا ہے، تو چہرے پہ عرق ہے

کہتی ہے میں حیراں ہوں یہ کیا ہوتا ہی لوگو
شادی ہی کہ سامانِ عزا ہوتا ہے لوگو

رباعیاں

جز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی
ویران پایا اسے جو بستی دیکھی
جو فیل نشیں تھے کل پیادہ ہیں وہ آج
دنیا کی بلندی میں وہ پستی دیکھی

سینے میں ضیا ہے بدر کی ضو کی طرح
پر نور ہے دل مہر کے پرتو کی طرح
دیکھیں تو مری فروتنی کو احباب
اس اوج پہ جھکتا ہوں مہ نو کیطرح

عریاں سر خاتون زمن ہے ابتک
ناموس پہ ایذا و محن ہے ابتک
چہلم کے ہیں دن خاک اڑاؤ یارو
شبیر کی لاش بےکفن ہے ابتک

نظام مرحوم

سید نظام علی شاہ مرحوم رامپور کے سادات عظام میں سے تھے۔ ابتدائے مشق میں بیمار سے اصلاح لی جس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

سانس آہستہ لیجیو بیمار
ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

پھر جس زمانہ میں مرزا غالب رامپور میں تھے انکو اپنا کلام دکھایا۔ اُس کے بعد نواب یوسف علی خاں ناظم والی رام پور سے اصلاح لیتے رہے۔ نواب کلب علی خاں کے عہد میں زندہ تھے۔ معاملہ بند شعر خوب کہتے تھے۔ کلام میں جرات کا رنگ غالب تھا۔ صوفیانہ لباس پہنتے تھے۔ تخمیناً ستر برس کی عمر میں ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ انکی اولاد رامپور میں ابتک موجود ہے۔

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ

دینا کسی کا ساغر مے یاد ہے نظام
منھ پھیر کر ادھر کو اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ

شب وصال کسی کا وہ ناز سے کہنا
کوئی الگ ہی کو بیٹھا رہے قرینے سے

نواب خلد آشیاں

نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں کے احسان اُردو علم ادب طبقے پر بہت ہیں اگر زمانے کے ہر دور کے لئے کوئی مخصوص نام ہوتا تو ہم نواب خلد آشیاں کے زمانے کو علمی قدر دانی کا دور کہتے۔ اس لئے کہ ان کی علمی قدر افزائیوں کی روئیداد ایسی باعظمت ہے جو کبھی مٹانے سے نہیں مٹ سکتی۔ دربار رامپور ہی کی بدولت ہندوستانی منطق و فلسفہ کو ترقی ہوئی ایسی باعظمت دربار کی صحبت میں بیٹھکر لوگوں نے شاعری سیکھی۔ اسی دربار کی بیش بہا فیاضیوں نے ایسے ایسے شعرائے نامدار ثقات اہل کمال پیدا کئے۔ جن میں ہر ایک کا نام قیامت تک قدرشناسوں کی نگاہوں میں آفتاب کی طرح روشن رہیگا۔ نواب خلد آشیاں جن کی عمر عزیز کے پُرتکلف کارنامے والیانِ ملک کے لئے دستور العمل بن سکتے ہیں۔ عیش پرستی کی تمام محفلیں تغیرات زمانہ سے درہم و برہم ہوجاتی ہیں۔ مگر علمی فیاضیوں کے جلسے ہمیشہ دیرپا ثابت ہوئے۔ اور ان میں انقلاب عالم سے ایک نیا لطف پیدا ہوجاتا ہے۔

"خلد آشیاں" نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کے فرزند رشید تھے۔ آپ ذیقعدہ کی چوبیسویں (۲۴) تاریخ یوم جمعہ وقت طلوع آفتاب ۱۲۸۱ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔ نوبتخانوں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ تہنیت کے نغموں سے تمام رعایا شاد ہوئی ارکانِ دولت نے نذریں پیش کیں۔ مگر مذہبی پابندی کا یہ لحاظ تھا کہ فی الفور آپ نماز جمعہ کیلئے مسجد تشریف لے گئے۔ بعد ادائے نماز معاودت فرمائی۔ جشن برپا ہوا۔ رعیت نوازی تو ایسی کی کہ غلے وغیرہ کے محصول میں ایک لاکھ روپئے سال کی آمدنی ریاست کو تھی۔ جلوس فرماتے ہی یہ محصول معاف فرمادیا۔

سال بھر کے بعد سر جان انگلس ریاست میں تشریف لائے۔ حضور معہ ارکانِ خاص دیوانخانے میں رونق افروز ہوئے۔ بڑی دھوم سے گورنمنٹ کی طرف سے دستار بندی کی رسم ادا ہوئی۔ اس جشن کے دوسرے روز علمے کو خلعت تقسیم ہوئے۔ شعرا کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا تھوڑے دنوں کے بعد ملکہ معظمہ کی طرف سے مسند نشینی کا خلعت آیا۔ اس خوشی کا جلسہ بہت دھوم سے ہوا۔ حکام عالیمقام شریک جلسہ ہوئے۔ روہیلکھنڈ کے تمام راجہ اور رؤسا جو ریاست کو ہمیشہ

نذریں دیتے تھے - حاضر ہوئے - نہایت دھوم سے جلسہ ہوا - اور سواری جلوس کی نہایت شان وشوکت سے نکلی - دو لاکھ روپیہ اس جشن میں صرف ہوا -

عمارتوں کا شوق ہوا تو مسجد جامع - سرائے - اصطبل - فیلخانے - گاؤخانے - فراش خانے وغیرہ تیار ہوے - بازار پُرتکلف بنائے گئے - خسرو باغ میں کوٹھی نہایت شان وشوکت کی بنوائی - ایک کوٹھی در دولت کے قریب تعمیر ہوئی - بینظیر اور بدر منیر کے نام سے دو باغ پختہ بنوائے اور وہاں ہر سال بینظیر میلے کی بنیاد ڈالی تاجروں کے لئے ہر قسم کے مال کا محصول معاف فرمایا - اس لئے کہ میلے میں ہجوم زیادہ ہو - نواب گورنر جنرل بہادر نے محکمہ کونسل دارالسلطنہ کلکتہ کی ممبری کے لئے دریافت کیا - آپ نے قبول فرمائی - اور چار سو آدمی ہمراہ لیکر کلکتے تشریف لے گئے - اور شریک کونسل ہوئے - سنہ ۱۲۸۴ھ میں صاحبزادہ محمد ذوالفقار علی خاں بہادر کی شادی بہت دھوم سے کی سنہ ۱۲۸۶ھ میں شہزادہ ڈیوک آف اڈنبرا ہندوستان تشریف لائے - خلد آشیاں نے آگرہ میں ان سے تزک واحتشام سے ملاقات کی سنہ ۱۲۸۹ھ میں زیارت حرمین شریفین کا ارادہ فرمایا - تمام مالی وملکی معاملات سے دست بردار ہوئے - اور تمام رعایائے مضافات ریاست سے عمال کے ذریعہ سے عفو حقوق کی درخواست کی - اور خود بہ نفس نفیس جمعہ کو جامع مسجد میں بآواز بلند اپنے حقوق سے تمام رعایا کو بری الذمہ کیا - ماہ شوال کی ۱۱ تاریخ ظہر کے وقت جہاز پر سوار ہوئے سنہ ۱۲۹۰ھ چھٹی محرم کو حرمین شریفین سے مشرف ہو کر مع الخیر ریاست میں واپس آئے -

مہاراجہ بہادر والی ریاست گوالیار شوقِ دیدار میں ملاقات کو تشریف لائے - اور جو کچھ ریاست کی تعریف سُنی تھی اس سے زیادہ خلیق اور ملنسار پایا -

رئیس ٹہری اور نواب لوہارو کا تشریف لانا اور ریاست کی تعریف میں رطب اللسان جانا - مشہور عام ہے - نواب جاورہ - رئیس اندور - مہاراجہ پٹیالہ - بیگم صاحبہ بھوپال - مہاراجہ بنارس - مہاراجہ وزیانگرم وغیرہ سے اتحاد اور مستحکم دوستی تھی - سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا عبدالرشید صاحب مرحوم سے بیعت تھی -

علمی مذاق نے تالیف وتصنیف کی طرف راغب کیا - پہلے نثر نویسی کی طرف توجہ رہی - اُردو ، فارسی کے نثر مضامین بلبل نغمہ سنج ، ترانۂ غم ، قندیل حرم ، اور شگوفۂ خسروی کے نام سے کتاب کی صورت میں نہایت پاکیزہ کاغذ پر چھپکر تقسیم ہوئے - تاج فرخی کے نام سے

ایک دیوان فارسی طبع ہوا۔ نشید خسروانی پہلے اُردو دیوان کا نام ہے۔ دستنبوی خاقانی اُردو کا دوسرا دیوان ہے۔ درۃ الانتخاب تیسرا دیوان اُردو کا ہے۔ توقیع سخن۔ چوتھے دیوان کا نام ہے۔ یہ چاروں دیوان اُردو میں بے مثل ہیں۔ متروکات سے بہت پرہیز کیا۔ جدید الفاظ غلط تلاش کر کے ترک کئے۔ چوتھے دیوان میں یہ التزام کیا ہے کہ الف ہندی جو آخر لفظ میں آیا وہ بھی تقطیع میں نہیں گرایا۔

اعلان نون بحالتِ اضافت اخفائے نون بغیر اضافت سے پرہیز کیا ہے۔ ان قیدوں پر کلام مزے سے نہیں گرنے پایا۔ جو کچھ فرمایا وہ پسند طبع خاص و عام ہوا۔ بہت سی غزلیں زبان زد ہیں۔ کلام نہایت پاکیزہ ہے۔ چند اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اُس کی بے داد پر تو مرتا ہوں　　لطف کرتا تو کیا ستم ہوتا

———

تیرا تو مشغلہ ہے یہ نواب رات دن　　میں روز سیتے سیتے گریبان تھک گیا

———

عاشق ہوا ہوں دل سے خدا کے حبیب کا　　حقا کہ مثل ہی نہیں میرے رقیب کا

———

الٰہی کیا کرے گا حشر میں وہ نامراد آخر　　جسے آتا نہ ہو کوئی طریقہ دادخواہی کا

———

ہمتو رو رو کے جتاتے رہے الفت اپنی　　زیر لب ہنس کے وہ کہتے رہے ہر باعث

———

دیوانہ گر کہیں گے تو مجکو کہیں گے لوگ　　تم کیوں ہو مضطرب مجھے بیتاب دیکھ کر

———

نہ نکلے عشق میں اُف منہ سے اے دل　　جہاں کی بات ہو رکھنا وہیں تک

———

سیر ہو حشر میں جب داورِ محشر پوچھے　　حالِ دل اور میں اُس شوخ کی صورت دیکھوں

———

قاصد کو بھیجتا ہوں تو شوخی کی راہ سے　　میرا ہی نامہ بھیجتے ہیں وہ جواب میں

———

عیش کا نام نہ لیتا کبھی عالم میں کوئی　　ہم سے دو چار بھی ہوتے جو رلانیوالے

———

بھیجدے ساری بلائیں کہ ذرا دل بہلے　　اے فلک سوچ تو کسکی شبِ تنہائی ہے

———

لازم ہے ایک قبر مری ہر گلی میں ہو　　تا ابد میرے نام مرا کو بکو رہے

———

نامہ یہ کسکو لکھا ہے جو کبوتر سیکڑوں　　میرے آگے بیٹھے ہیں مشتاق پر کھولے ہوئے

———

بے خودی کا اب یہ نقشہ ہے کہ ہم　　شکوے کرتے ہیں تری تصویر سے

———

پھائے مرہم کے الگ رکھنا مرے ناسور سے　　انکو میں فردوس میں بدلونگا چشم حور سے

نواب کی صحبت میں ہندوستان کے سرمایۂ تازہ اساتذہ موجود رہتے تھے۔ غزل کی اصلاح منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم سے لی۔ خود بھی نقاد تھے۔ طبیعت میں دونی ترقی ہو گئی۔

وسیم خیرآبادی

سید محمد عسکری صاحب وسیم خیرآبادی - منشی امیر احمد صاحب امیر مرحوم کے ارشد تلامذہ میں ہیں - ان کو منشی صاحب مرحوم کی صحبت میں رہنے کا بہت اتفاق رہا ہے - امیر اللغات کی ایک جلد کی ترتیب بھی انھیں نے کی ہے - منشی صاحب نے خیابانِ آفرینش کی ایک تاریخ پر خود ان کو اپنے ہاتھ سے تلمیذ رشید لکھا ہے - بہت مدت تک آپ مہاراجہ صاحب جونپور کے دربار میں بزمرۂ شعرا ملازم رہ چکے ہیں - تحقیق و صحت الفاظ کا ان کو بہت شوق ہے - ہندوستان کے اطراف و جوانب میں ان کے بہت سے شاگرد ہیں - رسالہ گلچیں عرصۂ دراز سے مختلف مقامات سے شایع ہوتا رہا ہے - گورکھپور سے نکلا - اس کے بعد لکھنؤ میں آیا - اب خیرآباد سے نکلتا ہے - اس کے ایڈیٹر منشی وسیم صاحب ہیں - خیابانِ آفرینش کی جو تاریخ آپ نے لکھی ہے - اس میں انتہا کا نازک تخرجہ لکھا ہے - کہتے ہیں ؎

ہے عجب صنعت میں تاریخ وسیم   وصفِ ذاتِ احمد بے میم ہے

پورے مصرعہ میں تاریخ ہے - اور اعداد میم کا تخرجہ ہے - ایسی تاریخیں حسن اتفاق سے نکلتی ہیں - وسیم ان کمالات کے ساتھ حد کے منکسر مزاج آدمی ہیں - تغزل کا رنگ منشی ریاض احمد صاحب ریاض خیرآبادی سے ملتا ہے -

تم وصل کی شب خوبیٔ قسمت ہو کسی کی   پہلو میں جو آ جاؤ طبیعت ہو کسی کی

لیلی سے کہو نجد میں بے پردہ نہ آئے   جامہ سے نہ باہر کہیں وحشت ہو کسی کی

منھ چوم لوں کیا بات شب وصل کہی ہے   پھر کیا ہو جو بیچین نزاکت ہو کسی کی

دیوانہ وسیم آئے تو ذمہ ہے ہمارا
پرسش بھی اگر روز قیامت ہو کسی کی

منشی صاحب مرحوم کے زمانۂ حیات میں ایک طرح ہوئی تھی - جس میں منشی صاحب کے تمام شاگردوں میں ریاض کے بعد وسیم کی غزل سب سے اچھی رہی تھی -

تیر آئیں دل میں اک دن کے لئے   حسرتیں بیتاب ہیں ان کے لئے

ہائے کیا آئی جوانی کیا گئی   کر گئی بدنام دو دن کے لئے

وہ گھٹا اُٹھی ہے پی لو واعظو ورنہ پھر تو سوگے اس دن کیلئے
غش ہوئے موسیٰ تو آئی یہ صدا پردہ ہم کرتے تھے اس دن کیلئے

منشی صاحب کے وقت میں "پیام یار" میں ایک طرح ہوئی -

پری خانہ بنا رکھا ہے میں نے اپنے زنداں کو

منشی وسیم صاحب کی غزل اس میں بھی معرکتہ الآرا ہوئی -

دیا سر تیغ کو، دم تیر کو، دل اسکے پیکاں کو قیامت ہے وہ بت اب بھی نہ مانے میرے احساں کو
یہ بھیڑیں حسرتوں کی ہیں، یہ ارمانوں کا مجمع ہے کہ رستہ دل میں آنیکا نہیں ملتا ہے پیکاں کو

وسیم اُس در پہ جب جاتا ہے درباں ٹوک دیتا ہے
الٰہی جلد جھٹلا دے قضا آواز درباں کو

غمخواروں میں ہوں، بازاروں میں ہوں، اس میں منشی صاحب مرحوم نے بے مثل غزل کہی ہے - اس کے علاوہ حکیم جلال مرحوم، تسلیم مرحوم، داغ مرحوم کی غزلیں بہت اچھی ہو چکی ہیں - لیکن منشی وسیم نے بھی اپنی جدت طبع دکھائی ہے -

جب کہا چتون نے اسکی، میں ستمگاروں میں ہوں بول اُٹھی چین جبیں میں بھی جفاکاروں میں ہوں
دل ہے کیا شئے جس حسیں کے پاس لیجاتا ہوں میں وہ بھی کہتا ہے میں اس کے خریداروں میں ہوں
خلد ہی میں وہی جگہ رحمت نے اُس کی حشر میں لاکھ میں نے یہ کہا، میں تو گنہگاروں میں ہوں

جب کوئی گاہک نہ ٹھہرا جنس عصیاں کا وسیم
اُس کی رحمت بول اُٹھی میں خریداروں میں ہوں

غزل کے علاوہ منشی وسیم صاحب نے اور بھی اصناف سخن میں جوہر کمالات دکھائے ہیں قطعات تاریخ آنریبل سر راجہ محمد علی خاں صاحب بہادر کے - سی - آئی - ای - والی ریاست محمود آباد دوام اقبالہ کے فرزند مسعود کی ولادت کے لکھے ہیں - بحر خفیف مسدس میں ایک بہاریہ قطعہ لکھا ہے - اُسی بحر میں پورے مصرع سے تاریخ نکالی ہے -

وہ پھل باغ مراد کا ہے ۱۳۳۲ ہجری

یہ قطعہ تاریخ پورا قصیدہ ہے - تشبیب اور گریز نہایت نازک رکھی ہے -

کس ناز سے آئی ہے بہار آج جو گل ہے چمن میں ہنس رہا ہے
آنے سے بہار کے ہر اک گل کیا باغ و بہار ہو رہا ہے

اَب جوشِ بہار و عکسِ گُل سے — ہر ذرّہ بنو نہ پھول کا ہے
گلشن کی زمیں ہے گُل زمیں آب — ہے صورتِ گُل جو نقشِ پا ہے
ہر غنچہ خوشی سے ہے شگفتہ — ہر پیڑ نہال ہو رہا ہے

اسی طرح بہت بڑی تشبیب کے بعد گریز کرتے ہیں

آ قامرے باغ میں آج — گُل نخلِ اُمید کا کھِلا ہے

اس کے بعد ایک بہت بڑا قطعہ لکھا ہے۔ جس کے ہر مصرع سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اور بہت سی تاریخوں میں صنعتیں ہیں۔ نئے نئے تخرجے اور نئے نئے تعمیے۔ یہ قطعات ایک کتابی صورت میں چھپے ہیں۔

اس کے ماسوا قصائد میں بھی وسیم صاحب کو یدطولیٰ حاصل ہے۔ بہت سے قصیدے مشکل ردیف قافیوں میں کہے ہیں۔ ریاست گوالیار سے ایک خبر آئی کہ والی ریاست کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہے اور ایک بہت بڑا جلسہ ہونے والا ہے۔ جس میں تمام امرا اور سردار جمع ہونگے۔ اور شعرا بھی قصائد تہنیت لکھیں گے۔

جناب مضطر خیرآبادی نے شعرا کی طبع آزمائی کے لئے مصرعِ طرح بھی شایع کیا۔

تجھے اے موتیوں والے نیا گوہر مبارک ہو

بہت سے شعرا نے طبع آزمائی کی۔ اور خیال ہوا کہ جب ریاست کی طرف سے ایسی تحریک ہوئی ہے۔ اور ریاست کے ایک خاص شخص نے مصرعِ طرح مقرر کیا ہے تو اُمید ہے کہ شعرا کو انعام بھی حوصلے سے زیادہ ملیگا۔ شعرا نے دل کھول کے قصیدے لکھے۔ اور بہت سے لوگ بہ اُمید عزت افزائی گوالیار میں پہنچے۔ لکھنؤ سے صفدر مرزا صاحب مرزاپوری۔ شاکر میرٹھی وغیرہ وغیرہ اور دوسرے مقامات سے بھی شعرا آگئے۔

وسیم صاحب نے بھی معرکۃ الآرا قصیدہ لکھا ظاہر ہے کہ یہ طرح قصیدے کی شان کے لایق نہ تھی۔ اور اس طرح میں قصیدہ کہنا مشکل تھا۔ مگر وسیم صاحب نے یہی نہیں کیا کہ قصیدہ کہا ہو۔ بلکہ قصیدے میں ولادت کی تاریخیں بہت سی صنعتوں میں لکھیں۔ اور گوالیار پہنچے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وسیم صاحب کا قصیدہ سب سے اچھا رہے گا۔ اور سب سے زیادہ انعام ان کو ملیگا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ یہ دعوت ریاست کی طرف سے نہیں ہے۔ بعض ارا کین ریاست نے ایک جلسہ قرار دیا ہے۔ البتہ جو شعرا تشریف لائے

ہیں اُن کو انعام ریاست کی طرف سے ملیگا - جلسے کے روز سب نے اپنے اپنے قصائد پڑھے۔ ریاست میں ایسے لوگ کم تھے جو دادِ سخن دینے کی پوری قابلیت رکھتے ہوں - ہم بعض بعض اشعار وسیم صاحب کے درج کرتے ہیں -

تجھے اے ساقیِ گل روے احمر مبارک ہو
مبارک ہو خمِ مے شیشہ و ساغر مبارک ہو

التزام میکشی کو کس طرح نبا ہا ہے -

لگائے اُس کے دل پر سنگ جو بن دخترِ رز کا
مبارک ہو دل مینا کو یہ پتھر مبارک ہو
لپک جائے فلک تک شعلہ ہائے آتشِ مے کی
پری کو شیشے کی اُڑنے کو یہ شہ پر مبارک ہو
اُتار اب طاق سے شیشے کو ساقی جوشِ نشہ میں
ترے مستوں کو سیرِ گنبدِ اخضر مبارک ہو

اس قصیدے کی تشبیب میں نشہ مے کی تعریف کے ساتھ معلق محفل کا بیان کیا ہے - جسکو آج تک کسی قصیدہ گو نے نہیں لکھا -

دکھائے جام شکل حالِ عالم مثلِ جامِ جم
تجھے اک دم میں ساقی سیرِ بحر و بر مبارک ہو
زمین و چرخ کی نیرنگیاں آئینہ ہوں تجھ پر
تجھے گلگشتِ ہفت اقلیم و ہفت اختر مبارک ہو
مبارک ہو نظارہ جلوہ کوہ قاف کا تجھکو
تجھے سیرِ بہارِ قلزمِ اخضر مبارک ہو
مبارک ہیں چرخ و ارض تجھکو بزم آرائی
میانِ ارض گردوں نغمۂ دلبر مبارک ہو
قریبِ بزم اور رنگ ہوا پر شعلۂ وشتھریں
تجھے رقصِ حسینانِ زمرد پر مبارک ہو
تری محفل سے شرمندہ ہو محفل راجہ اندر کی
زمیں پر رقص مہر دیاں سیمیں بر مبارک ہو
ہوا پر نغمہ زن بلبل ہوا پر شعلۂ رقصاں ہو
نئے گلزار، نیا گلشن، نیا منظر مبارک ہو

اس تشبیب کے بعد گریز اور گریز کے بعد تاریخی مصارع ہیں -

یہ تاریخِ وسیم مدح گو ہے سالِ ہجری میں
کہ یہ گلزار زینت کا گلِ احمر مبارک ہو

نوید مرحوم

خواجہ محمد عظیم تخلص نوید تلمیذ خواجہ محمد مرتضیٰ بقا - لکھنؤ معالی خاں کی سرا میں رہتے تھے - چالیس برس ہوئے بھوپال میں انتقال کیا -

سرد مہری پہ کمر باندھی ہے دلسوز نے بھی
ٹھنڈی ہونے لگی شمع سرِ تربت میری
چار آنسو تو بہا دو سُنکے میرا مرثیہ
دوستوں آیا ہوں دردِ دل سنانیکے لئے

ہوس مرحوم

نواب مرزا محمد تقی خاں ہوس شوستری شاگرد مصحفی و میر حسن دہلوی خلف نواب مرزا علیخاں دلاور جنگ ابن موتمن الدولہ نواب محمد اسحاق خاں صوبہ دار گجرات۔
مالک بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ نواب محمد اسحاق خاں محمد شاہ بادشاہ دہلی کی طرف سے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ اور امت الزہرا بیگم معروف بہ بہو بیگم صاحبہ زوجہ نواب شجاع الدولہ بہادر۔ موتمن الدولہ بہادر کی بیٹی اور نواب مرزا علی خاں دلاور جنگ کی بہن تھیں۔ اس صورت میں نواب مرزا محمد تقی خاں ہوس بہو بیگم صاحبہ کے بھتیجے ہوتے ہیں۔
عہد آصف الدولہ میں فیض آباد سے لکھنؤ تشریف لائے اور محلہ مفتی گنج میں سکونت اختیار کی۔ میر تقی میر کے زمانے میں ان کی اس قدر شہرت نہ تھی۔ ابتدائی شاعری تھی ناسخ کی طرح متروکات زبان انھوں نے بھی قائم کئے۔ اور جو کچھ کہا دہلی کے رنگ میں کہا۔ مشاعروں میں کم شریک ہوتے تھے۔ طبیعت میں رنگینی اور کلام میں بہت شوخی تھی۔ معاملہ بندی میں مشہور ہوئے۔ آخر میں بہت شہرت پائی۔ یہ بات مشہور ہے کہ دہلی والے متروکات کا پرہیز نہیں کرتے۔ مگر ہوس کے کلام میں میر کے زمانے کے متروک الفاظ کہیں نظر نہیں آتے۔ نہ "ٹک" ہے نہ "نپٹ" ہے۔ نہ "لالیاں کالیاں" ہیں بعض جگہ "میاں" کا لفظ نظم کیا ہے۔ جیسے ؎

صحرا ہی میں مسکن ہے نہ گلزار میں وقفہ　　گھر بھولے ہیں سو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں میاں ہم

پہلے آپ میر تخلص کرتے تھے۔ لیکن جب میر تقی میر لکھنؤ میں تشریف لائے اور ان کی شاعری کے ڈنکے بجنے لگے۔ تو آپ نے سوء ادبی سمجھ کر اپنا تخلص ہوس کر دیا جس کو ایک مقطع میں ادا کرتے ہیں ؎

سنکر ہوس کے شعر کو اُس شوخ نے کہا　　کچھ آگے نام اور تھا یہ نام اب ہوا

متروکات کے پرہیز پر بھی بعض بعض متروک الفاظ ان کے کلام میں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ اس وقت تک ترک نہیں ہوئے تھے۔

حسینوں پھر خدا اپنے دل میں جاگہ دو　　انہیں چھوٹتے ہیں بے یار بے دیار ہوئیں

اسمیں بجائے جگہ کے جاگہ نظم کیا ہے ۔ لیکن پھر بھی ہوس نے بہت کچھ زبان کو صاف کیا اور فن شعر میں صفائی، بندش، برجستگی، شستگی، رنگینی، شکوہ الفاظ، سب ہی کچھ موجود ہے دیوان غیر مطبوعہ نہایت حجیم ہے ؂

جوانی ہو چکی پیری سے اب دوچار ہوں میں   خزاں رسیدہ ہوں وا ماندہ بہار ہوں میں

جلا کے راکھ کرائے سوز دل مرا تن زار   تری مدد سے کسی دوش کا نہ بار ہوں میں

ایک جگہ عطف کی حالت میں اعلان نون بھی گر گئے ہیں ۔

ہنگامہ کفر و دیں کا گو جائے سیر تھا   میں واں گیا جہاں نہ حرم تھا نہ دیر تھا

اس میں کفر و دین کی ترکیب اضافی کے ساتھ نون کا اعلان کیا ہے ۔

کیا جانے دل ہی دل میں وہ کرتا تھا کسکا ذکر   ہر دم زبان یار پہ یا دش بخیر تھا

تاثیر بخش تھی یہ ہوس کی صدائے آہ   از ہوش رفتہ دشت کا ہر وحش و طیر تھا

مغتنم جانئے ہم صحبت یاراں ہونا   چشم مردم سے ہے اک روز تو پنہاں ہونا

حسن اپنا ہی ہوا دام بلا یوسف کو   بسکہ تقدیر میں تھا ساکن زنداں ہونا

جا مرے دل میں کرائے آبلہ پائے طلب   لطف کیا تاج سر خار مغیلاں ہونا

دست رنگیں میں ترے دزد حنا پیدا ہوا   پنجۂ خورشید تھا رشک ید بیضا ہوا

منت ناجنس لینا غیر بدنامی نہیں   کوئی شانے سے سلجھ سکتا ہی دل الجھا ہوا

دیکھکر روتے مجھے محفل میں اسنے ہنس دیا   غنچۂ لب بستہ تصویر کیوں کر وا ہوا

شب ہجر میں دم واپسیں دل مضطرب کا یہ حال تھا   کہ جو سانس ہونٹوں پہ آتی تھی تو نکلنا اس کا محال تھا

ہوا قطع رشتۂ زندگی تری تیغ سے تو بجا ہوا   مرا سر ہی دوش پہ بار تھا مرا تن ہی مجھپہ وبال تھا

مرا ہچکیا آخری وقت جب مجھے دیکھنے کو وہ آئے تب   لگے کہنے اسکو یہ کیا ہوا کہ یہ کل تلک تو بحال تھا

کئے ہم صفیروں نے چہچہے نہ ہوس کا غنچۂ دل کھلا   کٹی فصل گل اسی دام میں کہ اسیر بے پر و بال تھا

یہ اور تعجب کی بات ہے کہ کہیں تو اتنی صفائی کلام اور کہیں اتنی پرانی زبان کہ میر تقی میر سے بھی پہلے کا کلام معلوم ہوتا ہے ۔

میں کہا بولنا شب غیر سے تھا تم کو کیا   مسکرا کہنے لگا شوق مرا تم کو کیا

شکوہ اس بت کی جفا کا جو کیا میں تو کہا   تم تو دنیا میں ہو اک اہل وفا تم کو کیا

لیکن ایسی زبان کسی کسی غزل میں پائی جاتی ہی ۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ ابتدا کا کلام ہے ۔

کاہشیں پیری کے عالم کی دلاتی ہیں یاد راحت بے غمی دامنِ مادر مجھ کو
سناتا کون بیچے کے مدلل یہ سخن ہم کو نہ لگتا لوث بدنامی اگر دامان مریم کو
جدھر جاتا ہوں میں دیوانہ واں پتھر برستے ہیں خدا محفوظ رکھے شیشہ ناموس عالم کو
ہوائے آشیاں بندی ہی مجھکو حبس گلستاں میں شرر کا حکم ہی دامانِ گل پر اشک شبنم کو

سورج کو دم صبح جو وہ مہ نگراں تھا مغرب پہ بھی مشرق کا منجم کو گماں تھا
آئینہ نہ تھا سامنے جو دیکھتے اس کو تھا وہ مری آنکھوں میں پر آنکھوں سے نہاں تھا
گھبرا کے یہاں آئے تھے ہم ملکِ عدم سے یاں بھی نہ لگا جی ہمیں کیسا خفقاں تھا
وہ منھ نہ رہا اب جو دکھاؤں میں کسی کو کیوں حسرت پیری کبھی میں بھی تو جواں تھا
جانا مجھے سب نے پہ کسی نے بھی نہ دیکھا میں گلشن ہستی میں نسیم گزراں تھا
افسوس کیا دیکھ کے کل ہم نے ہوس کو
کس سوچ میں انگشت تحیر بدہاں تھا

مسی سے لب ہے رنگیں اس غیرت چمن کا اندیشہ ماہ نو کو کیوں کر نہ ہو گہن کا
اُڑ جائے نور اس کا ہو منھ سحر کا کالا نقشہ بگاڑ ڈالا مستوں کی انجمن کا
نازک مزاج ہوں میں لے خاک دشت غربت ہر ذرہ مجھ کو پتھر ہے لاکھ لاکھ من کا

مرا آدم نے کیا پایا جہان سفلہ پرور کا نہ شفقت باپ کی دیکھی نہ چین آغوش مادر کا
کج و اکج لکھا ناحق ہمارا خط پیشانی میسر تھا نہ منشی قضا کیا تار مسطر کا

واہ رے تیرا اثر اے کاوش وہمت مژہ اک نہٹہ رفتہ رفتہ زخم کاری ہو گیا

دیوانہ کس قدر ہے یہ موسم شباب کا تصویر کے لبوں سے ہوں خواہاں جواب کا

شغل شب تنہائی کس سے کہیں ہم اپنا دو چار گھڑی رو کر بہلاتے ہیں غم اپنا
ارماں ہیں پیری میں رو رو کے بصد حسرت لڑکوں سے جوانی میں قصہ کہیں ہم اپنا

کم نہیں ہے نامہ اعمال مجھ آزاد کا جرم لکھنا منع تھا مجنون مادر زاد کا
آشنائے لذت درد اسیری ہوں ہوس منھ مرا جل جائے گر شکوہ کروں بیداد کا

تم نے ظاہر میں گلے لگنے سے انکار کیا خواب میں ہم نے بہت دیر تمھیں پیار کیا
خوں کا دعوی نہیں محشر میں یہی قاتل سے ہوس میں مکر جاؤں گا اس نے اگر اقرار کیا

شوق خراش خار مرے دل میں رہ گیا پائے تلاش پہلی ہی منزل میں رہ گیا

مجنوں تجھے خبر نہیں تیری تلاش میں | غش کھا کے کوئی کہتے ہیں محمل میں رہ گیا
میں زمزمہ سرا تو چمن سے گیا ولے | افسانہ اک گروہ عنا دل میں رہ گیا

پاس ماں باپ کو لازم تھا شگون بد کا | نہ پنہانے تھے یہ منت کے سلاسل مجکو
خوں بہا کچھ تو مرا چاہیئے آخر یارو | پھاڑ دو بہر کفن دامن قاتل مجکو
سفر ملک عدم میں کروں کیوں کر تاخیر | بار کرنا نہیں گسنا نہیں محمل مجکو
کیا تعجب ہے ہوسؔ مردہ بے وارث ہوں
پھینک دیں راہ میں گر نعش کے حامل مجکو

کم کرو ذکر جوانی مانو میری بات کو | منع ہے دن کو کہانی خواب گہنارات کو

یاد ایام جوانی یاد ہنگام بہار | کیسی کیسی دل میں تھی سیر چمن کی آرزو

غم نہ کھا بکنے کا تو شاد ہو اے یوسف مصر | وائے بر جنس کوئی جس کا خریدار نہ ہو
پاس ناموس محبت ہے یہاں تک لازم | دل بھی تیرا تری حالت سے خبردار نہ ہو
خار محفل تو ہیں ہم لیک غنیمت سمجھو | گل کی کیا قدر جہاں میں ہو اگر خار نہ ہو

فراق روح سے اے جسم بیقرار نہ ہو | عزیز اس کو نہ کر جس پہ اختیار نہ ہو
وہ آنے کا نہیں سنکر ہجوم پروانہ | ہماری قبر پہ شمع سر مزار نہ ہو
پکارا دیکھ کے آئینہ آپ وہ خودبیں | الٰہی ایسی بلا سے کوئی دوچار نہ ہو
ہے اس غریب کا احوال جائے گریہ ہوسؔ
سوائے یاس کوئی جس کا غمگسار نہ ہو

رنگ گل شگفتہ ہوں آب رخ چمن ہوئیں | شمع حرم چراغ دیر قشقہ برہمن ہوئیں
قمری سرو قد ناز نغمہ عندلیب حسن | گیسو تابدار کا پیچ و خم و شکن ہوں میں
خندان زناں ہیں مجھپہ گو بے خردان روزگار | اہل خرد میں اے ہوسؔ رونق انجمن ہوئیں

ہدایت مرحوم

میر ہدایت علی ہدایت لکھنوی ساکن دالی کی منڈی شاگرد ناسخ ریختی گو شاعر تھے سنہ ۱۲۹۰ھ میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان تھے۔ اور ایک نثر فسانہ بھی ریختی زبان میں لکھا تھا مشاعرے میں زنانہ لباس پہن کر پڑھتے تھے شاعری پیشہ تھے۔ قدر دانی کا زمانہ تھا۔ اردو، فارسی، ہندی، پنجابی، ماڑواڑی زبان میں انکا کلام موجود ہے

سن گوش جاں سے تو یہی آواز غیب ہے | غیبت کسی کی کرنا ولا سخت عیب ہے

یقین دہلوی

انعام اللہ خاں نام یقینؔ تخلص خلف اظہر اللہ خاں دہلوی شاگرد مرزا جان جاناں مظہر مصحفی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ مرزا جان جاناں مظہر پیر و مرزا کے شاگرد تھے اور مشائخ کبار میں ان کا شمار تھا۔

یقینؔ سے ان کو بہت محبت تھی اور یقین بھی اپنے استاد کے بہت مداح تھے۔ کبھی کسی دوسرے اُستاد سے اصلاح نہ لی۔

عہد شاہ عالم بادشاہ دہلی میں ان کے باپ نے کسی وجہ سے خفا ہو کر ان کو قتل کیا اور دیگ میں بند کر کے دفن کر دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۲۰۸ھ کا ہے۔

پچیس ۲۵ برس کی عمر میں پیوند زمیں ہوئے، نہایت خوش رو اور زود فہم تھے قلمی دیوان ان کا ہماری نظر سے گذرا ہے جو سنہ ۱۲۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔

جسکو بی وزیرن صاحبہ کے واسطے مولانا سید نور الھدا از لاہرنے مرزا دلاور علی صاحب خوشنویس سے لکھوایا ہے۔ اور اکیس شوال سنہ ۱۲۵۷ ہجری کو ختم ہوا۔

کلام میں فلسفیانہ رنگ ہے۔ زبان بہت قدیم ہے۔ میر تقی میرؔ ملک الشعرا کے زمانہ میں یقینؔ بھی تھے۔ یہ زیادہ تعجب کی بات ہے کہ یقینؔ کی کوئی غزل پانچ شعر سے زیادہ کی نہیں ہے۔

انتخاب کلام

کون کر سکتا ہے اُس خلاق اکبر کی ثنا — نارسا ہے شان میں جسکی پیمبر کی ثنا

میں تو ظاہر نہ کروں اسکی جفا کو لیکن — چھپ سکے کیونکہ یقیںؔ زخم نمایاں میرا

اگر مر کر نہ میں اس شوخ کو نذر اپنی جاں کرتا — خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

ہیں زخم بہت کاری اس سینے سے کیا ہوگا — اب مرنا ہی بہتر ہے اس جینے سے کیا ہوگا

سر پر سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا — ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

یہ دل ایسا خراب کوچہ و بازار کیوں ہوتا — نہ ملتا گلرخوں سے گر تو ایسا خوار کیوں ہوتا

اگر ہوتی نہ کافر باغباں سے آشنا بلبل — تو اتنا گل کے نظارے سے کیوں کرتی حیا بلبل

تونے جو ہمپہ جفا کی ہے سو مذکور نہیں — پسپہ جو ہمنے وفا کی ہے سو منظور نہیں
جب دیکھتا ہوں تجھ کو تنہا سجن چمن میں — کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
اسیران قفس کی نا اُمیدی پر نظر کیجیو — بہار آوے تو اے صیاد ست ہمکو خبر کیجیو
جفا کے عذر میں اے ظالموں دیر کرو — مری زباں کو شکایت سے مت دلیر کرو
منھ اتنا نہ دیکھا کرو ہو جائیگا دیوانہ — آئینہ کو کہتے ہیں اے شوخ پریخانہ
بدلا ترے ستم کا کوئی تجھسے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
زنجیر میں بالوں کے پھنس جانیکو کیا کہئے — کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہئے

یکتا لکھنوی

نواب مرزا ہادی علی خاں یکتا لکھنوی تلمیذ رشک مرحوم - تمام لکھنؤ میں اسوقت اتنا پُرانا شاعر کوئی نہیں ہے -

۹۶ برس کی عمر ہے - لیکن قوا ابھی تک کام دے رہے ہیں - جوان اولاد کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی، حواس خمسہ درست نہ رہے - گراں گوش ہو گئے - تعلیم تو معمولی ہوئی - جوانی میں کثرت کا بہت شوق تھا لکڑی کے فن میں اچھی مہارت تھی - فیروزے کی انگوٹھیوں سے ہاتھ بھرے رہتے تھے - بانکپن کا شوق تھا - باوجود ان سب باتوں کے طبیعت میں انکسار حد سے زیادہ تھا - علم مجلس سے خوب واقف تھے - رئیسوں کی صحبت میں ہمیشہ رہے - غزل گوئی کی مشق کے علاوہ خمسہ بہت اچھا کہتے ہیں - شاہی زمانہ کی مکمل تاریخ ہیں - نواب سربلند خاں کے خاندان سے ہیں روشن دولہ ان کے پردادا تھے - چالیس روپیہ ماہوار پنشن ہے - دراز قد گداز جسم ہیں - مذہب شیعہ ہی شہدرے کی مسجد کے قریب کسی رئیس کے مکان میں رہتے ہیں - مزاج کی بے پروائی سے دیوان مرتب کرنے کی نوبت نہیں آئی - دوسرے فکر اور آلام نے بھی فرصت نہ دی - اور ابتو حواس بھی رخصت ہو چکے - بہرحال لکھنؤ میں ایسے لوگوں کی ذات غنیمت ہے جن کی ذات سے پُرانی تہذیب آجتک قایم ہے -

آنکھ سے آنکھ ملانے کی قسم کھائی ہے — ایسی شرمیلی نگاہوں میں حیا آئی ہے
واہ رے پاس نزاکت چمنستاں تیرا — کہ دبے پاؤں نسیم سحری آئی ہے
منھ چھپانیکی تو اُمید نہیں ہے یکتا — جان پہچان ہیں ہر سو کی شناسائی ہے

دربار رامپور

زبان اُردو کی علمی خدمتوں کے لحاظ سے یادش بخیر عرش آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر والی ریاست دارالسرور رامپور کا عہد سعدلت مہد بہت وقیع تھا - دربار اکبری کے نورتن مشہور ہیں مگر دربار رامپور کے درانتخاب ریاست کی تحقیق نظر سے داد دینے کے قابل تھے - کوئی مشہور نامور شاعر کوئی مستند عالم کوئی دانا پنڈت ایسا نہ تھا جو ریاست کا وظیفہ خوار نہ ہو اور دربار رامپور سے تعلق نہ رکھتا ہو - شاعروں کا ایسا انتخاب تو کسی بادشاہ نے بھی نہ کیا ہوگا - اسی حسن تحقیق کو لوگ آج تک یاد کرتے ہیں - دراصل غدر کے بعد لکھنؤ اور دلی کی علمی دنیا رامپور کے دامن دولت سے وابستہ ہوگئی - اور نواب کی قدر دانی کا ہر ایک نے اعتراف کیا -

نواب کے دربار کے شاعر اور نثار جس پائے کے تھے اس کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں دربار رامپور کے یہ دُرِ شہوار تمام ہندوستان میں مشہور ہیں - اور انکی فیاضی کی داستانیں عام زبانوں پر ہیں - ہم اسوقت درباری شاعروں کے مختصر حالات لکھتے ہیں جس سے ہمارا خاص مقصد یہ ہے کہ اگر اور ریاستیں بھی اسی تحقیق سے زبان اُردو کی پرورش کے لحاظ سے اپنے دربار میں ایسے نورتن جمع کرتے رہیں - تو اُردو بہت جلد ایک علمی زبان بنجائے -

اس تذکرے کا آغاز اسیر مرحوم ، اور امیر مرحوم سے کرنا مناسب ہوتا - لیکن اس سے قبل ان کے تذکرے شایع ہو چکے ہیں - اس سبب سے سردست دربار کے اور شاعروں کا تذکرہ لکھا جاتا ہے -

بحر - شیخ امداد علی نام ولد شیخ امام بخش لکھنوی توپ دروازہ کے رہنے والے شیخ ناسخ مرحوم کے شاگرد رشید سیاہ فام دُبلے پتلے میانہ قد تھے - تحقیق لغت اور صحت الفاظ ہندی میں مشہور اُستاد لوگ ان کی زبان کی سند مانتے تھے - ہمیشہ محاورات کی تلاش رہتی تھی -

نواب سید محمد خاں رند - آتش کے شاگرد ان کے بہت قدر دان تھے - اور کچھ خدمت بھی کیا کرتے تھے - تحقیق الفاظ میں رشک کے بعد ناسخ کے شاگردوں میں یہی ممتاز تھے - چھوٹی شہزادی اشرف النسا بیگم افسر بہو صاحبہ دختر حضرت امجد علی شاہ بادشاہ کی سرکار سے کچھ قلیل وظیفہ پاتے تھے - افیون کا استعمال کرتے تھے - عیش باغ کے میلوں میں اکثر جاتے تھے

زندگی بہت عسرت سے بسر ہوتی تھی - ممتاز شاگردوں میں ایک میاں تحیر تھے - جن کی ایک مناجات بہت مشہور ہے -

ہر امر میں ہیں قدرت رب العلا علی　　رکھتے ہیں اختیار بقا اور فنا علے
کیوں کر کہے نہ قوم نصیری خدا علی

اُستاد کی طرح شاگرد بھی فلک زدہ تھے - افیون بہت پیتے تھے - شیریں طوائف انکی شاگرد تھی اور وہی کچھ وظیفہ دیتی تھی -

میاں تحر ڈاڑھی کا ہمیشہ صفایا رکھتے تھے - اس زمانہ میں شہرت حاصل کرنے کا اہل کمال کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا - اس سبب سے میاں تحر کے کمال کی کیفیت کسی رئیس کے گوش گذار نہ ہوئی ۶۵ برس کی عمر میں تقدیر نے یاوری کی - اور نواب کو معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں ایک زباں داں موجود ہے - قدر دانی اور عزت افزائی کے لحاظ سے خود تحریک فرما کر میاں تحر کو اپنے دربار میں بلوایا اور خلعت خاص سے سرفراز فرما کر بیش بہا تنخواہ مقرر کر دی لیکن میاں تحر کی زندگی لکھنؤ میں کٹی تھی - آخر وقت میں غربت کی برداشت نہ ہو سکی - اتفاق سے نواب کے یہاں ایک مشاعرہ ہوا تحر نے مقطع میں لکھنؤ کی جدائی کا اظہار بہت دردناک پہلو میں کیا - نواب کو ان کی حالت پر رحم آ گیا - اور استفسار حال کر کے ان کو کچھ انعام و اکرام دیکر رخصت کر دیا -

خواجہ حسام الدین کہتے ہیں - ہم نے اپنے اُستاد شیخ فضل احمد کیف سے پوچھا آج کل اُردو شاعری میں کون کون اُستاد ہیں - کہنے لگے فی زمانہ شیخ امداد علی تحر کی تحقیق اردو بہت اچھی ہے اور زباں دانی کا دعویٰ اُن کو زیبا ہے - محاورات کو صحت سے نظم کرتے ہیں - اور میاں اسیر بھی اُستاد ہیں -

نواب مہدی علی خاں مرحوم ثمر تلمیذ تحر کہتے تھے کہ جسوقت ہم شاگرد ہوئے ہیں اُستاد چھوٹی شہزادی کی ڈیوڑھی پر رہتے تھے - پھاٹک کی بغل میں ایک کمرہ ہے - اس میں افیون گھُلا کرتی تھی - اور ایک کہنہ چٹائی بچھی رہتی تھی تحقیق الفاظ کو لوگ دور دور سے آتے تھے اور امرا اُس بورئے پر بیٹھنا اپنا فخر سمجھتے تھے - دن بھر ڈیوڑھی پر رہتے تھے - شام کو اپنے مکان پر جاتے تھے - توپ دروازہ پر ایک کچا مکان تھا - اس میں رہتے تھے - لڑکا تو کوئی نہ تھا بیوی تھیں اور آپ تھے - لوگ کہتے ہیں ایک لڑکی تھی - جس کو بہت چاہتے تھے - اب توپ دروازے

کا مکان کھد گیا - متعلقین کا حال معلوم نہیں - زندہ ہیں یا مر گئے - اردو الفاظ کے اکثر محضر آپ کے پاس دستخط کے لئے آتے تھے - خرچ زیادہ تھا آمد کم تھی - اس سبب سے بہت تنگدست رہتے تھے شاگردوں سے لینے میں انکار تھا - مگر اسپر بھی لوگ خدمت سے دریغ نہ کرتے تھے -

حکیم میر ضامن علی جلال مرحوم بعد رشک انھیں سے مشورہ سخن فرماتے تھے - کم مائیگی نے بحر کی قابلیت کو شہرت نہ دی - حکیم مظفر علی خاں کہتے ہیں - میں نے میاں بحر کو دیکھا ہے - گندمی رنگ چھریرا بدن کترواں ڈاڑھی تھی - ان کا ایک لڑکا تھا - محض کودن اکثر مشاعروں میں غزل پڑھتے ہوئے سنا ہے - بہت خوش الحان تھے - بحر وارفتہ مزاج تھے - جو کچھ کہتے تھے جمع نہ کرتے تھے - نواب سید محمد خاں رند نے ان کی تمام غزلیں ایک دیوان کی صورت میں جمع کیں - اور ردیفیں تمام کرا کے دیوان مکمل کیا - جس کو بحر نے مطبع مصطفائی میں چھپوایا -

نواب سلیمان خان صاحب اسد فرماتے ہیں کہ بحر کو ہمنے بارہا دیکھا - آواز میں سخت رعشہ تھا - غزل خود نہیں پڑھتے تھے - میاں فہم ان کے شاگرد پڑھتے تھے - بہت تعریف ہوتی تھی - کئی شاگرد ان کے ساتھ آتے تھے - جب دیوان چھپ چکا - تو ایک لغت کی تصنیف میں مصروف ہوئے - خدا جانے اس کو تمام کیا یا ناتمام رہ گیا - عروض اچھی طرح جانتے تھے اور اس فن پر بہت ناز تھا -

ناسخ کے انتقال کے بعد ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا - اور اس سے یہ غرض تھی کہ اس مشاعرہ میں ناسخ کے تمام شاگرد بلائے جائیں - اور انکی قابلیت کا اندازہ کیا جائے کہ بعد ناسخ کون جانشینی کے قابل ہے - اور اس امر کے فیصلے کے متعلق نواب عاشور علی خاں عاشور کو تکلیف دی گئی - جب ناسخ کے تمام شاگرد غزلیں پڑھ چکے تو نواب عاشور علی خاں نے فیصلہ کیا کہ بہ اعتبار امتیاز شاعری میں خواجہ وزیر کو ترجیح دیتا ہوں - ورنہ باعتبار فن رشک اور بحر بہت اچھے ہیں - اور برق بھی غنیمت ہیں -

رامپور سے واپس آنے کے بعد میاں بحر زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے - تخمیناً ۸۵ برس کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کیا - اور کربلائے تالکٹورہ میں دفن ہوئے -

کلام سے ناظرین خود اندازہ کر لیں کہ کس پایہ کا شاعر تھا -

بشر روز ازل سے شیفتہ ہے شان و شوکت کا — عناصر کے مرقع میں بھرا ہی نقش دولت کا
خدا آباد رکھے لکھنؤ کے خوش مزاجوں کو — ہر اک گھر خانۂ شادی ہی ہر کوچہ ہی عشرت کا

اہل دنیا خوش ہوں یا ناخوش ہو تیری پروا نہیں — آسرا رکھتا ہے یہ بندہ خدا کی ذات کا
خدا علیم ہے ہر شخص کی بناوٹ کا — کہو نماز یو سجدے کیئے کہ سر ٹپکا
بتو خدا پہ نہ رکھو معاملہ دل کا — برا بھلا یہیں ہو جائے فیصلہ دل کا
شہر اشعرا میں ہو مرے حسن عمل کا — اللہ کرے خاتمہ بالخیر غزل کا
کیا تفرقہ ہے ظاہر و باطن میں تمہارے — دل سنگ سے بھاری ہے بدن پھول سے ہلکا
نقش دنیا کا مرے دل پہ اثر کیا ہوگا — فقر کہتا ہے کہ حاجب نہیں در کیا ہوگا
غم ہے اے بحر تری بے سروسامانی کا — ہو گی کیونکر تری اوقات بسر کیا ہوگا
اپنا ہو آپ قاتل مٹی میں جیتے جی مل — ڈھا بیٹھ کعبۂ دل حج کا ثواب ہوگا
دیکھتا ہوں ایسے رونے کا برا انجام ہے — بحر گھل گھل کر حباب آب جو ہو جائیگا
ہم فقیر اللہ کے جھوٹی صدا دیتے نہیں — جو ہمارا جام بھر دیگا وہ جم ہو جائیگا
وقت آخر ہمیں دیدار دکھایا نہ گیا — ہم تو دنیا سے گئے آپ سے آیا نہ گیا
میرا دل کس نے لیا نام بتاؤں کس کا — میں ہوں یا آپ ہیں گھر میں کوئی آیا نہ گیا
تیر مارا نہ یار نے خنجر — اک ادا سے تجھے تمام کیا
قدر داں کوئی نہ اسفل ہے نہ اعلا اپنا — نہ زمیں پر نہ فلک پر ہے ٹھکانا اپنا
ضبط نے رکھے لب فریاد بند — صبر میرے زخم کا مرہم رہا
شعلہ تھا عہد جوانی اڑ گیا — برف تھا ہنگام پیری جم رہا
وہ چھپ گئے اک جھلک دکھا کر — ہم رہ گئے اشک ڈبڈبا کر
تیرے ہوتے رہوں شہر میں رسوا ہو کر — کھینچ اے جادۂ صحرا رسن پا ہو کر
روشنی ال لٹانے ہی میں ہے اے ممسک — ہاتھ میں زر نہیں رہتا ید بیضا ہو کر
کیا چشم سرگیں کی ہے شوخی حجاب میں — پلکوں میں ہے نگاہ کہ بجلی سحاب میں
افسوس عمر کٹ گئی رنج و ملال میں — دیکھا نہ خواب میں بھی جو کچھ تھا خیال میں
چھیڑا جو ذکر میرا یاروں نے انجمن میں — شمعیں یہ روئیں آنسو بھر بھر گئے لگن میں
حسن سے بڑھ کے زمانہ میں کوئی جنس نہیں — اپنا گھر بیچتے دیکھا ہے خریداروں کو
ہوا بدل گئی پیری میں نو جوانی کی — بہار دیکھ چکے باغ زندگانی کی
خدا کو یاد کر کیوں ملتجی ہے کیمیاگر سے — کہ سونا خاک سے ہوتا ہے پیدا لعل پتھر سے

ضیا باری قلم کرتا ہی کیا کیا وصف ساقی میں	ملا ہے نور کا فوارہ مجھ کو حوض کوثر سے
افشا ہوئے اسرار جنوں جامہ دری سے	چھاپے گئے اخبار مری بے خبری سے
نور ہوا قاروں کو راہ عدم کی روشنی	بے دیئے ہوتی نہیں دام و درم کی روشنی
مزید مردم مفلس کا مال ہوتا ہے	ذلیل اہل غرض کا کمال ہوتا ہے
نہ ہو شعر گوئی پہ اے بحر نازاں	کوئی پوچھتا ہے ہنر ہے تو کیا ہے
پس کے مرجائیں گے جوڑا نہ خبردار بندھے	ایک اک بال میں سو سو میں گنہگار بندھے
تکیے کی یاد چاہیے مسند پہ بیٹھ کر	نگیرہ سر پہ آج ہے کل شامیانہ ہے
حور بنکر ترے کشتے کی قضا آتی ہے	دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے
اس کی رحمت ہے مری بادہ کشی پر عاشق	نام بوتل کا جو لیتا ہوں گھٹا آتی ہے
بحر اللہ کی درگاہ سے مایوس نہ ہو	اس کو بگڑی ہوئی تقدیر بنا آتی ہے
آنکھیں نہ چھینے دینگی تری بیوفا مجھے	ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے
آج ہنستے ہیں جو سب دانت تمھارے دیکھے	ہم نے اک برج میں بتیس ستارے دیکھے
پیار کی آنکھ سے دشمن کو بھی جو دیکھتے ہیں	ہمنے ایسے بھی ہیں اللہ کے پیارے دیکھے
اپنے اعمال سے پیری میں خبردار ہوئے	سوتے تھے سر پہ جو دھوپ آگئی تو بیدار ہوئے
نقاب میں نہیں بوجہ منہ چھپائے ہوئے	کسی غریب کا آتے ہیں دل دکھائے ہوئے
کہو یہ قافلے والوں سے ہم بھی آتے ہیں	چلے نہ جاؤ خدارا قدم بڑھائے ہوئے
کہا کسی نے نہ اتنا ہمارے دفن کیوقت	کہ خاک ڈالو نہ اپنے یہ ہیں نہائے ہوئے
یہ آب آب خال لب یار سے ہوئے	شکری جو تھے وہ شربتی اب نالیسے ہوئے
بجا ہے قدسی ہیں بھی آلودہ دامانی ہوئی	چاندنی پیری ہمیں داغ پشیمانی ہوئی
آبرو ریزی ہوئی اے بحر ایسی بہر رزق	صورت گرداب روٹی ہاتھ میں پانی ہوئی

رباعیات

اک جلوہ تھا جس محل میں قندیلوں کا	اس کی چھت میں ہے گھر ابابیلوں کا
کل رقص کناں تھے جن منڈیروں پہ مور	ہے آج وہاں پر آستاں چیلوں کا
خم آگیا قد میں ابروؤں کی صورت	سب کٹ گئے عضو گیسوؤں کی صورت
غم کھایا جوانی کا یہ ہم نے دن رات	سب گر گئے دانت آنسوؤں کی صورت

افسوس پیام مرگ لائی پیری دکھلاتی ہے شانِ جانگزائی پیری
کیسا یہ عصا قدِ خمیدہ کیسا ہے تیر و کماں بدست آئی پیری

منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ نواب کلب علی خاں صاحب بہادر کا زمانہ اردو علم ادب کی خدمتوں کے لحاظ سے بہت زیادہ وقیع تھا۔ تمام ہندوستان کے سخن فہم دربار میں جمع تھے۔ لفظی تحقیق کا بہت شوق تھا۔ ہر شاعر اسی دھن میں رہتا اور یہی خواب دیکھا کرتا تھا کہ اب دربار رامپور میں ہماری طلبی ہوتی ہے۔ ہم منشی نول کشور کے مطبع میں کاپی لکھتے تھے کہ ایک مرتبہ مالک مطبع کے نام ہماری طلبی کا تار آیا۔ منشی جی نے ہمکو بلاکر رامپور کے تار کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ اگرچہ آپ کی حسن کارگذاری کی وجہ سے دل تو نہیں چاہتا کہ آپ مطبع سے جدا ہوں لیکن رئیس رامپور کے مزید احسانات اس کے مقتضی نہیں ہیں کہ ہم ان کے ارشاد کی تعمیل میں عذر کریں۔

مالک مطبع سے رخصت ہوکر نواب کے دربار میں آئے اور ایسی ایسی نعمتیں پائیں جو خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں۔ تیس (۳۰) روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ مگر اس میں ہماری بسر اوقات نہ ہوتی تھی۔ عید بقرعید کے موقع پر قصیدے پیش کرتے دو سو روپئے قصیدے کا صلہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ نواب کی مہربانیوں سے ہمارا خرچ بہت بڑھ گیا۔ ہمیشہ بنئے کا قرض ہوجاتا تھا۔ نواب کو خبر ہوتی تو بہت افسوس کرتے۔ اور بلاکر پوچھتے کتنا قرضہ دینا ہے۔ ہم صاف صاف کہہ دیتے۔ حضور قرضے سے دوگنی چوگنی رقم عطا فرماتے اور کہتے دیکھو آئندہ قرض لینے سے احتیاط رکھنا مگر یہاں تو نواب کی فیاضیوں نے سیر چشم بنا دیا تھا۔ اور بنیا جانتا تھا کہ ہمیشہ سرکار قرضہ ادا کر دیتے ہیں اس لحاظ سے یہ عادت برقرار رہی۔ اس خراب عادت نے نواب کے بعد بہت تکلیف دی۔ اور آخر بیس روپیہ ماہوار ہماری پنشن ہوگئی۔

نواب حامد علی خاں بہادر دام اقبالہ جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو دادا جان کے وقت کا شاعر سمجھ کر دربار میں طلب فرمایا۔ پیری اور ضعف کی وجہ سے آداب تعظیم معاف کئے گئے۔ استفسار حال کیا۔ ہم تو بہرے اور اندھے تھے۔ ہوم سکریٹری صاحب نے ہمارا حال کہا کہ نواب خلد آشیاں کے زمانہ میں تیس روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ اور مزید فیاضیاں تھیں۔ اب پنشن بیس روپیہ ملتی ہے۔ نواب صاحب بہادر نے فرمایا۔ پنشن کیسی یہ کوئی سپاہی تھے کہ اب بندوق نہیں چلا سکتے۔ پنشن کر دی گئی۔ یہ تو شاعر ہیں ان سے خدمت کون سی لی جاتی تھی

جواب نہیں کر سکتے۔ عہد خلد آشیاں کے تیس روپیہ برقرار کئے جائیں اور ہمارے عہد کے دس روپیہ ماہوار اضافہ کئے جائیں۔ آئندہ چالیس روپیہ ماہوار بلا شرط خدمت ملا کرے۔ اسی طرح نواب کی فیاضیاں بہت سی قابل ذکر ہیں۔

مکرم منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض فرماتے ہیں کہ نواب کلب علی خاں بہادر کا دربار ہم نے دیکھا ہے بیشک وہ ایک علمی دربار تھا۔ نواب بہت گورے چٹے قد آور جوان تھے قلعہ مچھی بھون میں دربار فرماتے تھے۔ ان کے دربار میں لوگ دوزانو دست بستہ بیٹھتے تھے۔ چہرے سے سطوت شاہی ٹپکتی تھی۔ کوئی آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ حاضرین دربار روبرو اور ایک طرف بغل میں بیٹھتے تھے۔ علامہ مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی مولوی منشی امیر احمد مینائی۔ منشی محمد اسمعیل منیر حکیم سید ضامن علی جلال حاضر دربار رہتے تھے اور دن رات علمی چرچا رہتا تھا۔

نواب مخزن الدولہ بہادر فرماتے ہیں کہ نواب کلب علی خاں کے دربار میں ہم مدت تک رہے۔ ہم اسکے برابر علمی اور ادبی حیثیت سے کسی ریاست کو نہیں سمجھتے حق تو یہ ہے کہ رئیس شریف پرور تھا جب تو ہم ایسے نازک مزاجوں کی وہاں بسر ہوئی۔ ہملوگ خوگر اور باتوں کے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ دانہ کم ملے لیکن کوئی ٹٹو نہ کہے۔ گھوڑا کہے۔ اس بارے میں نواب کلب علی خاں بہادر مردم شناس تھے اور علیٰ قدر مراتب ہر ایک کی عزت کرتے تھے۔ مچھی بھون کے قلعہ میں دربار ہوتا تھا۔ اور گول گھر میں نواب کا نواڑی پلنگ طلائی پاؤں کا بچھا ہوتا تھا۔ اسپر آپ تشریف فرما ہوتے تھے۔ گرمیوں میں محض ابری پتھر کے چوکے پر اور جاڑوں میں دری چاندنی اولی قالین کے فرش پر درباری لوگ بیٹھتے تھے۔

نواب کی دہنی طرف نواب حیدر علی خاں بہادر۔ نواب اسد الدولہ۔ نواب مفتاح الدولہ اور حقیر اُس کے بعد نادر شاہ خاں صاحب۔ عبد اللہ خاں صاحب بائیں طرف اصغر علی خاں صاحب بہادر منشی منیر۔ آفتاب الدولہ قلق منشی امیر احمد اور کوتوال شہر سامنے دست بستہ چوبدار کھڑے ہوتے تھے۔ ڈیوڑھی کے اندر شاہی قاعدے کے موافق لال پردہ باناتی پڑا ہوتا تھا۔ سلام کرنے کو مردہا ساتھ آتا تھا۔

درباری شعرا میں ایک منشی سید محمد اسمعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی تھے۔ ان کے والد کا نام سید احمد حسین تخلص شاد تھا۔ منیر کو عنوان شباب سے شاعری کا شوق تھا۔

لکھنؤ میں آ کر شیخ ناسخ مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ اور ناسخ کے حکم سے رشک سے اصلاح لینے لگے
لکھنؤ، کانپور، مرشد آباد کے مشاعروں میں شریک ہوئے۔ افیون کا شوق تھا۔ حسنِ طلب
میں ان کا جواب نہ تھا۔ بات بات پر انعام اکرام حاصل کرتے تھے۔ حافظہ بہت صحیح تھا۔
منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کہتے تھے کہ ان کا سر بہت بڑا تھا۔ نہایت پُرگو تھے۔ نواب کے
خاص درباری شعرا میں ان کا شمار تھا۔ تحقیق الفاظ بہت اچھی تھی جب سے ریاست رامپور میں
تشریف لے گئے زندگی بھر وہیں رہے اور اسی زمین پر دفن ہوئے۔ سرکار سے سو روپیہ ماہوار
تنخواہ ملتی تھی۔ آپ کا ایک کلیاتِ منیر مطبع ثمر ہند لکھنؤ میں چھپا ہے۔ جسمیں تین دیوان ہیں۔
دیوان اول منتخب العالم حاشیہ پر ہے۔ دوسرا دیوان تنویر اشعار مع عبارات نثر حاشیہ
پر ہے۔ تیسرا دیوان نظم منیر متن میں ہے۔ اسی کے آخر میں ایک مثنوی بھی شامل ہے۔
دوسری کتاب مثنوی معراج المضامین چھپی ہے۔ کلیات منیر کے طبع کے لئے کئی ہزار روپیہ
نواب کلب علی خاں بہادر نے مرحمت فرمایا تھا۔ کلام بہت پاکیزہ تھا۔ چند شعر منتخب کئے جاتے ہیں۔

بندہ ہوں اے منیر خدائے کریم کا ۔۔۔ صراف ہوں خزانۂ فیضِ عمیم کا

کعبے کے سامنے دل خانہ خراب تھا ۔۔۔ یہ جھونپڑا حضور محل کا جواب تھا

جائے انصاف ہے دم کیوں نہ گلے میں اٹکے ۔۔۔ اے اجل گھر ہے قریب رگِ گردن اُنکا

عجز و نخوت نے قدم جب حد سے باہر رکھدیا ۔۔۔ پاؤں پر سر میں نے اُسنے پاؤں سر پر رکھدیا

جب مری گردن پہ اُس نے کند خنجر رکھدیا ۔۔۔ باڑھ کے نیچے گراں جانی نے پتھر رکھدیا

رو کے بیٹھے تھے رہِ میکدہ ممبر والے ۔۔۔ جھومتی آگئیں قبلے سے گھٹائیں کیوں کر

نیند آتی ہے ہر ایک کو آغوش لحد میں ۔۔۔ شاید کہ اجل کہتی ہے افسانہ کسی کا

منیر نے اپنے دیوان میں ایک قصیدہ نواب صاحب کی تعریف میں لکھا ہے۔ اس میں
آپ کی علمی قدر دانیوں کا حال بھی لکھا ہے سرکاری اطبا کا مفصل حال لکھنے کے بعد شعرائے دربار
کے نام بھی نظم کئے ہیں۔

مجمعِ شاعران نامی ہے ۔۔۔ شاعری کی ہے گرم بازاری

بحر۔ منشی امیر اور بحر ۔۔۔ ہمسر انوری و مختاری

طبع پاک عروج و داغ سے ہے ۔۔۔ منفعل ابر کی گہر باری

ہے جلال و ضیا و شاغل سے ۔۔۔ محفلِ نظم جلوہ گر ساری

مثنوی میں صبا و خواجہ بشیر	رونق شاعری و نثاری
بدر شاہ و الٰہی ۔ غمی، غنی ہر دم	رہتے ہیں مدح خوان سرکاری
فارسی گو نثار شیرازی	تر زبانی میں ابر آزاری
فن تاریخ میں رسا ۔ منصور	جان صاحب کی ریختی پیاری

سب سے بڑھ کر منیر کو حاصل
بے کمالی وہرزہ گفتاری

اٹھارہ شاعروں کا ذکر تو منشی منیر نے کیا ہے جو درباری شاعر تھے ۔ لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے شاعر تھے ۔ جو وقتاً فوقتاً دربار میں داخل ہو گئے ۔

عرش مرحوم

سید محمد عسکری عرف میر کلو عرش خلف میر تقی میر یہی وہ شاعر ہے جس نے عمر بھر کسی رئیس کی درباداری نہیں کی، کسی کی شان میں قصیدہ نہیں کہا فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر دی ۔ باپ کی طرح نازک دماغ تھے ۔ ناسخیوں نے عرش سے مخالفت کی اور انکو ناسخ کا شاگرد مشہور کیا تو عرش نے ناسخ کے تمام سرقے کھولدئے ۔ اور اپنے شاگرد میر تراب علی عرف منجھو صاحب معروف بہ سپہرالدولہ ولد میر اکرام علی کے نام سے یہ اعتراض مشہور کئے جو آبحیات میں درج ہیں ان کے چند مخصوص شاگرد تھے ۔ انسب میر ابو طالب، انسخ میر تراب علی، انجم مرزا بندہ رضا، شیخ فدا علی عیش، میر سجاد حسین فلک، شیخ سرفراز علی قمر، شیخ محمد جان شاد، غدر کے بعد تباہی آئی گھر کا اسباب لٹ گیا ۔ مفتی گنج سے اُٹھ کر میاں الماس کے امام باڑے میں قیام کیا ۔ ایک روز کلام سنکر میر لکڑ باز بانکے نے سر برہنہ ہو کر کہا الٰہی عرش کو بھی میر کا مرتبہ عطا کر ۔ آپ کہنے لگے یہ کیا کہتے ہو عسرت تو مجھے میر سے زیادہ ملی ۔ رتبۂ شاعری میں میر سے کم نہیں ہوں ۱۲۹۶ھ میں انتقال کیا رکاب گنج میں دفن ہوئے ۔

ہوں وہ روشن دل کہ مرنے پر بھی میرا غم نہیں	بزم عالم میں چراغ کشتہ کا ماتم نہیں
سرو قد غیرت صد غنچہ دہن پتھر کے	بتکدے میں نظر آتے ہیں چمن پتھر کے
آسیا کہتی ہے ہر صبح بہ آواز بلند	رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کے
پھول اب رعشۂ پیری سے نہیں اٹھتا عرش	تو لتے تھے کبھی ان ہاتھوں سے من پتھر کے

یاران گذشتہ

اُردو زبان کی خدمت کرنے والے، زبان کے محفوظ رکھنے والے، محاورات کی پابندی پر لڑنے والے، تحقیق الفاظ میں کسی کی رو رعایت نہ کرنے والے، متروکات کی پابندی کرنیوالے اُردو کو اپنا موروثی مال بتانے والے، اصطلاحات پر قایم رہنے والے، شعر و شاعری کو زندہ رکھنے والے شعرا کس کس مپرسی کی حالت میں دنیا سے سفر کر جاتے ہیں۔ اور ہم کو خبر تک نہیں ہوتی۔ ابھی کل کی بات ہے جو لوگ ہمارے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ جنکی ذات سے شاعری کی زینت تھی۔ جو شمع بزم کلام تھے۔ جن کی خوش بیانی خوش گوئی کی ہم داد دیتے تھے۔ جن کی شاعری سرمایۂ ناز تھی۔ قبر کے تاریک گوشے میں سو رہے ہیں۔ نہ کوئی اُنکا دیوان مطبوعہ ہمارے پاس ہے کہ اُسی سے اُن کی یاد تازہ کریں نہ کوئی اُن کا تذکرہ ہے۔ جس سے ہمکو اُن کی موت زندگی کے واقعات معلوم ہوں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ میں نے قصد کیا ہے۔ کہ کبھی کبھی ایسے شعرا کا مختصر حال اور کچھ کلام منتخب لکھ کر صفحہ دنیا پر ان کی یادگار قایم رکھوں ورنہ کچھ مدت کے بعد غریبوں کے نام سے بھی کوئی واقف نہ رہیگا۔ مجھے اتنا موقع تو نہیں ملتا کہ اُن لوگوں کے واقعات تخلص کے لحاظ سے ردیف وار لکھوں۔ لیکن جن کے نام یاد آجاتے ہیں اور کوئی شعر ملجاتا ہے۔ نوٹ کر لیتا ہوں۔ اور وہی ناظرین کی دلچسپی کی غرض سے پیش کر دیتا ہوں۔ اسمیں ایسے لوگوں کا حال نہیں لکھا جائیگا۔ جن کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ یا دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔

بندے علی خاں صاحب زیبا لکھنوی، شاگرد نواب محمد حسن خاں صاحب رشید لکھنوی نہایت خوشگو شاعر تھے۔ اور لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے تخمیناً ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

ذکر جس غمزدے کا ہوتا ہے — دل یہ کہتا ہے ہوں ہمیں نہ کہیں
ناز اُٹھاتا ہے نازنینوں کے — دل بھی ہو جائے نازنیں نہ کہیں

شیخ فدا علی صاحب عیش لکھنوی، تلمیذ عرش دہلوی و خلیل لکھنوی ان کے پڑھنے کا انداز بہت اچھا تھا۔ شعر کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ نہایت خوشگو تھے۔ اگلی وضع تھی۔

چو گوشیہ ٹوپی پہنتے تھے۔ ۱۳۱۶ھ بہتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نثر بھی اچھی لکھتے تھے۔

روبکاری میں یہ مشکل ہے الٰہی کیسی — دیں گے اعضا مرے محشر میں گواہی کیسی
دل سے کیونکر نہ مجھے ابروئے قاتل ہو عزیز — قدر تلوار کی کرتے ہیں سپاہی کیسی
قدر نعمت کی مثل سچ ہی کہی بعد زوال
عیش اس عہد میں یاد آتی ہی شاہی کیسی

محمد حیات بخش صاحب رسا شاعر دربار رامپور تلمیذ داغ دہلوی تخمیناً ساٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

یہ نہ ہوگا اور کو چاہوں تمھارے سامنے — اور اگر چاہوں تو بیشک میں گنہگار نہیں ہوں
عشق کر کے ہائے کیا کیا اپنی رسوائی ہوئی — ہر گلی میں شور ہی بدنام بازار نہیں ہوں

سید ولایت احمد صاحب شمیم ریٹائرڈ انسپکٹر خیرآبادی تلمیذ امیر مینائی بہت یار باش آدمی تھے۔ تخمیناً ساٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

میری سی نہ غم دوست طبیعت ہو کسی کی — میں شوق سے لیتا ہوں مصیبت ہو کسی کی
کس ناز سے بولے وہ مرے دل کو دکھا کر — لے لے کوئی ہم سے جو امانت ہو کسی کی

حافظ عبدالاحد صاحب ماہ لکھنوی خلف عبداللہ خاں صاحب مہر لکھنوی تلمیذ مرزا اچھو بیگ عاشق لکھنوی خوشنویس تھے۔ کاپی اچھی لکھتے تھے۔ جوانی میں تپ دق میں مبتلا ہو کر کلکتہ میں انتقال فرمایا۔

یہ کیا خبر تھی کہ یوں دور آسماں ہوگا — کہ تجھ سا دوست طرفدار دشمناں ہوگا
بڑی مہم ہے یہ اللہ آبرو رکھ لے — سنا ہے چاہنے والوں کا امتحاں ہوگا
مزاج تک نہ دم نزع پوچھئے گا حضور — وہ کیا کہے گا جو کچھ دم کا میہماں ہوگا

شاہ قمر الدین حیدر آروی تلمیذ صفیر بلگرامی کسی قدر گراں گوش تھے شاعری کا بہت شوق تھا۔ کوئی مشاعرہ نہ چھوٹتا تھا۔ کچھ مدت ہوئی انتقال فرمایا۔

بزم سے اُٹھ کے چلونگا تو نکل جاؤں گا — میں کچھ ارمان عدو ہوں کہ نکل جاؤنگا
غم یاران گذشتہ کا عبث ہے شکوہ — وہ گئے آج جہاں سے تو میں کل جاؤنگا

مولوی علی میاں صاحب کامل لکھنوی کے ثقات شعرا میں ان کا شمار تھا۔ قصیدہ گو شاعر مشہور تھے۔ مرثیے بھی بہت تصنیف فرمائے۔ تمام اصناف سخن میں قادر تھے کلام پرمغز

ہوتا تھا۔ چھ سات برس ہوئے انتقال فرمایا۔ سن شریف ستر سال سے تجاوز کر گیا تھا۔ ؏

لے لے گئے سمجھ کے تبرک لحد کی خاک
اعمال نیک نے مری مٹی خراب کی

سید مہدی صاحب جدید لکھنوی برادر زادہ عشق بہت خوش گو شاعر تھے۔ تخمیناً سات برس ہوئے انتقال فرمایا۔ چالیس پینتالیس برس کی عمر تھی۔ ؏

یہ نیا رشک ہے غیروں کو ملال اچھا ہی
کہ مرے جاتے ہیں جب سے مرا حال اچھا ہی

کیسا شکوہ وہ دم نزع بھی پوچھیں تو کہوں
تم سلامت رہو اب تو مرا حال اچھا ہے

ان میں اکثر شاعر ایسے ہیں جن کے دیوان مرتب تھے لیکن طبع ہونیکی نوبت نہ آئی افسوس۔

جاوید ۔ سید محمد کاظم مرحوم خلف سید محمد جعفر اُمید مرحوم لکھنوی سنہ ۱۳۴۴ھ ساٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ غفران مآب کے امام باڑے میں مدفون ہوئے۔ مرثیہ بھی کہتے تھے۔ غزلوں کا دیوان مرتب ہوگیا تھا۔ شاعر خوش فکر تھے۔

شراب خوب ہی ساقی لالہ فام سے لوں
کچھ اپنے نام سے لوں کچھ تمھارے نام سے لوں

ہنس دیتے ہیں منھ پھیر کے وہ میری سرہانے
جب لوگ یہ کہتے ہیں خدا اسکو شفا دے

جی بھر کے آج آپکی صورت بھی دیکھ لوں
جب ذبح ہو رہا ہوں تو کیا ڈر عتاب کا

اک جماہی سی اُسے محفل میں آ کر رہ گئی
میں یہ سمجھا اک کلی تھی مسکرا کر رہ گئی

اب نہیں معلوم زخمی کون محفل میں ہوا
تیر کی آواز کچھ کانوں میں آ کر رہ گئی

اُنکو تو سہل ہے وہ غیر کے گھر جائیں گے
ہم جو اس در سے اُٹھیں گے تو کدھر جائیں گے

رات ہی تارے کہیں دیکھیں نہ حُسن دلفریب
صبح کو جانا مرے گھر سے ہوا کھاتے ہوئے

نہ منھ کو پھیر کے کر قتل رشک ہوتا ہے
میں دیکھتا ہوں تجھے دیکھتا ہے تو کس کو

اُمید ۔ سید محمد جعفر لکھنوی مرحوم خلف منصف الدولہ سید محمد باقر صاحب مرحوم معالی خاں کی سرا میں رہتے تھے۔ نواب عاشور علی خاں تلمیذ مصحفی کے شاگرد رشید تھے۔ تخمیناً چالیس برس کی عمر میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا۔

سر جھکانیکا مجھے اس آستاں پر ناز ہے
عرش جس درگاہ کا اک فرش پا انداز ہے

گلشن ایجاد میں شادی کا غم دمساز ہی
خندہ گل گریہ شبنم کی صاف آواز ہے

پہلے سے روتا ہی آتا ہے جو دنیا میں بشر
دیکھئے انجام کیا ہو جبکہ یہ آغاز ہے

چھپے سن سن کے کہتے ہیں یہ باہم نکتہ سنج
اب اُمید اس لکھنؤ میں بلبل شیراز ہے

امیر و داغ

منشی امیر احمد امیرؔ مینائی مرحوم لکھنوی اور نواب فصیح الملک داغؔ دہلوی اس آخری زمانے میں فلک شاعری کے آفتاب و ماہتاب تھے - دونوں شاعر وا ماہر تھے - ایک مضمون آفرینی کا دلدادہ تھا تو دوسرا زبان و معاملات کا فریفتہ - ان کے تاریخی حالات تو اور تذکرہ نویسوں نے لکھے ہیں - اور مکمل واقعات بھی لکھے گئے ہیں - اس لئے اس کی تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ دونوں کا مرتبہ شاعری میں کیا تھا -

اصل بات یہ ہے کہ یہ دونوں شاعر دنیائے اُردو کے لئے غنیمت تھے - زبان کی بہت خدمت کی - دونوں کا پایہ سخنوری بہت بلند تھا - منشی امیر احمد امیرؔ کے کلام میں نازک خیالیوں کیساتھ ساتھ شکوہ الفاظ کی شیرینی بھی ملی ہوئی تھی - معانی آفرینی میں ان کا مرتبہ کسی نازک خیال فارسی شاعر سے کم نہ تھا - اور عمدہ بات یہ تھی کہ باوجود شکوہ الفاظ و دقت پسندی کو وہ ناجائز رکھتے تھے - ان کے کلام کے سمجھنے میں کسی تاویل کی ضرورت نہ تھی - ان کی فکر سخن ایسی ہے جیسی ایک علامہ فن کی ہونی چاہئے - ان کے اکثر اشعار اپنے انداز بیان سے اہل فن کو مزا دیتے تھے - شوخی بیان گو کم تھی - مگر احاطہ تغزل سے کوئی شعر باہر نہ تھا -

نواب فصیح الملک داغؔ مرحوم بھی دہلی شاعر تھے اردو محاورات و اصطلاحات کو برمحل صرف کرنا ان کا حصہ تھا - اور خدا نے ان کی طبیعت کو شعر کے مناسب پیدا کیا تھا - اور وہ دہلی کے محاورات نظم کرتے تھے - لیکن اکثر تذکیر و تانیث کے جھگڑے میں وہ لکھنؤ کی تقلید کر جاتے تھے - جیسے "فکر" - "سانس" کو مونث نظم کیا ہے - اور یہ ایک اچھی بات ہے کہ دونوں زبانوں کا ایک مرکز ہو جائے - ایک کے محاورے کو دوسرا برا نہ سمجھے، حالانکہ محاورات اور تذکیر و تانیث کے صرف بعض الفاظ میں کچھ جزوی اختلاف ہے - ایسا اختلاف لکھنؤ کے بعض ثقات کے کلام میں بھی موجود ہے - اس سے تو تحقیقات کو فائدہ پہنچتا ہے - بہرحال دونوں استادوں کے کلام سے زبان دہلی و لکھنؤ کا صحیح پتہ چلتا ہے - داغؔ کے کلام میں عربی فارسی الفاظ کا استعمال کثرت سے نہیں ہے - اور معاملہ بندی میں وہ اپنا مثل نہیں رکھتے تھے دونوں کا کلام اپنی اپنی آن رکھتا ہے - ملاحظہ ہو -

امیر۔ آہوں سے سوز عشق مٹایا نہ جائیگا آندھی سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

اس میں آہوں کو آندھی سے اور سوز عشق کو چراغ سے استعارہ کیا ہے ۔

داغ ۔ دل لیکے اس کی بزم میں جایا نہ جائیگا یہ مدعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا

داغ نے اس مطلع میں مدعی کو دشمن کے معنی پر صرف کیا ہے ۔جو محض مہمل ہے ۔یہ خاص محاورہ اہل زبان کا ہے ۔

امیر۔ گھر میں تمھارے غیر سے جایا نہ جائیگا آغوش نور میں کبھی سایا نہ جائے گا

داغ۔ اس بزم میں شریک تو جایا نہ جائے گا میں جاؤں گا اگر مرا سایا نہ جائے گا

امیر۔ لاؤں میں اس سے دل میں کدورت محال ہے یہ لال خاک میں تو ملایا نہ جائے گا

داغ دل کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقیں تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

امیر چلو ہی سے پلا دے مجھے ساقیا شراب ہوں ناتوان جام اٹھایا نہ جائے گا

داغ فتنہ نہیں ہوں جس کو اٹھایا کرے فلک مجھ سے گرے ہوئے کو اٹھایا نہ جائے گا

بیقرار دل اور اختیار دل میں بھی دونوں نے غزلیں کہکر داد سخن دی ہے ۔

امیر جاتا تو اس کے کوچہ میں ہے بار بار دل کھائے نہ چوٹ یاس کی اُمیدوار دل

امیر نے یاس کی چوٹ میں بہت نزاکت پیدا کی ہے ۔

داغ مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل

کیا برجستہ مطلع نکلا ہے ۔

امیر بزم وصال ہے کہ کوئی صید گاہ ہے میرے شکار تم ہو تمھارا شکار دل

داغ یہ صید گاہ عشق ہے ٹھہرا ئیے نگاہ صیاد مضطرب سے نہ ہوگا شکار دل

امیر تسکین دے تصور جاناں کسے کسے بیتاب ادھر ہے جان ادھر بیقرار دل

داغ تاثیر عشق ہے یہ ترے عہد حسن میں مٹی کا بھی بنائیں تو ہو بے قرار دل

امیر ٹھنڈی ہیں اسکے آگے حسینوں کی گرمیاں پتلا ہے شوخیوں کا مرا بے قرار دل

داغ اُس نے کہا ہے صبر پڑے گا رقیب کا لے اور بے قرار ہوا بے قرار دل

مزاروں میں غمگساروں میں کہتے ہیں ۔

امیر وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی میرے غمگسار دنیں فقط اک دل ہی سو وہ بھی تمھارے جان نثار دنیں

داغ رہے گا کوئی تو تیغ دو دم کے یادگار دنیں مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزار دنیں

امیر: چلے ساقی ہنسے بولے اگر آئی ہی یا رو نہیں — دُلھن بنکر نہ بیٹھے دخترِ رز بادہ خارو نہیں
داغ: کسی کی نرگسِ مخمور کہدے کچھ اشارو نہیں — مزہ ہے رات دن چلتی رہی پرہیز گارو نہیں

انتخاب کلام امیر

حسنِ مطلق کا ازل کے دن سے میں دیوانہ تھا — لامکاں کہتے ہیں جس کو وہ مرا کاشانہ تھا
باغِ عالم کا تماشا باعثِ غفلت ہوا — دیکھنا آنکھوں کا کانوں کیلئے افسانہ تھا
وصل ہوتا کس طرح خلوت کہاں تھی رات کو — پھول تھے نرگس کے رکھے شمع تھی پروانہ تھا
دیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخِ حرم — آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بت خانہ تھا
میں پُرانا مست ہوں جنت مرا کاشانہ تھا — (مطلع) حورِ ساقی چشمہ کوثر مرا پیمانہ تھا
دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر — تھا انا الحق حق مگر اک حرفِ گستاخانہ تھا

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا — یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا
میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہدوں — اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

مو باف کھل گیا ہے کسی گلعذار کا — آنچل لٹک رہا ہے عروسِ بہار کا
جھونکا ادھر نہ آئے نسیمِ بہار کا — نازک بہت ہے پھول چراغِ مزار کا

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا — درد اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانہ دل کا

کیا میں اے پردہ نشیں قتل کا خواہاں ہوتا — شرم آتی تجھے خنجر بھی جو عریاں ہوتا
درد ہی تھا دلِ بیمار کا غمخوار قدیم — اب یہ صورت ہے کہ وہ بھی نہیں پرساں ہوتا
جب وہی حور نہیں خلد میں تو داورِ حشر — جھونک دیتا مجھے دوزخ میں تو احساں ہوتا

حیا بولی اُبھرا جو جوبن کسی کا — مٹا دوں گی میں چلبلا پن کسی کا
رقیبوں سے وہ خوش رقیب اُنسے راضی — بُرا کہہ کے میں کیوں ہوں دشمن کسی کا
شباب آچکا اب کسے دیکھتا ہے
امیر اُٹھ کے ہر بار جوبن کسی کا

مرے پھوڑوں میں کیا ہے موقع ہنسی کا — نہ اتنا بھی بے درد ہو دل کسی کا

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر — سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر
قطرۂ اشک بنے گوہرِ گوشِ جاناں — آبرو اتنی تو اے دیدۂ تر پیدا کر

کونسی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں
شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

تری سفاکیاں پہنچیں یہاں تک
کہ ڈرتی ہے حیات جاوداں تک

کڑی ہے اسقدر منزل عدم کی
کہ مرمر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

بہار آخر ہے اور میں بے پر و بال
قفس سے ڈاک بیٹھے آشیاں تک

ہزاروں حسرتوں کا ہو گیا خون
کہاں تک پاس رسوائی کہاں تک

کہاں ہم اے امیرؔ اب اور کہاں داغؔ
یہ جلسے ہو چکے خلد آشیاں تک

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریدار وں نہیں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

حشر میں اتنا کہوں گا اس سے میں محروم وصل
پاکدامن تو ہے میں کیونکر گنہگاروں نہیں ہوں

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں نہیں ہوں

زاہدو کافی ہے اتنی بات بخشش کیلئے
اس کو شوقِ مغفرت ہے میں گنہگاروں نہیں ہوں

پھول میں پھولوں نہیں ہوں کانٹا ہوں کانٹوں نہیں امیرؔ
یار میں یاروں نہیں ہوں عیار عیاروں میں ہوں

ضبط کرنا دل حسزیں نہ کہیں
چوٹ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

کلیاں یہ سرخ سرخ نہیں لالہ زار میں
مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں

پڑ گئی کیا لوٹ یارب گلشن ایجاد میں
دستِ گلچیں میں ہے گل بلبل کفِ صیاد میں

گزشتہ خاک نشینوں کا یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشان سر مزار ہوں میں

نگاہ گرم سے مجکو نہ دیکھ اے دوزخ
خبر نہیں تجھے کس کا گناہگار ہوں میں

زمین قصر سلاطیں سے آرہی ہے صدا
کہ آج منزلِ عشرت ہوں کل مزار ہوں میں

پھر اسکی شان کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہگار یہ کہدے گناہگار ہوں میں

بانکی ادا ہے وہ نگہ خشم گیں نہیں
غمزہ چھری لئے ہے وہ چین جبیں نہیں

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں سب چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

شوخی تھی قیامت، تری مستانہ ادا میں
فتنوں نے قدم چوم لئے لغزشِ پا میں

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
سادگی زیور ہے اس سن کیلئے

دختِ رز سے پاک دامن چاہیئے
شیخ جی سے پاک باطن کے لئے

مجھ سے رخصت ہو مرا عہدِ شباب
یا خدا رکھنا نہ اسدن کے لئے

لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیرؔ — آئے تھے دنیا میں اس دن کیلئے

انتخاب کلام داغ

کیا لطف ستم یوں انھیں حاصل نہیں ہوتا — غنچے کو وہ ملتے ہیں اگر دل نہیں ہوتا

جس نے ہمارے دل کا نمونہ دکھا دیا — اُس آئینے کو خاک میں اُس نے ملا دیا

دیکھ لے گا یہ مزا حشر میں جو جائے گا — آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

جب جوانی کا مزا جاتا رہا — زندگانی کا مزا جاتا رہا

صبر اے زاہد نافہم نہ مے خاروں کا — بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہگاروں کا

گر میرے بت ہوش رُبا کو نہیں دیکھا — اُس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا

اتنا تو بتا دے مجھے اے ناصح مشفق — دیکھا ہے کہ اُس ماہ لقا کو نہیں دیکھا

جب داغؔ کو ڈھونڈھا کسی بتخانہ میں پایا — گھر میں کبھی اُس مرد خدا کو نہیں دیکھا

دونوں دشمن ہیں بشر کے آسماں ہو یا زمیں — فتنہ گر بالائے سر ہے تو ستمگر زیر پا

آج راہی جہاں سے داغؔ ہوا — خانۂ عشق بے چراغ ہوا

کیوں صرفہ نگاہ مری جان ہو گیا — میں بت پرستیوں سے مسلمان ہو گیا

کوستا ہوں جو نصیبوں کو تو کہتا ہے وہ شوخ — پھر محبت نہ کریگا اگر انساں ہوگا

زندگی عشق میں مشکل ہے تو مر جائینگے — اب سے وہ کام کرینگے کہ جو آساں ہوگا

سو حسرتیں تو آئیں گیا ایک دل گیا — ملنا تھا جو مجھے مری قسمت کا مل گیا

جو سر میں زلف کا سودا تھا اسے نکال دیا — بلا ہوں میں بھی کہ آئی بلا کو ٹال دیا

ہوا ہے جب سے شہرہ اس عدوئے دین و ایماں کا — کوئی دل چھیڑ کر دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا

سر محفل مجھی سے تجھ کو ظالم پردہ کرنا تھا — پھر اس پر یہ قیامت غیر کے دامن سے منہ ڈھکنا

نہ لیں تو کفر ہے تیرے تجھی غضب خدا کا — اے داغؔ سوئے کعبہ پھر مانگنا دعا کا

جب راہ سے وہ گذرے ڈالی بنائے محشر — فتنہ بنا نگہباں ہر چشم نقش پا کا

دست ہوس بڑھا کر کیوں مرتبہ گھٹایا — سمجھی نہ یہ زلیخا دامن ہے پارسا کا

ہے مجھ کو خبر رات کو جو تیرے قریں تھا — میں گر چہ نہ تھا پاس مرا دل تو وہیں تھا

تفرقہ پرواز بھی کیا آنکھ اس صیاد کی — مجھ میں اور دل میں مرے پلّہ ہی سو سو تیر کا

شب فراق جو دست دعا بلند ہوا
ندائیں آئیں کہ باب قبول بند ہوا

نفس کے آنے جانے پر بشر کی زندگی ٹھہری
یہ پوچھو تو مسافر تو نے کیا لطف سفر پایا

وہ میرا چھیڑنا آغاز الفت میں شرارت سے
وہ رکھ کر ہاتھ کانوں پر ترا کہنا کہ بھر پایا

شمع پر سنگ کے تکیے بھی بغل میں دابے
گرم جب بھی تو شب ہجر میں پہلو نہ ہوا

آئینہ تصویر کا تیرے نہ لیکر رکھ دیا
بوسے لینے کے لئے کعبے میں پتھر رکھ دیا

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمھیں منصفی سے کہدو تمھیں اعتبار ہوتا

یہ مزا تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لیکے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

دیکھا ہے بتکدہ میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

دی موذن نے شب وصل اذاں پچھلی رات
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

کیا کہوں تیرے تغافل نے حیا نے کیا کیا
اس ادا نے کیا کیا اور اُس ادا نے کیا کیا

راز دل کوئی کہے لاکھ میں کیوں کر اپنا
داور حشر جدا چاہیئے محشر اپنا

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
انکی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

جب کہا اور بھی دنیا میں حسیں اچھے ہیں
کیا ہی جھنجلا کے وہ بولے کہ ہمیں اچھے ہیں

حضرتِ دل آپ ہیں کس دھیان میں
مرگئے لاکھوں اسی ارمان میں

دل ہی تو ہے نہ آئے کیوں دم ہی تو ہے نہ جائے کیوں
ہمکو خدا جو صبر دے تجھسا حسین بنائے کیوں

دست گلچیں سے چھٹا آیا کفِ صیاد میں
میں گل بازی ہوں کیا اس گلشن ایجاد میں

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

رہیگا کوئی تو تیغ ستم کی یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھ کو
اور پھر ڈھونڈھتے گھبرائے ہوئے تم مجھکو

مجھکو جنت میں نہ راحت ہوگی
گر یہی دل ہی قسمت ہوگی

اس انجمن سے بہت بیوقار ہو کے چلے
سرور ہو کے ہم آئے خمار ہو کے چلے

جان عالم کی شاعری

حضرت قدر قدرت ابو منصور سکندر جاہ ناصر الدین قیصر زماں سلطان عالم محمد واجد علی شاہ جانعالم علاوہ اور تمام علوم فنون کے گلشن شاعری کی بھی گلگشت کیا کرتے تھے اور اسمیں بہت کچھ گلکاری کی ہے۔ نظم کے ہر صینے میں داد سخن دی ہے۔

تمام ہندوستان کے مشہور شاعروں سے صحبت گرم رہتی تھی۔ خاص مصاحبین اچھے اچھے نامی شاعر تھے۔ خواجہ آفتاب الدولہ ارشد علی خاں قلق عرف خواجہ اسد قلق۔ فتیح الدولہ بخشی الملک میرزا محمد رضا برق۔ تدبیر الدولہ مدبر الملک مظفر علی خاں بہادر اسیر۔ گلشن الدولہ بہار

اس کے علاوہ صحبت مشاعرہ میں منتخب شعرا شریک ہوتے تھے وہ زمانہ اُردو شاعری کے شباب کا تھا۔ زبان کے قواعد۔ محاورات کی پابندی۔ متروکات کا لحاظ۔ ثقیل اور غلط الفاظ کی بندش سے پرہیز کا دور دورا تھا۔ پھر ہمعصر شعرا میں شیخ امام بخش ناسخ۔ خواجہ حیدر علی آتش۔ خواجہ وزیر وزیر۔ شیخ مستیا عیش۔ کپتان مقبو الدولہ قبول۔ آغا حجو شرف۔ الہ یار خاں سحاب۔ میر جان خاں یکتا۔ میر محمدی سپہر۔ میر امداد علی بحر۔ اصغر علی خاں نسیم۔ میر علی اوسط رشک۔ امیر علی خاں ہلال۔ نواب حسین علی خاں اثر۔ مہدی حسن خاں آباد۔ میر وزیر صبا۔ میر دوست علی خلیل۔ میر کلو عرش۔ شیخ محمد جان شاد پیر و سیر۔ شیخ امان علی خاں سحر۔ ایسے ایسے باکمال استاد فن موجود تھے۔ شاعر تو شاعر امرا میں بھی اس فن کی طرف کمال رغبت پائی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ کوئی امیر اس فن کے اکتساب سے خالی نہ تھا۔ اور تمام شہزادگان والاتبار اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صاحب عالم شہزادہ مرزا سلیمان قدر تسخیر۔ جرنیل مرزا فریدوں قدر۔ مرزا ہنر بر علی خاں ہنر بر۔ کیواں قدر ہمایوں جاہ قیصر حشم ولی عہد مرزا حامد علی خاں بہادر کوکب۔ شرف الدولہ منتظم الملک محمد ابراہیم خاں مستقیم جنگ خلیل۔ راجہ مقیم الدولہ سحر۔ نواب ممتاز الدولہ تاثیر۔ نواب سید محمد خاں رند فقیر محمد گویا۔ حسین علی خاں جویا۔ راجہ جواہر سنگھ جوہر۔ نواب طالب علی خاں عیشی۔ مہاراجہ گوپال سنگھ ثاقب۔ نواب عاشور علی خاں عاشور۔ غرض لکھنؤ میں شاعری کا اچھا خاصا باغ لگا ہوا تھا۔ جس میں طرح طرح کے گل بوٹے کھلے۔ اور عجیب عجیب بلبل چہکتے ہوئے نظر آتے تھے

بادشاہ کی قدردانی کے لحاظ سے خاص و عام میں یہ اسپرٹ بھری ہوئی تھی۔ جس کو دیکھئے شاعر۔ جس کو سنئے شاعر۔ دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے لکھنؤ کی زبان مستند اور مقبول عام بھی۔ اور دلی کا ٹوٹا ہوا مجمع بھی اسی دربار میں فروغ حاصل کر رہا تھا۔

محلات میں تمام بیگمات کو اگرچہ فیاض ازل سے سخن فہمی اور سخن گوئی کا حصہ ملا تھا۔ لیکن بعض بعض بیگمیں زبان اور محاورات کے لحاظ سے نظم کی لڑیوں میں موتی پروتی تھیں ان میں ملکہ مخدرہ عظمیٰ نواب بادشاہ محل صاحبہ عرف نواب خاص محل صاحبہ عالم کا نمبر سب سے اول تھا۔ ان کی تصنیف سے ایک دیوان بیاض عشاق اور ایک مثنوی بہت پیاری زبان میں مطبوعہ موجود ہے ان کے علاوہ حضور عالیہ ملکہ اودھ اختر محل نواب رونق آرا بیگم بنت نواب علی نقی خاں تاج النسا، نواب معشوق محل صاحبہ، ملکہ مہرتن افسر النسا، نواب نشاط محل صاحبہ نواب زیب محل صاحبہ وغیرہ وغیرہ اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

شاہ اختر کا شاعری میں معجز نمائی کرنا ایک لازمی فعل تھا۔ بادشاہ کا مذاق شاعری ایک نفیس اور اچھوتا پہلو لئے ہوئے تھا۔ تحصیل فن کے اعتبار سے عروض میں اردو کی کتاب "جو العروض" خود ان کی تصنیف کی ہوئی اور دوسری کتاب ارشاد خاقانی شاہدین عادلین ہیں۔

اصل بات یہ ہے کم سے کم علمی مذاق کے ہر شعبے میں ایک نہ ایک تصنیف بادشاہ کی موجود ہے۔ پند و نصایح میں "نصایح اختری" اخلاق میں "مناظرہ بین النفس والعقل" مراثی میں "دفتر غم" مجربات خاص میں "مجموعہ واجدیہ" علم موسیقی میں "ناجو" "دلھن" اور "بنی" مثنویات میں "سرور خاقانی"۔ "حزن اختری"۔ "دریائے تعشق" "بحر الفت" ناجات و شقہ جات میں "ملک اختر" خطابات میں "مثنوی بحر مختلف" عروض میں "جو العروض" "ارشاد خاقانی" غزلیات میں چھ دیوان ضخیم اس کے علاوہ اور بہت سے مختلف فنون کی کتابیں ہیں۔ طرز کلام زیادہ تر میر و مرزا کے انداز شاعری سے ملتا جلتا تھا۔ شاعری میں بڑے بڑے سخن فہم شاعر پکار اٹھتے تھے۔ "خداوندا یہ شاعری نہیں سحر ہے اعجاز ہے۔"

فارسی ترکیبوں کے جملے ایک جدید شان سے چھلکتے تھے۔

اصناف سخن میں صرف قصیدے ایک ایسی چیز ہیں۔ جن کے لکھنے کی بادشاہ کو احتیاج نہ تھی۔ آخر وہ بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کی شان میں لکھے۔

مرثیوں میں اگرچہ نازک خیالی اور شاعرانہ تخیلات نہیں۔ لیکن احادیث کا ہو بہو ترجمہ

اور سادی عبارت کچھ عجب مزا دیتی ہے۔

زمانہ ولی عہدی سے غزل گوئی کا شوق ہوا۔ عروض و قافیئے کے رسالے ازبر کئے مشکل سے مشکل بحروں میں بغیر کسی کی اصلاح کے موتی پروئے۔ اور شاعریں غزل پڑھی۔ بہت سے سخن فہم شاگرد ہوئے۔ مہتاب الدولہ رخشاں۔ تعیش الدولہ عیش۔ منشی مظفر علی ہنر۔ مرزا محمد عباس شاد۔ لایق الدولہ شاہد اور شیر وغیرہ وغیرہ کو برسوں اصلاح دی۔ غزل میں جو لفظ بنا یا پتھر کی لکیر ہوگیا۔ جب زمام سلطنت ہاتھ میں لی۔ شعر وسخن کا چرچہ بہت کم ہوگیا تھا۔ مگر باوجود اس کے دو منشی تصنیفات کی تحریر پر ملازم تھے۔ عہد سلطنت کا ذکر ہے منشی امیر اللہ تسلیم نے جو علاوہ شاعر ہونے کے خوشنویس بے بدل تھے۔ ایک عرضیہ حضرت ابوالمنصور کی خدمت میں نظم میں نہایت خوشخط پیش کیا اتفاق وقت سے حضور کی نظر اُس عرضداشت پر پڑ گئی۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بعد ملاحظہ شرح دستخط نظم لکھوائی وہ اشعار یہ ہیں۔

بشنو اے خوشنویس اے خوشگو　　ہر دو فن سے کنی و ہر دو نکو

اسم تو مندرج بہ دفتر شد　　بست و دہ روپیہ مقرر شد

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضور اُردو نظم میں قادر الکلام تھے اُسی طرح فارسی میں بھی برجستہ فی البدیہ کہتے تھے۔

بادشاہوں کا کلام اس سبب سے لوگ کم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی شاعری تعریف کی بوچھار سے کمال کی حد تک نہیں پہنچنے پاتی اور مصاحبین کی بیجا خوشامد سے پختہ کلامی اور کہنہ مشقی نہیں آنے پاتی۔ مگر شاہ اختر کا کلام اس عیب سے بری تھا وہ اپنے کلام کو ہمیشہ نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انکو یہ شک ہمیشہ دامنگیر رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی نقص شاعری کلام میں رہ جائے۔ اور چونکہ خود سخن فہم تھے۔ اسی سبب سے ایسے ویسے شاعر کی غزل ان کے مشاعرے میں مشکل سے مدح کی مستحق ہوتی تھی۔ دوسرے اہل کمال کا کثیر مجمع آپس کے چشمک سے ہر اک محک امتحان بنا ہوا تھا۔ کوئی لفظ بے محل صرف کیا اور شاعر نظر سے گر گیا۔ ایسا ویسا شاعر تو سامنے منھ نہیں کھول سکتا تھا۔ آتش و ناسخ کی چوٹیں۔ برق اور رشک کی نوک جھونک اکتساب فن کے واسطے کیا کم تھیں۔

ایک مرتبہ ایک شاعر نے ایک شعر مثالیہ پڑھا۔

اہلِ جوہر نہیں جھکتے ہیں کسی کے آگے ٹوٹتی ہے وہی تلوار جو فولادی ہے

حضرت نے بہت پسند فرمایا اور تمام مشاعرے نے داد دی۔ دوسرے مشاعرے میں ان کے حریف نے اسی کے جواب میں ایک شعر کہا جو عام پسند ہوا۔

نیک و بد سب سے جھک کے ملتے ہیں دونوں ناکوں پہ تیغ کستی ہے

اسی طرح ہر مشاعرے میں نوک جھونک اشارتاً و کنایتاً چوٹیں فی البدیہ اشعار ہوا کرتے تھے اور داد سخن ملتی تھی۔ لیکن جانعالم نے تو باوجود مشاغل امور سلطنت کے جو کچھ فرمایا آویزہ گوش خلایق ہوا۔ ہر غزل مقبول خاص و عام تھی۔

مشکل سے مشکل اور سنگلاخ زمین آپ کے دریائے فکر کے آگے پانی تھی۔ ہر پہلو پر جزئیات بلاغت کا خیال رہتا تھا۔ پھر تشبیہات و استعارات کی ملمع کاری نورٌ علیٰ نور۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے تمام کلام پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو معنوی خوبیاں اور عمدہ تخیل کے سمندر موج زن نظر آئیں گے۔

جزئیات پر خیال کیجئے تو قلیل استعمال قافیئے اس شائستہ پہلو سے نظم کئے ہیں جن سے بہتر کہنا غیر ممکن ہے۔

بندے کو اسکے عشق ہے ذات و صفات کا سبدع حقیقتاً ہے وہ کل کائنات کا

حمد میں صفات و کائنات کے قلیل الاستعمال قافیئے کس عمدہ تخیل کیساتھ ادا کئے ہیں۔

ناقوسِ برہمن سے صدائے اذاں سُنی مسجد سے میں نے قصد کیا سومنات کا

توحید پرستی کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا تھا۔

جا سے بیجا ہو گئے کس کا رہا مسکن بجا عشق کی منزل سے کب ہیں دوست اور دشمن بجا

رشکِ پائے یار سے پامال ہیں اہلِ فرنگ ٹھوکروں سے اس بتِ خودکام کی ارگن بجا

رہروِ ملکِ عدم کا حال کچھ کھلتا نہیں اے جرس اس قافلے پر ہے تراشیون بجا

مذکورۂ بالا اشعار میں خوبی معانی اور شوکت کے علاوہ ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کی ہر ردیف کے جدا جدا معانی پیدا ہوتے ہیں۔ مطلع میں "بجا" کے معنی ٹھکانے کے لئے گئے ہیں۔ یعنی "بر جائے خود" دوسرے شعر میں "بجا" نواختن کے معنی پر نظم ہوا ہے تیسرے شعر میں "بجا" درست، اور صحیح کے معنی دیتا ہے۔

ابرو کا کوئی مجھ پر اب وار نہ ٹھہرے گا وہ ترک بھی عاری ہے زنہار نہ ٹھہرےگا

کانٹا ترے تلوؤں کا آنکھوں سے نکالیں گے　　کھٹکا ہے نگاہوں میں یہ خار نہ ٹھہرے گا
ٹٹ پونجیوں کا اختر سچا نہیں دور ہے　　دو کان اُٹھا ڈالو بازار نہ ٹھہرے گا

بعض بعض مقام پر رعایت لفظی کو آپ نے صرف کیا ہے لیکن اس میں رعایت معنوی کا خوبصورت پہلو مستتر ہے۔

ساون کی طرح ہجر میں مینھ آنکھوں سے برسا　　بجلی کا پڑا وصل میں کچھ نور نظر سا
پایا نہ کوئی چاہِ ذقن دیدۂ تر سا　　چشموں نے بہت کھینچے ہیں اشکوں کا چرسا
کس کی نظر صاف کی تاثیر ہوئی ہے　　اختر کو نہ دیکھا تھا کبھی ہم نے قمر سا

ابلق شب کو اگر یار نے موڑا ہوتا　　توسن عمر رواں پر مرا کوڑا ہوتا
بیکلی سے ہوا بیکل ترا نازک شانہ　　طفل غنچہ کے نہ کانوں کو مروڑا ہوتا

خاص لکھنؤ کی زبان اور محاورات جو بادشاہ کے کلام میں پائے جاتے ہیں وہ بہت معتبر اور مستند ہیں۔ جس موقع پر جو جملہ استعمال کیا جاتا ہے اُسی پہلو سے نظم کیا ہے۔ مثلاً

ترانہ گل کا جو بیکِ صبا نے سکھلایا　　چمن میں نغمۂ بلبل کو میں اُڑا لایا

پر پتنگوں کے جلا کر صبحدم گل کر دیا　　بزم عالم میں یہی کیا شمع کا محصول تھا

زندگی تخت پہ کی مر کے گئے قبر میں شاہ　　فکر آغاز میں ہوتا ہے یہ انجام نصیب

بدن صاف پہ رنگینی دکھاؤ صاحب　　قول ہارے ہو تو گل پھلو نکے کھاؤ صاحب
کہیں تارِ نظر بد نہ نزاکت پہ پڑے　　بال کی اوٹ میں جاتے ہو تو جاؤ صاحب

وہاں مہنال لب پر ہے دھواں غم کا یہاں دل میں　　جلے گا چنبر گردوں حسینوں ان فرینوں پر

روتا ہوں مرا اشک ہے قلزم کے برابر　　خاموش ہوں لیکن ہے تکلم کے برابر

بعض بعض اشعار سے آپ کی طرز معاشرت و علوئے ہمت کا پتہ بھی چلتا ہے۔

مذمت زر پرستی

پھپتی ہے زنِ حاملہ کی زر جو رکھے دوست　　ہتھیلی کا یقیں صاف ہوا مجکو دنی پر

نوشتۂ تقدیر

یہ عشق ترے حسن سے قسمت میں لکھا ہی　　افسوس نہیں چاہیے ہمکو شدنی پر

نکالوں کسطرح دل سے تری مژگانکے تیروں کو　　مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

غم پیری

دل بھی کمھلاتے ہیں جوں جوں بال توتی ہیں سفید ——— بلبلیں بھی سرد ہوں موسم ہے پت جھڑ کا اگر
اے جوانو اب ضعیفی ہے ہماری ان دنوں ——— پھینک دیتی ہی ہمیں باد بہاری ان دنوں

پابند علایق

فقط دل سے ہیں اے اعضائے رئیسہ ——— کرے سلطاں نہ آزادی کی خواہش

مذمت دنیا

ترک ہے دنیائے دوں کنج قناعت ہے قبول ——— یہ زن قحبہ ہے اختر کیا چھنالوں سے غرض
عیش دنیا بزم غم اندوز ہو ——— رنج و غم توام مجھے ہر روز ہو

عشق حقیقی

کچھ نہیں اختر مجھے عشق مجازی سے حصول ——— ابتو معشوق حقیقی سے ہے اپنا اختلاط
جو معشوق حقیقی ہے مجھے اسکی غلامی ہے ——— وہ آقا ہے کہ سرنامہ پہ جسکا نام نامی ہے

تعریف سخن

یہ شاعری ہے نسخۂ اکسیر سے سوا ——— اب میں چھپاؤں خاک ہوا سب میں منکشف
مرے مضموں عروس شب میں یوسے سجیلے ہیں ——— وہ مشاطہ ہوں میں میرے سب سب نکیلے ہیں
اختر یہ فقط زور طبیعت ہے دکھانا ——— اشعار کا انداز ہے نو طرز مرصع

خضوع و خشوع

ہم نماز و نمیں جو بے آس کھڑے رہتے ہیں ——— سامنے چشم کے وسواس کھڑے رہتے ہیں
کیونماز و نمیں نہ زاہد حسن کا مشتاق ہو ——— ایسی کب تکلیف دی ہے عشق نے جو شاق ہو

توحید

چشم وحدت میں وہ معشوق جولاثانی ہے ——— حلقۂ چشم بھی اک خانۂ سلطانی ہے
شاہد اصلی مجھے مقصود ہے ——— کعبۂ دل میں وہی معبود ہے
دونوں عنقے ہیں تری وحدت پہ دال ——— جب دوئی سے انکو دیکھا فرد ہے
وہ جو معشوق حقیقی حسن میں موصوف ہے ——— عشق میں عاشق بھی اسکا شہر میں معروف ہے

تجرد

دفتر عالم میں بس وہ فرد ہے ——— جو مجرد اس چمن میں مرد ہے

مختلف مضامین

مے رنگیں پہ لاکھوں کاسہ سرچو رہوتے ہیں
رخ ساقی سے یہ مینوش سب مخمور ہوتے ہیں

پردہ نشیں سمائے دل ناشناس ہیں
آتی نہیں یہ بات ہمارے قیاس ہیں

تولد بچہ افعی ہو بد فرزند کے بدلے
اٹھالے باپ کو یارب سعادتمند کے بدلے

رکھتو نہیں زاہدا اتنی تجھے تشکیک ہے
وسوسہ ہوئے ہیان یار سے باریک ہے

ڈھونڈ لائینگے سیہ بختی ہیں ہم تار کمر
مشعل مضموں سے روشن کو شک تاریک ہے

اگر محراب ابرو بت کی ہے تو آنکھ ساحر ہے
مسلمانی بظاہر ہے مگر باطن ہیں کافر ہے

کھلے گی تختہ کاغذ پہ سرخی خون شاعر کی
قلم تیغ مضامیں سے یہ سر ہو جائے حاضر ہے

گو یہ گنجینہ جواہر وزواہر شباب کی شاعری کا ایک مختصر انتخاب لاتی دُرشاہوار سے کم نہیں لیکن اگر زمانہ نے مہلت دی تو آئندہ "دیوان قمر مضمون"۔ "دیوان مبارک" "دفتر ہمایوں" "دفتر پریشاں"۔ "سخن اشرف"۔ "کلیات اختری" کا انتخاب لکھا جائے گا۔

زیادہ تر افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر تصانیف کا قلمی ذخیرہ جسکو سلطان عالم خزینہ زرد جواہر سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ زوال سلطنت کے ساتھ ساتھ سفر میں گم ہو گیا۔

مثنوی میں "سرور خاقانی" ایک ایسی مثنوی ہے جس میں بادشاہ نے اپنی عاشقی کی سرگذشت لکھی ہے۔ اور واقعات کے لحاظ سے بہت دلچسپ ہے۔ ممتوعہ بیگمات کے ابتدائی تعلقات اور متعہ کے قصہ طلب واقعات کو بالتصریح نظم فرمایا ہے۔

افسوس ہے ذی ہنر، قدردان اہل فن، اکمل دوراں، سخن سنج، عادل، غریب پرور، رحمدل، بادشاہ، گلشن ہند کا بلبل ہزار داستان، لکھنؤ کا راجہ اندر، فریدوں فر جمشید قدر سکندر بخت، نوشیروان زماں دفعتہً اپنے تاج و تخت سے جدا ہو کر کلکتے گے "مٹیا برج" میں "امام باڑہ سبطین آباد" کی مختصر قطع زمین پر غربت کی میٹھی نیند سو رہا ہے۔ جہاں سوائے معصیت کے کوئی فاتحہ خیر پڑھنے والا نظر نہیں آتا۔ اور یہ کیونکر یقین آئے کہ مرنے کے بعد ان کو دنیا کے تمام جھگڑوں سے نجات ہو گئی اور وہ کنج مرقد میں عیش سے آرام پذیر ہوں۔ کیونکہ ؎

بھلا کیا خاک آئے چین اُسکو کنج مرقد میں
رہا ہو جس کے سر کا تکیہ دوش نازنیں برسوں

مشاہیر شعرا کے مزار

میں اہل دہلی کا اس بات میں معترف ہوں کہ ان میں بیداری پیدا ہو چلی ہے وہ اپنے تاریخی روایات کو قایم رکھنا چاہتے ہیں اور پرانی یادگار انکی قدر کرتے ہیں۔ آج کل لوگوں کو غالب کے مزار کی فکر دامن گیر ہے۔ اور سب طرف سے آوازیں آرہی ہیں بہ خلاف اسکے ہمارے بے فکر لکھنؤ کو دیکھئے جیسے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں وہی آزادی وہی بے فکری ہے جو شاہی میں تھی۔ اگر غور کیا جائے تو ایسی یادگاروں کے قایم کرنے کی زیادہ ضرورت لکھنؤ میں ہے جہاں کی سرزمین پر دہلی کے مایہ ناز شاعر محو خواب ہیں۔ میر انشاء اللہ خاں انشا اسی خاک میں مدفون ہیں خیر ان کے مزار کا پتہ تو اب تک موجود ہے۔ اور ان کی نسل بھی باقی ہے ان کا مزار آغا باقر کے امام باڑے میں ہے۔ انشاء اللہ خاں کے بیٹے ماشاء اللہ خاں تھے۔ جن کے پوتے ہدایت اللہ خاں ابھی تک بقید حیات تھے۔ یہ بڑے باکمال منجم اور شاعر بھی تھے۔ فراشخانہ میں رہتے تھے۔ حال میں انتقال ہوا ہے۔

میر محمدی سوز کے مزار کو میں نے بہت تلاش کیا اور لوگوں سے دریافت کیا مگر اب تک پتہ نہ ملا۔ یہ بھی لکھنؤ کی سرزمین میں سو رہے ہیں۔ ان کا دیوان مکمل میرے پاس موجود ہے۔ سعادت یار خاں رنگین کے قلمی پانچ دیوان اور کچھ نثر کی کتابیں میری نظر سے گذریں لیکن ان کے مزار کا صحیح پتہ نہ معلوم ہوا۔ نہ اولاد کا پتہ چلا۔

شیخ قلندر بخش جرات دہلی کے مشہور شاعر تھے آخر میں نواب محبت خاں کے مصاحبوں میں نوکر ہوئے تھے۔ اور حضرت عباسؑ کی درگاہ کے قریب رہتے تھے۔ ان کی قبر کا پتہ لگانے کے لئے میں بہت سرگرداں رہا۔

نواب محبت خاں کے پوتے نواب چنداسیاں قمر نے کہا دیکھئے انکی کچی قبر اسی جگہ پر تھی یہاں ایک کچا مکان تھا جسمیں ایک چھپر پڑا ہوا تھا۔ میاں جرات اسی میں رہتے تھے۔ انکی ایک لڑکی بھی تھی جب انکا انتقال ہوا تو لڑکی نے اسی مکان میں باپ کو دفن کیا اور دو چار برس کے بعد باپ کے غم میں وہ غریب بھی مرگئی۔ اب نہ قبر ہے نہ نشان قبر نہ مکان ہے نہ چھپر ایک افتادہ میدان ہے۔ لڑکی کی بھی قبر اسی جگہ تھی۔

میر حسن کی قبر کا نشان ابھی تک باقی ہے۔ مفتی گنج میں مدفون ہیں۔ میر خلیق کی قبر بھی معلوم ہے۔ میاں جرکین بھی رُدولی کے رہنے والے تھے۔ اور اپنے رنگ کے اچھے کہنے والے تھے۔ جرکین مصحفی کے زمانے میں موجود تھے۔ "وزیر گنج" میں میاں مخمور شاگرد مصحفی کے پاس آیا کرتے آدمی یار باش اور برجستہ گو تھے۔ حاضر جواب بذلہ سنج ان کے مزار کا پتہ لوگوں نے بتایا ہے۔ مگر میں نے ابھی تک نہیں دیکھا۔ ان کا دیوان چھپ چکا ہے۔

میر جعفر زٹلی بڑے مرتبے کے شاعر خاص دہلی کے باشندے بذلہ سنج لطیفہ گو خوش رو چھریرا بدن ظریف اپنے رنگ کے فرد تھے ان کا دیوان چھپ چکا ہے لیکن مزار کا اب تک پتہ نہیں لگا نہ اولاد میں کوئی باقی ہے۔

میر صاحبقراں یہ مارہرہ کے رہنے والے سید شریف النسب تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے عہد میں لکھنؤ آئے تھے۔ بہت قدر دانی کی گئی۔ دہلی کے مقلد تھے۔ بہت بر مذاق ہزل گو، ظریف پھبتی بر محل کہتے تھے۔ ان کے ایک نواسے سید حسن عسکری نابینا حکیم زندہ ہیں باوجود تنگدستی و افلاس کے وضع کے پابند حد کے منکسر مزاج مزار کا پتہ اب تک نہیں ملا۔ ان کا دیوان قلمی ملا ہے اور بہت سے دہلی کے مشہور شاعر ہیں۔ جن کا میں بالتفصیل آئندہ ذکر کرونگا۔

اسوقت دہلی کے دو آفتاب و مہتاب کا ذکر کرنا ہے جن کے مزار کا نشان تک کچھ دنوں کے بعد نہ رہے گا۔ اول ملک الشعرا مرزا رفیع السودا یہ سب کو معلوم ہے کہ مرزا سودا دہلی کے روح رواں تھے ان کی نسل میں کچھ لوگ ہیں مگر مجھے پورا حال نہیں معلوم ہوا قبر "آغا باقر" کے امام باڑے میں ہے۔ مگر گمنامی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ نہ کوئی کتبہ ہے نہ نشان۔ دوسرے ملک الشعرا میر تقی میر دہلوی اکبر آبادی یہ وہ شاعر ہیں جنکا نام تمام ہندوستان میں آفتاب کی طرح مشہور ہے نازک دماغ شاعر تھے۔ تمام ہندوستان انکی زبان، ان کے کلام سے فیض اُٹھاتا اور انھیں کی زبان پر فصحا کے فیصلے ہوتے ہیں۔ آج اُنکا کلام زبان اُردو کا قانون ہے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں تو وہ "مفتی گنج" میں رہتے تھے۔ پھر "میاں الماس" کے امام باڑے میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کے ایک فرزند تھے جنکا نام سید حسن عسکری عرف میر کلو تخلص عرش تھا۔ جب مرنے لگے تو اپنے بیٹے سے کہا کہ "تم جانتے ہو کہ ہمارے پاس دولت دنیا میں سے تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسپر ہیں

فخر و ناز ہو اور اگر ہوتی بھی تو قابل فخر نہ تھی - ہاں کچھ زبان اُردو کے متعلق علم سینہ ہے جو ہمیں بہ مشورہ ماموں سراج الدین خاں آرزو کے خدا نے عطا کیا ہے - اور اسی کے بھروسے پر ہم کو ہمیشہ ناز و استغنا رہا اور انہیں معلومات پر شاہی درباروں میں ہماری عزت و تکریم ہوئی - میں نے انکو تمھارے واسطے ایک کتاب کی صورت میں لکھ لیا ہے - اس کتاب کا نام "اصول اُردو" ہے - زبان کی حفاظت کے لئے یہ قواعد کافی ہیں ان اصول پر کاربند ہوگے تو اُردو ایک دن بام ترقی پر قدم رکھیگی اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ اس کتاب کو بہت حفاظت سے رکھنا - مجھے تمنا تھی کہ خدا مجھے پوتا عطا کرتا - وہ ابتک پوری نہ ہوئی - شاید میرے بعد خدا تم کو بیٹا مرحمت کرے تو اُسے تعلیم دینا اور یہی کتاب یاد کرا دینا -
اور اس کے مطالب سمجھا دینا - اور اگر کوئی اولاد نرینہ نہ ہو تو کسی اہل شاگرد کو یہ امانت تفویض کر دینا"-

ملک الشعرا کو انتقال کئے ہوئے آج تخمیناً سو برس ہوئے - ان کے بعد عرش مرحوم کو بڑی بڑی معرکہ آرائیاں پیش آئیں - سب سے پہلے ناسخ مرحوم سے ان سے چوٹ چلی - ناسخ کا زمانہ موافق تھا - اور تمول حاصل تھا - وہ اکثر اپنے دوستوں کو بھی اپنا شاگرد کہدیا کرتے تھے - یہی سلوک میر صاحب کے ساتھ بھی کیا - میر کلو عرش تنک مزاج شاعر تھے - انکو ایسی باتوں کی کہاں تاب تھی - ناسخ کے اس کلام سے برہم ہوگئے ہرچند ناسخ مرحوم نے معذرت کی پذیرا نہ ہوئی - اس دن سے خانہ نشین ہوگئے -

ایک شخص ذکی الطبع وجیہ شاگرد ہونے کو آئے ان کا تخلص آتش رکھا - آتش نے ناسخ پر بہت چوٹیں کی اور بعض اعتراضات کئے جو آج تک زبان زد خلائق ہیں - مگر آخر میں آتش اعتراضات سے دست کش ہوئے - اور آپس میں صفائی ہو گئی - لیکن میر کلو عرش مدت العمر نہ ملے - افلاس، غریبی، فلاکت جو ان کا میراث پدری تھا - انکو بھی ملا - آخر میں لکھنؤ کے روسا کی صحبت میں افیون پینے لگے - افیون نے ان کو بہت ستا دیا - ناسخ کے کچھ دنوں کے بعد آتش کا بھی انتقال ہو گیا -

شاد پیرو میر اُستاد کی بہت خدمت کرتے تھے - اور مرد مجرد تھے - شاعری کے انتہائی شوق میں آپ نے اپنا عقد نہیں کیا - تنک مزاج بہت تھے - مہذب انتہا کے میر تقی میر کے آخر وقت میں یہ شاگرد ہونے گئے - تو میر صاحب نے ان کو میر کلو عرش کے سپرد کیا -

میر کلو نے تو ان پر بہت محنت کی اور ان کو بھائی کہتے تھے۔ یہ ہر وقت حاضر باش رہا کرتے تھے۔ جب میر کلو میاں الماس کے امام باڑے سے اٹھ کر "رکاب گنج" میں آئے تو کتاب "اصول اردو" شاد پیر و میر کے سپرد کی اور کہا "میر صاحب قبلہ مرحوم کی نصیحت تھی کہ اس انمول جواہر کو اولاد یا قابل شاگرد کو دینا اولاد تو میں رکھتا نہیں اور تمہارا گر تم سے زیادہ کوئی نہیں اس لئے کہ لکھنؤ کی زبان سے تمام شاعر متاثر ہوئے مگر تم نے دہلی کے طرز شاعری اور دہلی کی زبان کو نہیں چھوڑا اور میر کے صحیح تم پیرو ہو۔ اب یہ امانت تم کو سونپی جاتی ہے۔ تم کو اختیار ہے اپنے جس شاگرد کو قابل یا لائق دیکھنا اسے دینا۔ کچھ زمانے کے بعد میر کلو عرش کا بھی انتقال ہو گیا اور "رکاب گنج" دال کی منڈی میں دفن ہوئے۔ اس کے بعد ۱۳۱۵ھ میں ہمارے استاد شیخ محمد جان شاد پیر و میر کا انتقال ہو گیا۔ یہ "فاطمین" میں دفن ہوئے۔

اب کوئی اتنا بتانے والا نہیں ہے کہ میر تقی میر کی قبر کہاں ہے۔

لکھنؤ میں دہلی کے سیکڑوں غالب دفن ہیں۔ لوگ ایک ہی غالب کو رو رہے ہیں۔ سر دست یہ انتظام ہونا چاہیے کہ میر تقی میر، اور سودا کی قبریں پختہ بن جائیں اور باقی شعرا کے مزار کی تحقیق کی جائے۔ ابھی تو دہلی کے بہت سے شعرا کی قبریں تلاش کرنا ہیں۔ اسکے بعد لکھنؤ کے مشاہیر کی قبروں کو قایم رکھنے کی ضرورت ہے۔

خواجہ آتش مرحوم کی قبر ایک مکان میں شامل کر لی گئی ہے جس کا ملنا اب ذرا مشکل ہے۔ پھر غیر ممکن ہو جائے گا۔

مولوی غلام محمد خاں تپش دہلوی اخبار مشیر قیصر کے اڈیٹر مدت تک اودھ اخبار کے اڈیٹر بھی رہے۔ امیر اللغات پر بڑے بڑے اعتراض کئے۔ ریاض سے چوٹیں چلتی رہیں ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا عیش باغ میں دفن ہوئے۔

مرزا اپنا علی افسردہ داروغہ نواب بہو بیگم صاحبہ مشہور مرثیہ گو تھے منصور نگر میں رہتے تھے۔ خوشحال تھے ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا ان کے مرثیوں کی سات جلدیں تھیں جو غدر کے بعد ان کے ورثا نے کسی مرثیہ گو کے ہاتھ فروخت کر ڈالیں کربلا سے تالکٹورہ میں دفن ہوئے اُن کے پوتے نواسے لکھنؤ میں موجود ہیں۔

عہ لکھنؤ میں درگاہ حضرت عباسؑ کے قریب یہ روضہ واقع ہے۔

شعرا کے مزار

شہر خموشاں ایک ایسا عبرت خیز اور درد انگیز مقام ہے۔ جس کو دیکھ کر بے ساختہ آدمی کا دل بھر آتا ہے۔ اس خاک میں ایسے ایسے نازنین مہ جبین۔ ایسے ایسے ذی وقار بادشاہ ایسے ایسے مدبر وزیر۔ ایسے ایسے عقلمند حکما۔ ایسے ایسے روشن خیال شاعر سو رہے ہیں۔ جن کے نام سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ جن کا رعب داب بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لیکن آج وہ ڈھیروں مٹی میں نیچے ہوئے ہیں اور ان کی ہڈیوں تک کو ظالم زمین نے کھالیا۔ حقیقت میں زمین تو آسمان سے بھی زیادہ ستمگر نکلی۔ وہ غریب تو زندوں کا دشمن ہے اور یہ مردوں سے بدلہ لیتی ہے۔ اور اس قدر گمنام کر دیتی ہے کہ مزار تک کا نشان نہیں رہتا۔

عام لوگوں کو تو جانے دیجئے۔ خاص لوگوں کے مزار کے نشان بھی مٹ چکے ہیں۔ انھیں لوگوں میں اور مخصوص شعرا کو لیجئے جو ہندوستان کی زمین پر اپنا ڈنکا بجا گئے ہیں وہ مشاعرے کو درہم و برہم کر دیتے تھے۔ جن کی تعریف میں چھتوں کی چھتیں اُڑ جاتی تھیں۔ ہمیشہ مشاعرے جن کے ہاتھ رہتے تھے۔ جو حاصل طرح غزل لکھتے تھے۔ جو ہمیشہ نیا مضمون باندھتے تھے۔ جن کے شعر میں اک نہ اک بات تازہ ہوا کرتی تھی۔ جو مرثیہ گوئی میں سرنام تھے۔ جو منبر پر بیٹھتے ہی لوگوں کو بٹوا دیتے تھے۔ جن کا رقص منبر ہی مطبوع عام تھا جنکی آواز میں لحن داؤدی کا اثر تھا۔ آج ان کے مزاروں کا پتہ لگانا بھی ہمکو دشوار ہے۔ مثل مشہور ہے کہ دنیا مردہ پرست ہے۔ لیکن ہندوستان کی دنیا نہ مردہ پرست ہے نہ زندہ پرست۔ بات یہ ہے کہ ابھی ہندوستانیوں میں اپنی مادری زبان کے تحفظ کا ذوق و شوق پیدا نہیں ہوا ہے۔ ورنہ وہ اپنے سلف کے آثار کو اس طرح نیست و نابود نہ کر دیتے۔ مگر جلد ہی ایک زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ اپنے سلف کے نشانات ڈھونڈیں گے اور ان کے کارناموں کو ایک ایک سے پوچھیں گے۔ اور کوئی بتانے والا نہ ملے گا۔

جس طرح آج شکسپیر کا ترانہ انگلستان میں ایک ایک فرد کی زبان پر ہے اُسی طرح ہم بھی میر تقی میر مرحوم کے ایک ایک مصرع کو آنکھوں سے لگائیں گے اور ان کی نسل کو

ڈھونڈیں گے اور ان کی خاک کے لئے تمام لکھنؤ کی خاک چھانیں گے۔ غضب یہ ہے کہ دہلی والوں نے بھی اپنے غربت نصیب مسافروں کو بے وطن ہونے کے بعد نہ پوچھا کہ وہ کب ہوئے اور کہاں گئے۔ کم از کم یہ تو ہوتا کہ غریبوں کی یادگار میں ان کا مزار بنوا دیا ہوتا۔ لکھنؤ والوں سے یہ شکایت ہی بیجا ہے۔ انھوں نے اپنے وطن کے شاعروں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو غریب الوطن ان سے توقع رکھتے۔ ابھی تک لکھنؤ میں آتش کے دیکھنے والے زندہ ہیں مگر آتش کی قبر کا نشان نہیں رہا۔ خلیل لکھنوی کو چار دن مرے ہوئے گذرے۔ اُن کے متعلق ایک ماسٹر صاحب نے بیان کیا کہ اُن کی قبر مراد آباد میں ہے۔ اور ان کا اصلی وطن وہی تھا۔ مراد آباد سے ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ یہاں مزار کا پتہ نہیں ملتا۔ زیادہ تحقیق سے ایک میر صاحب نے فرمایا۔ خلیل کو ہم نے دیکھا تھا۔ نواب نادر مرزا صاحب ساکن "نواز گنج" کے داروغہ تھے۔ "مصاحب گنج"[عے] میں "ہزارا" کے باغ کے قریب رہتے تھے پوچھا قبر کہاں ہے کہا یہ تو معلوم نہیں۔ مگر غالب گمان یہی ہے کہ لکھنؤ میں ہوگی۔

مصحفی کے مزار کا پتہ غالب گمان یہ ہے کہ "امروہہ"[عہ۱] میں مل جائے۔ سنا گیا ہے کہ وہاں ان کی نسل میں دو ایک آدمی موجود ہیں۔ دوسری غرض اس تحریر سے یہ بھی ہے کہ شعرا کے مزاروں کا پتہ تاریخوں میں درج رہے ممکن ہے کہ اس کی آرزو ہمارے دل سے نہ نکلی۔ تو دوسرے لوگ اسے پورا کریں گے۔

نواب عاشور علی خاں عاشور "معالیخاں[عے] کی سرا" میں رہتے تھے۔ مصحفی کے اچھے شاگردوں میں تھے۔ بہت سے لوگ ان کے شاگرد تھے۔ اُستاد گر مشہور تھے۔ ان کی قبر معالیخاں کی سرائے میں "پیر بخارا" کے تکئے میں سُنی جاتی ہے۔

نواب مرزا محمد تقی خاں ترقی بہت مشہور شاعر تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں لکھنؤ آئے تھے۔ "میر" تخلص کرتے تھے۔ لیکن جب ملک الشعرا میر تقی میر لکھنؤ میں آئے اور ان کی شہرت نے ترقی پکڑی۔ تو آپنے سوء ادب سمجھکر اپنا تخلص بدل ڈالا۔ اور "ترقی" کر دیا۔ آپ کے تین دیوان میری نظر سے گذرے۔ پُرگو تھے افسوس ہے کہ انکا کلام نہیں چھپا۔ انکی قبر "مصری کی بغیا" میں ہے۔

عے یہ لکھنؤ کے محلوں کے نام ہیں۔ جو شاہی میں بہت آباد تھے۔

عہ۱ امروہہ ضلع مراد آباد۔

میر جعفر علی حسرت اُستاد جرأت ابتدا میں فیض آباد آئے۔ اور نواب شجاع الدولہ بہادر کے ملازم ہوئے اور بہت سے قصیدے ان کی شان میں لکھے۔ اس کے بعد لکھنؤ میں بادشاہ کے ساتھ چلے آئے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی شان میں مشکل ردیف قافیوں میں قصاید لکھے۔ ان کے دو دیوان غزلوں کے اور ایک دیوان قطعات کا۔ ایک دیوان رباعیات کا۔ ایک دیوان قصاید کا۔ ایک مثنوی۔ ایک دیوان مخمس میری نظر سے گذرا۔ قصاید بہت مشکل زمینوں میں لکھے ہیں۔ قصاید میں ان کا مرتبہ مرزا رفیع السودا سے کم نہیں ہے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے دربار میں ان کی بہت عزت تھی۔ صاحب استعداد تھے سنہ ۱۲۴۴ھ میں انھوں نے انتقال فرمایا۔ قبر ان کی مفتی گنج میں ہے۔

چشتی۔ دہلی کے رہنے والے شاعر تھے میر تقی کے پاس دہلی سے آئے۔ ان کے شاگرد ہوئے اور تا زندگی لکھنؤ میں رہے۔ زبان سیکھنے کی لالچ میں استاد کی خدمت کرتے رہے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

قد موزوں ہے تیرا رشک شمشاد ۔۔۔ کہ جس کا ہے غلام اک سرو آزاد
قفس میں بال و پر باقی ہیں اب تک ۔۔۔ بہار آئی ہے اب تو چھوڑ صیاد
دھڑکتا دل ہے یا رب خیر کیجو ۔۔۔ کہ اب قاتل نے مجھ کو کیوں کیا یاد

تم شوق سے جا بیٹھو اغیار کی صحبت میں ۔۔۔ لو ہم تو چلے یاں سے اے یار خدا حافظ
محشر میں یہ بولیں گے سب رند کہ نکلا ہے ۔۔۔ چشتی کے گناہوں کا انبار خدا حافظ

لکھنؤ میں عہد ناسخ میں انتقال کیا۔ مزار کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔

محتشم ایک مشہور شاعر تھے۔ دہلی سے لکھنؤ آئے تھے۔ شاگردی کا حال نہیں معلوم ہوا۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کے تلامذہ میں ہوں گے۔ اس لئے کہ ان کے کلام میں اضافتیں زیادہ ہیں۔

کیوں نہ پیسے مجھے ہو کر مرا دل دو ٹکڑے ۔۔۔ آسیا بنتی ہے ہو جائے جو سل دو ٹکڑے
بیت بحثی ہو یہ ابرو کی کہ بے تے ہو جائے ۔۔۔ ہو اگر یار کے رخسار کا تل دو ٹکڑے
اُڑ گئے صندل و کافور کے پھائے جلکر ۔۔۔ تپش قلب نے کی صبر کی سل دو ٹکڑے

بیت بحثی شاید قدمائے دہلی کا محاورہ ہو۔ آج کل لکھنؤ میں بیت بازی بولتے ہیں محتشم کے نام اور مزار کا پتہ نہیں ملا۔

مرزا جعفر علی فصیحؔ - مرثیہ گو مشہور تھے - دہلی کے رہنے والے تھے - لکھنؤ میں عروج پایا - اور مدت تک کربلائے معلیٰ میں قیام کیا - آخر عمر میں لکھنؤ واپس آئے گھاسی کی بغیا میں دفن ہوئے -

میاں دلگیرؔ مرثیہ گو - پہلے ہندو تھے - قوم کے کائستھ لالہ شیو پرشاد کے عزیز تھے ان کے محلے میں رہتے تھے - اس کے بعد مسلمان ہوئے - مرثیہ گویوں میں سرنام ہوئے سنہ ۱۲۶۴ھ میں انتقال کیا رشکؔ نے اُن کے انتقال کی تاریخ لکھی -

در گلشن خلد با جمیع شہدا | گشتہ بابوس مرثیہ گو دلگیر
تاریخ وفات او نوشتم اے رشکؔ | آہ افسوس مرثیہ گو دلگیر

سُنا جاتا ہے کہ لکھنؤ کی کسی کربلا میں اُن کی قبر موجود ہے -

میر ضمیرؔ نامی مرثیہ گو تھے - مفتی گنج میں رہتے تھے - وہیں انتقال کیا - ان کی قبر "مفتی گنج" میں خام موجود ہے -

میر ببر علی انیسؔ ابن میر خلیقؔ بن میر حسنؔ - لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو تھے - ابتدا میں غزلیں بہت کہیں سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں انتقال کیا - شاد پیر و میر نے تاریخ انتقال لکھی ہے قبر چوپداری محلہ میں ہے -

مرثیہ گو انیسؔ سحر بیاں | زیں جہاں رفت شد بہشت مقام
بے سر و پا تمام شد پے سال | فرد مصرعہ چہ مرثیہ چہ سلام ۱۲۹۲ھ

مرزا سلامت علی دبیرؔ نامی مرثیہ گو تھے - ان کا مزار "مرزا دبیر کی گلی" میں ہے سنہ ۱۲۹۲ھ میں انتقال فرمایا -

سید حسین مرزا عشقؔ - مشہور مرثیہ گو تھے - "رکاب گنج" میں مکان تھا - تھوڑا زمانہ ہوا انتقال فرمایا - مزار "رکاب گنج" میں ہے -

خواجہ محمد علی جوشؔ ابن خواجہ حیدر علی آتشؔ - سنہ ۱۲۶۴ھ میں انتقال فرمایا - رشکؔ نے انتقال کی تاریخ لکھی ہے -

زنز د پدر رفتی افسوس حیف

شیخ غلام علی راسخؔ عظیم آبادی شاگرد میر تقی میرؔ مدت تک لکھنؤ میں رہے - آخر عظیم آباد واپس گئے - پیر کے دن ۲۰ر تاریخ جمادی الاول سنہ ۱۲۳۸ھ میں انتقال فرمایا - اور وہیں دفن ہوئے -

شاہ مظلوم - دہلی کے شاعر تھے - میر کے شاگرد تھے - سنہ ١٢٥٦ھ میں انتقال فرمایا - قبر کا نشان نہیں معلوم - کسی نے تاریخ انتقال کہی ہے -

ہائے افسوس وائے مظلوم است

محشر ریختی گو دہلی کے رہنے والے - دُبلے پتلے نازک اندام - خاندان شاہی سے تھے - شعر خوب پڑھتے تھے - اور سامعین کو ہنسا دینا اور رُلا دینا - ان کا ادنیٰ سا کام تھا - ایک شعر اُن کا لکھا جاتا ہے -

محل میں بھیجتے ہیں ماں بہن کو بیحیا نکٹے ‏ ‏ زبانی شیخیاں محشر ہیں اونچی ناک والوں کی

لکھنؤ میں بہت دنوں تک قیام رہا - شیخ فدا علی عیش اور منشی دیا کرشن ریحان کے جلیس تھے - لیکن متفکر اور کبیدہ خاطر رہتے تھے - آخر نہ معلوم کس طرف نکل گئے اور کہاں انتقال ہوا -

نواب مرزا شوق - لکھنؤ کے رہنے والے مشہور شاعر تھے - ان کی چار مثنویاں مشہور ہیں - لکھنؤ میں انتقال کیا - مزار کربلا میں ہے -

شیخ فضل احمد کیف شاگرد میر وزیر صبا و خواجہ آتش "سبزی منڈی"[1] میں رہتے تھے اور مرد مجرد تھے - لکھنؤ میں انتقال فرمایا "عیش باغ"[2] میں دفن ہوئے - ان کا ایک مطلع ہے -

بت پرستی پہ جو اپنا دل ناشاد آیا ‏ ‏ سنگریزوں میں نظر حسنِ خداداد آیا

قبر کا نشان موجود ہے -

عیسیٰ خاں تنہا - دہلی کے رہنے والے - لکھنؤ میں مشہور ہوئے - اور یہیں انتقال کیا قبر کا نشان نہیں ملتا -

امیر علی خاں ہلال شاگرد میاں برق "پار" میں رہتے تھے - اور "جلاجل" نواز تھے شعر بہت اچھا کہتے تھے - لکھنؤ میں انتقال کیا - قبر گئو گھاٹ[3] پر بتائی جاتی ہے -

میر فلک - شاگرد عشق مرحوم مشہور شاعر تھے - حال میں انتقال کیا - لکھنؤ کی

---

[1] لکھنؤ میں چوک کے پاس یہ محلہ ہے - مؤلف

[2] لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ بہادر نے یہ باغ بنوایا تھا - ساون میں مشہور میلے ہوا کرتے تھے ادنیٰ طور پر اب بھی ہوتے ہیں - یہ باغ ویران ہو کر قبرستان کی صورت میں اب بھی موجود ہے ١٢

[3] دریائے گومتی کے کنارہ یہ گھاٹ مشہور ہے

کسی کربلا میں دفن ہوئے - ایک مطلع درج ہے -

دل تپاں ہے بر میں دلبر کا مکاں ملتا نہیں　　طائر قبلہ نما کا آشیاں ملتا نہیں

سید سرفراز حسین قمر لکھنوی تلمیذ عرش مرحوم - لکھنؤ میں انتقال فرمایا - قبر کا نشان نہیں معلوم ہوا - ایک مطلع درج ہے -

دلِ درد آشنا ڈوبا جو دریائے محبت میں　　حصار عافیت گرداب کو سمجھا مصیبت میں

آغا حیدر افسوس رئیس لکھنؤ شاگرد اسیر "آغا میر کی ڈیوڑھی" پر رہتے تھے - سن باوضع رئیس تھے - تخمیناً تیس برس ہوئے انتقال فرمایا - لکھنؤ میں دفن ہوئے - قبر کا نشان نہیں معلوم - ایک مطلع درج ہے -

جیسے جاتا ہے کوئی یار کے گھر بھولے سے　　کاش آ جائے مرا یار ادھر بھولے سے

میر تشنہ شاگرد ذوق مرحوم - بہت اچھا کلام تھا - اسیر کے زمانے میں لکھنؤ آئے تھے - دعوئی ہمہ دانی بہت تھا - مشہور ہے کہ آپ نے کسی اعتراض کی وجہ سے ہیرے کی انگوٹھی چبالی - لکھنؤ میں سنا جاتا ہے - کہ پیر جلیلوں کے تکئے پر دفن ہوئے ایک مطلع سننے میں آیا ہے

مہندی جو وہاں پر کف قاتل میں لگی ہے　　یاں آگ ہمارے جگر و دل میں لگی ہے

آغا حجو ہندی مشہور شاعر تھے - لکھنؤ کے رہنے والے تھے - اور وہیں دفن ہوئے "بوستان خیال" کا ترجمہ اردو انھوں نے کیا تھا غفران مآب کے امام باڑے میں قبر ہے -

غیور تخلص دہلی کے رہنے والے میر تقی کے شاگرد لکھنؤ میں آئے پہلے ایک بنئے سے ملاقات ہوئی - اس نے کہا - میرے یہاں پندرہ روپیہ ماہوار آپ کو ملسکتا ہے اور کھانا اور موٹا کپڑا - آپ نے کہا کہ میری گذر اس میں نہ ہوگی - اس نے کہا - اچھا آپ قیام کیجئے میں کسی سے آپ کی سفارش کردوں گا - دو مہینے تک قیام کیا - کوئی صورت پیدا نہ ہوئی - آخر بنئے کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی - جس کے چند شعر لکھے جاتے ہیں - "جگل کشور" بنئے کا نام تھا -

عجب ایک منحوس بقال تھا　　غرض صاحب ملک اور مال تھا

کوئی نام نحس اس کا لیتا نہ تھا　　بجز گالیاں اس کو دیتا نہ تھا

بخیلی میں مشہور تھا اس قدر　　کہ قارونکی جوتی تھی اور اسکا سر

سنہ ۱۲۱۱ھ کا یہ واقعہ ہے - آپ لکھتے ہیں - میں نے بنئے سے ملاقات کی اُس نے کہا

ہمارے یہاں دال روٹی تو ہے جو پوشاک پہنو گے موٹی تو ہے
اگر پانزدہ روپیہ ہوں قبول تو ہر ماہ میں مجھ سے ہونگے حصول

آپ نے جواب دیا۔

کرونگا بھلا اس میں کیونکر معاش مگر اور کہیں اب کرونگا تلاش

اُس نے کہا آپ میرے یہاں مہمان رہئے۔ میں کہیں کام دلوا دوں گا۔ آپ وہاں کئی مہینے تک رہے۔

رہا اس کی اُمید پر چند ماہ بحال پریشان بحال تباہ

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ وہاں سے خفا ہو کر چلے آئے۔ اور اس کی ہجو لکھی۔ بعد چندے مرزا جعفر صاحب کی شان میں ایک قصیدہ کہہ کر پیش کیا۔ وہاں سے کچھ وظیفہ مقرر ہو گیا اگلے زمانے کے شعرا میں یہ صفت تھی کہ ذراسی بات پر ہجو لکھ ڈالتے تھے۔ اور وہ زمانہ بھی قدر دانی کا تھا۔ لوگ نازک مزاجیاں اُٹھاتے تھے۔ ورنہ ایک بنئے کا اُردو زبان کی خدمت کے لئے کچھ روپیہ صرف کرنا قابل تقلید امر ہے۔ مگر غیور نے اس کی بھی قدر نہ کی انتقال لکھنؤ میں سنہ ۱۲۰۴ھ میں ہوا۔ مزار کا کہیں پتہ نہیں ملا۔ غالب گمان یہ ہے کہ "مفتی گنج" میں ہوگا۔ کیونکہ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں یہ لکھنؤ آئے تھے اور اسوقت کے تمام شعرا مفتی گنج میں زیادہ رہتے تھے۔ آج کل معزلی لکھنؤ ویران ہو رہا ہے اس لئے وہاں کی قبروں کا نشان ذرا مشکل سے مِل سکتا ہے۔ سچ ہے۔

امیرؔ فاتحہ پڑھنے کوئی کہاں آئے مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے

آغا تخلص نام مرزا علی محمد عرف منے آغا صاحب لکھنؤ سرائے میوہ میں رہتے تھے۔ جو انہیں مرقوق ہو گئے۔ علاوہ عربی فارسی کے انگریزی بھی جانتے تھے۔ ۱۴۔ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۶ھ بارہ بجے دن کو طویل علالت کے بعد انتقال فرمایا۔ امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے افسوس کہ آپ کا کلام دستیاب نہ ہوا۔ صرف چند اشعار نوحہ جات کے انتخاب میں آئے مرحوم غزلیات بہت کم کہتے تھے۔

بانو کہتی تھیں باآہ وزاری رن کو جاتی ہے شہ کی سواری
بن میں لٹتی ہے دولت ہماری رن کو جاتی ہے شہ کی سواری

ہائے بیٹے نہیں میرے اصغر تم تو سوتے ہو جھولے کے اندر
ماں یہ کہتی ہے رو رو تمہاری رن کو جاتی ہے شہ کی سواری

واری کس سے کہوں اب میں جاکر کوئی باقی نہیں میرے سر پر
ظلم بے حد کریں گے یہ ناری رن کو جاتی ہے شہ کی سواری
ننھے ہاتھوں میں لے لو سپر کو چھوڑ و تنہا نہ اپنے پدر کو۔
اٹھو بیٹا تمھارے میں واری رن کو جاتی ہے شہ کی سواری
شہ تو جنت کو آغا سدھارے رو کے کہتے ہیں سب اُنکے پیاری
کون لے گا خبر اب ہماری رن کو جاتی ہے شہ کی سواری
بین زینب یہ کرتی تھیں رن میں کارواں لُٹگیا میرا بن میں
منتظر ہوگی صغرا وطن میں کارواں لُٹگیا میرا بن میں

مشتاق تخلص نام مرزا بہادر علی عرف چھٹن صاحب خلف ہنے آغا صاحب آغا مرحوم لکھنوی پہلے اِنکا تخلص جوہر تھا پھر زار اختیار کیا۔ آخر میں مشتاق تخلص پسند آیا۔ قلمی دیوان ان کے خاندان میں موجود ہے۔ ہر صنف شاعری پر قادر تھے۔ اُنکی تصنیف سے تاریخیں، رُباعیاں، مثنوی، قطعات، مخمس، مسدس سب موجود ہیں۔ سید بندہ کاظم صاحب جاوید لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ دلالی محلے میں ماہواری مشاعرہ کی بنیاد بھی قایم کی تھی درسیات فارسی میں فارغ التحصیل تھے۔ انگریزی میں بھی کافی قابلیت تھی۔ مدقوق ہو کر عین شباب میں ۱۲۔ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۹ ہجری دس بجے شب کو انتقال فرمایا۔ اور کربلائے تالکٹورہ میں دفن ہوئے۔ اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مسمیٰ مرزا صادق علی عُرف چھن جسکی عُمر صرف ایک ماہ ستائیس دن کی تھی۔ اپنی یادگار چھوڑا۔ باپ کی وفات کے گیارہ برس بعد لڑکے نے بھی مدقوق ہو کر ۱۳۔ صفر سنہ ۱۳۳۱ ہجری پانچ بجے صبح کو انتقال کیا۔ اور کربلائے عظیم اللہ میں دفن ہوا۔ مشتاق مرحوم بہت منکسر مزاج خوش خلق آدمی تھے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:-

لکھا ہی وصف اکثر خالِ روئے شاہِ ذیشانکا
نکیوں ہر نقطہ دُرِ بے بہا ہو میری دیوانکا
بپا حشر ہو تو یہ ارمان نکلے
کسی کا ہو ہاتھ اور دامن کسیکا
نہ ہوا آئے گی تربت میں نہ روزن ہوگا
شمع روشن سے نہ روشن مرا مدفن ہوگا
زیرِ دیوار جگہ تھوڑی سی رہنے دیجے
ہاں کبھی آپ کے جانباز کا مدفن ہوگا
درد دل کو مرے سینے میں سنبھلنے ندیا
کوئی پہلو ترے ناوک نے بدلنے نہ دیا
نہ مجھے زمیں دباتی نہ کبھی فشار ہوتا
بس مرگ آسماں پر جو مرا مزار ہوتا
تھیں منصفی سے کہدو تمھیں کیوں دلا دیتا
اگر اپنے دِل پہ کچھ بھی مجھے اختیار ہوتا

اٹھا ہے جھوم جھوم کے ابر بہار آج
لا ساقیا پلا دے ہوئے خوشگوار آج

تری نگاہ نے بسمل کیا زمانے کو
یہ تیغ وہ ہے کہ جسکی کہیں پناہ نہیں

تمھاری گردش چشم سیہ نے مارا ہے
فقط میں گردش قسمت ہی سے تباہ نہیں

خطا پر ہے تمہارا تیر دیکھو
نگہ پڑتی ہے بے تقصیر دیکھو

بیکسی بعد فنا میری لحد پر مشتاق
رو کے کہتی ہے کہاں چھوڑ گئے تم مجکو

سر بالیں وہ بیٹھے ہیں ہمارا دم نکلتا ہے
ٹھہر جائے اجل اسوقت انکا دل بہلتا ہے

خبر پاتا ہے اُس ظالم کے آنیکی جو فرقت میں
تو رعب حسن سے مشتاق دل ہاتھوں اُچھلتا ہے

اُڑا رہی ہے صبا خاک جن مزاروں کی
وہ تربتیں ہیں تمھارے ہی خاکساروں کی

ابھی تو سیکڑوں کے دل لئے ہیں ضد کر کے
حضور لیجئے گا جان بھی ہزاروں کی

خار صحرا رہ گئے جب ٹوٹ کے
پاؤں کے چھالے بھی روئے پھوٹ کے

رہزنان عشق اے مشتاق آج
لے گئے اسباب راحت لوٹ کے

آہ کی باہم رسائی دیکھ لی
قسمت اپنی اور برائی دیکھ لی

آپ کا مشتاق پیتا ہے شراب
خوب اس کی پارسائی دیکھ لی

اس سے بہتر اور کیا شی ہے نشانی کے لئے
دل لئے جاتا ہوں نذر یار جانی کے لئے

نکالو عاشقوں کی حسرت دیدار تھوڑی سی
ہٹا دو روئے روشن سے نقاب اے یار تھوڑی سی

خوشا قسمت زہے طالع اگر مشتاق لیتا جا
کفن میں خاک پائے احمد مختار تھوڑی سی

اک نظر بھر دیکھ لوں صورت وہ پیاری آپکی
میرے کوچے سے اگر نکلے سواری آپ کی

بیخودی میں نہ قضا کو بھی قضا سمجھیں گے
شدت درد جگر کو بھی دوا سمجھیں گے

دست نازک سے مجھے ساغر مے دی بھی جکو
تم اگر زہر بھی دو گے تو دوا سمجھیں گے

ساتھ لیجائیں گے مشتاق تخلص اپنا
اب نہ بدلیں گے اگر لاکھ برا سمجھیں گے

داغ تخلص نام مرزا سجاد علی عرف لڈن صاحب ابن منے آغا صاحب آغا مرحوم لکھنوی سرائے میوہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ درسیات فارسی میں فارغ التحصیل تھے۔ انگریزی میں اچھی قابلیت تھی۔ ہندی میں اچھے ماہر تھے۔ عربی میں بھی کسی قدر دخل تھا۔ خوشنویسی کا بہت شوق تھا

ہمیشہ علمی مذاق کا شغل رہتا تھا - شاعری کا بہت شوق تھا - نثر بھی کبھی کبھی لکھتے تھے عکسی تصویر بنانے کا کام جانتے تھے - ٹیلیگراف کا کام بھی جانتے تھے - لکھنؤ جنکشن (چار باغ) اسٹیشن پر بعہدہ ٹکٹ کلکٹری ملازم تھے - اس اثنا میں اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کی جگہ پر ہردوار (یا کسی اور جگہ) تبادلہ ہو گیا - انھوں نے لکھنؤ کی جدائی منظور نہ کی - اور مستعفی ہو گئے - عین شباب میں دفعتہً تپ دق میں مبتلا ہوئے - ڈھائی تین مہینے علیل رہ کر - یکم جون سنہ ۱۹۱۱ء بدھ کے دن ساڑھے بارہ بجے انتقال فرمایا اور کربلائے عظیم اللہ خاں میں دفن ہوئے - عمر تخمیناً ۲۴ - یا ۲۵ سال کی تھی - ان کا کلام اکثر مختلف رسایل میں شایع ہو چکا ہے - اپنا کلام جمع کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی اسی وجہ سے بہت زیادہ کلام ضایع ہو گیا - چند غزلیں قلمی موجود ہیں - انتخاب کلام درج ذیل ہے -

گلہ نہ آپ کا شکوہ نہ کچھ زمانے کا
سزا ہے پیار کی بدلہ ہے دل لگانے کا

کبھی کبھی رہے مشق ستمگری بھی ضرور
طریقہ بھول نہ جاؤ کہیں ستانے کا

بہانہ ساز، دغا باز، فتنہ گر عیار
چھٹا ہوا ہے دماغ ایک ہی زمانے کا

آیا تھا شب کو دھیان جو بوس و کنار کا
اترا ہوا ہے منھ سحر وصل یار کا

اٹھ اٹھ کے اسکی بزم میں بیٹھا ہزار بار
یارب برا ہو اس دل بے اختیار کا

خاک اسلئے اڑاتے ہیں وہ میری قبر کی
مطلب یہ ہے، نشاں بھی مٹادیں مزار کا

آئینہ لے کے دیکھ لو گر دوسرا نہ ہو
مغرور اپنے حسن پر اسے مہ لقا نہ ہو

میں بیقرار ہوکے جو لپٹا شب وصال
شرما کے بولے دیکھو کوئی دیکھتا نہ ہو

مٹھی تو کھولئے مرے پہلو میں دل نہیں
دیکھوں تو میں یہ شوخی دزد حنا نہ ہو

کہتے ہیں لیکے کیا کروں افسردہ دل ترا
کس کام کا جو شوخ نہ ہو چلبلا نہ ہو

بلبل سمجھ کے کچھ پر پرواز کھولنا
بچھا ہوا ہے دام بھی گلزار کے قریب

اعجاز ہر ادا نے تمھاری دکھا دیا
کشتہ کیا نگاہ نے لب نے جلا دیا

اقرار میں یہ لطف نہ ملتا کبھی دماغ
انکار وصل نے مجھے جیسا مزا دیا

صبح شب وصل آہ نظر تک نہیں ملتی
نیچی ہے نگہ اور وہ شرمائے ہوئے ہیں

تاثیر دکھائی کشش دل نے پس مرگ
سینے سے وہ تربت مری لپٹائے ہوئے ہیں

بڑھ گئی نام خدا ایسی محبت تیری کہ اب آنکھوں میں پھرا کرتی ہے صورت تیری
وصل میں اُن سے جو لپٹا تو کہا ہنس کے داغ خیر ہے، خیر ہے، کیا آئی ہے شامت تیری
مجھ کو اے چرخ کیوں کیا برباد میں نے آخر ترا کیا کیا تھا
پردہ میں ان بتوں کے یہ ہے کون جلوہ گر کس کے نیاز مند ہیں لے بے نیاز ہم
نوحہ گر مجھ پہ نہ جب کوئی ہوا میرے بعد روئی تربت پہ بہت میری قضا میرے بعد
جب یہ سنتا ہوں یار آتا ہے دل کو کچھ کچھ قرار آتا ہے
لاکھ سمجھاؤ پھر نہیں سنتا جب کہ دل بے قرار آتا ہے
شمع روئی نہیں یا دود پریشاں نہ رہا اے فلک کون ترے ہاتھ سے نالاں نہ رہا
لیجئے حضرتِ دل شوق سے چلئے اب تو غیر محفل سے نکالے گئے درباں نہ رہا
اک زمانے سے یہی عشق میں ہوتا آیا دستِ وحشت مجھے کیا غم جو گریباں نہ رہا
تھی جوانی ہی پہ موقوف بتوں کی اُلفت دل وہی ہے مگر اب دل میں وہ ارماں نہ رہا
پوچھوں گا پردے پردے میں وہ ملگئے اگر تم کو بھی کچھ خبر مرے دردِ نہاں کی ہے

ہے غم حسنین میں یہ اشک باری اے داغ
وقفِ آلِ حیدر کرار آنکھیں ہو گئیں

افسوس میر شیر علی ابن میر علی مظفر خاں داروغہ توپخانہ شاگرد میر حسین علی حیران دہلوی۔ افسوس لکھنؤ میں ہمیشہ رہے۔ اور ان کی شاعری کو شہرت نہیں ہوئی۔ مرنے کے بعد نشان قبر بھی نہیں ملتا۔

اس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے
بیٹھے بیٹھے مجھے یہ گل تو رُلا دیتا ہے

میر اکبر علی اختر پہلے انجم تخلص کرتے تھے۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ ایک زمانے میں مصحفی کا دل شاعری سے ایسا سرد ہو گیا کہ غزل کہنا ایک قلم ترک کر دیا۔ شاگردوں کو جواب دیدیا کہ مجھ سے غزلیں نہیں بنتیں۔ اختر سے بھی یہی کہا مگر اُس نے بہت مجبور کیا تو ایک آدھ غزل پر اصلاح دیکر ٹال دیا۔ شاگرد نے پوچھا پھر میں کس سے اصلاح لوں۔ کہنے لگے جرأت سے اصلاح لیا کرو۔ اختر جرأت کے پاس غزل لے کر آئے۔ آپ نے نام پوچھا۔ تخلص پوچھا۔ شاگردی کا حال پوچھا۔ اس نے کہا مصحفی کا شاگرد ہوں۔ اُستاد نے بھیجا ہے۔ فرمانے لگے سنو بھئی

مصحفی میرا دوست ہے۔ میری اس کی مخالفت نہیں۔ میں تم کو اصلاح نہیں دے سکتا۔ اگر تم ان کی تحریر لاؤ تو مضائقہ نہیں۔ آخر مصحفی نے خط لکھ دیا۔ کہ آپ ان کو اصلاح دیا کیجئے۔ جب جرأت کے شاگرد ہوئے تو تیس برس کی عمر تھی۔ لکھنؤ میں انتقال کیا خدا جانے کہاں دفن ہوئے ؎

شمشیر جو کھینچے ہے قاتل اسے کہتے ہیں تڑپے ہے جو میرا دل بسمل اسے کہتے ہیں

بقا شیخ بقاء اللہ خلف لطف اللہ عیش پہلے غمگین تخلص کرتے تھے۔ شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے کلام اچھا تھا۔ طبیعت شوخ تھی۔ لکھنؤ میں رہے اور وہیں انتقال کیا۔

آستیں حشر کے دن خون سے تر ہو جسکی
یہ یقیں جانیو دل سے مرا قاتل ہے وہی

نواب مہربان خاں رند دہلوی جاہل تھے۔ اور تلفظ بھی درست نہ تھا۔ مرزا قتیل کے ساتھ لکھنؤ رستم نگر میں رہتے تھے۔ لکھنؤ میں انتقال کیا حاجی نصرت کے تکئے میں دفن ہوئے۔

مرزا غلام جبار مجذوب ان کو سودا نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ لکھنؤ میں انتقال کیا۔

منظر شیخ نور اسلام امروہوی شاگرد رشید مصحفی۔ انکو استاد نے اپنا شاگرد رشید مانا ہے۔ اور لکھا ہے۔ فن شعر سے خوب آگاہ ہے۔ لکھنؤ میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

ہر دم خیال یار جو پیش نظر رہا
ہجراں میں بھی وصال مجھے بیشتر رہا

شیخ الہی بخش معروف شاگرد رشید شاہ نصیر ابتدائے سن شعور سے لکھنؤ میں آئے۔ شاہ نصیر کے شاگرد رشید تھے۔ بہت اچھا کلام تھا۔ صاحب دیوان تھے۔ لکھنؤ میں انتقال کیا اور گئو گھاٹ میں مدفون ہوئے۔

افسر غلام اشرف لکھنوی تلمیذ میر حسن دہلوی۔ لکھنؤ میں انتقال کیا۔ نشان قبر نہیں ملتا۔

ہوئے نصیب جلد کہیں وصل یار کا
احوال بے طرح ہے دل بے قرار کا

اسمیں جن شعرا کا کلام درج ہے ان کے کلام کا انتخاب گویا عطر سخن ہے مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ بہت سے شعرا کے حالات باوجود بجد کوشش کے بھی دستیاب ہو سکے۔ فغاں۔ اشرف علی خاں عرف کوکا خاں احمد شاہ بادشاہ دہلی کے کوکا تھے۔ اور ندیم دہلوی

کے شاگرد تھے - لکھنؤ میں آئے تھے - پھر خدا جانے کس طرف چلے گئے پُرانے شاعر تھے زبان بہت اچھی تھی - میر و مرزا کے ہمعصر تھے -

یک رنگ - غلام مصطفیٰ نام دہلی کے پُرانے شاعر خوشگو میر و مرزا سے بھی پہلے کے شاعری میں خدا جانے کس کے شاگرد تھے - شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں نوکر تھے - لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے - صاحب دیوان تھے - اور اچھا کہتے تھے ایک دفعہ لکھنؤ آئے تھے - پھر دہلی چلے گئے -

محمد شاکر ناجی - دہلی کے پرانے شاعر محقق تھے - دہلی میں رہے اور وہیں انتقال کیا - بہت مشہور شاعر تھے - صاحب دیوان تھے -

موزوں - میر فرزند علی دہلوی شاگرد رشید سودا بہت بدمغ آدمی تھے ابتدائی شاعری سے لکھنؤ میں چلے آئے - کسی سے ملتے نہ تھے - مشاعرے میں بہت کم شریک ہوتے تھے - غزل خوب کہتے تھے - مدت العمر لکھنؤ میں رہے - اور یہیں انتقال کیا - آغا باقر کے امام باڑے میں دفن ہوئے - ان کا سنہ وفات ۱۲۰۲ھ ہے - دیوان مختصر غیر مطبوعہ دیکھا گیا - اولاد کا پتہ نہیں ملتا -

کسو کے قتل پر جو کمر اپنی وہ کستا ہے	ہمارا زخم دل بے اختیار اسوقت ہنستا ہی
تجھے میری لہو کی ہی قسم جلدی سے لا ساغر	گھٹا اُٹھی ہے ساقی کوئی دم میں مینہ برستا ہی
طریق کعبہ و بتخانہ ہیگا پر خطر زاہد	میانہ راہ چل مرد خدا سیدھا یہ رستا ہی
آپکا خط بھی پر اسپر ناز کا اصرار ہے	ایک بوسے کیلئے ہم سے وہی تکرار ہے
کوتہ اندیشی کا ان دامن دراز نکا ہے شکر	ہاتھ کا انکے لگے جو زخم دامندار ہے
پھر منالیویں گے اُس کے روٹھنے کا ڈر نہیں	گر خفا ہے کیا ہوا موزوں ہمارا یار ہے
ہوتا ہے عشق ظاہر یوں آہ دمبدم سے	جیسے نشان لشکر معلوم ہو علم سے

آبرو - نجم الدین عرف شاہ مبارک نبیرہ شیخ محمد غوث گوالیاری بہت خوش گو تھے سراج الدین خاں آرزو کے شاگرد تھے - آپ یک چشم تھے -

ایک شاعر ان کی ملاقات کی غرض سے بہت دور دراز مقام سے آیا - غریب بہت کثیف الحال تھا - آپ نے کچھ التفات نہ کیا اس نے مسکرا کر کہا شاہ صاحب ہم غریبوں سے بھی تین آنکھیں کیجئے - اس برجستہ گوئی پر سب ہنس پڑے اور شاہ صاحب نے معذرت چاہی - بہت جستجو کی مزار کا پتہ نہ ملا -

ایک شعر درج ذیل ہے۔

دل تو دیکھو آدم بے باک کا　　عشق سے بھرتا ہے پتلہ خاک کا

میر جیون افکار دہلوی۔ آپ نے مناقب بہت لکھے اور آخر وقت میں کربلائے معلی چلے گئے۔ اور روضۂ مقدسہ پر قرآن خانوں میں ملازم ہو گئے۔ لنگر خانے سے خیراتی شلہ کھانے کو ملا۔ خادم روضہ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ ہمارے عزیز جیون کو طعام خاص دیا کرو۔ اس معجزے سے میر صاحب کی بہت تکریم کی گئی اور وہیں دفن ہوئے۔

علی کا بیاہ ایسا جگمگا تھا
شب معراج جھکار تجگا تھا

حیران میر حیدر علی دہلوی زندگی بھر لکھنؤ میں رہے۔ سروپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ حاجی نصرت کے تکئے میں دفن ہوئے۔

اپنے جانیکا واں دنکو نہ ہے رات کو ڈھب
دیکھئے کیسی بنے آن بڑی بات کو ڈھب

میر جعفر زٹلی دہلوی ہزل گو تھے پہلے رئیسوں کی مدح کرتے تھے جب ان سے کچھ وصول نہ ہوتا تو ہجو لکھتے۔ ہزل گوئی میں مشہور تھے۔ اعظم شاہ کی مدح میں ایک مطلع کہا تھا۔ جو بہت پسند ہوا۔ اور بیش بہا انعام حاصل کیا۔

نگین سعادت کہ تابندہ بود　　ہمیں اسم اعظم بر دکندہ بود

ایک مرتبہ مرزا عبدالقادر کی ملاقات کو گئے۔ مرزا اسوقت متفکر تھے۔ آپ نے پوچھا کیا کچھ فکر سخن میں ہو کہا ہاں۔ کہنے لگے میں بھی سنوں کتنے شعر کہے ہیں مرزا نے کہا ایک مصرع اچھا ہے مگر دوسرا مصرع بہم نہ پہنچا وہ مصرع یہ ہے۔

لالہ در سینہ داغ چوں دارد

آپ کہنے لگے واہ یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔ لکھ لو

چو بکے سبز زیر کوں دارد

مرزا ہنسنے لگے اور کچھ دے کر ان کو رخصت کر دیا۔ دہلی سے جب آئے تو فیض آباد میں رہے۔ پھر لکھنؤ میں آصف الدولہ کے عہد میں چلے آئے اور یہیں انتقال کیا۔ نشان قبر نہیں ملتا۔

خمخانہ عشرت

خواجہ عشرت کا نام علمی دنیا میں تو کسی تعارف کا محتاج نہیں لیکن عام آگاہی کیواسطے میں نے چاہا کہ کچھ واقعات لکھوں جب خواجہ صاحب سے خاندانی حالات دریافت کرنیکا موقع آیا تو آپ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا مجھے استخواں فروشی ناپسند ہے۔ میں نے عرض کیا آپکا فرمانا صحیح ہے کہ خاندانی فضائل بیان کرکے اپنے اعزاز کا خواہاں ہونا ضرور خلاف عقل ہے لیکن اہل جوہر کو اپنے خاندانی جوہر کا اظہار واجبات سے ہے۔ یاقوت ایک ایسا جوہر ہے جو اپنی خوبیوں میں بینظیر ہے۔ مگر ایک جوہری اس بات کو ثابت کردیتا ہے کہ یہ رمانی ہے تو نگاہ مبصر اُس کی خوبیوں کو اور اضافہ کردیتی ہے لعل خود نفیس جوہر ہے مگر بدخشانی اضافت اس میں اور بھی چار چاند لگادیتی ہے اس نسبت سے اگر کوئی نامی مستند باکمال اپنے نسب کے حالات بیان کرے تو اسکی عالی نسبی اس کے کمال کو اور بھی چمکادیتی ہے اس لئے فائدہ عام کیواسطے ضرور ہوا کہ شاعر اپنے خاندانی حالات بھی لکھے اگر وہ جوہر علم کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہے تو اس کے اخلاق بھی وسیع ہوں گے اور شرفا کو اُس سے فیض پہنچیگا اور اس کی صحبت حاصل کرنیکے متمنی ہوں گے۔

شکر کا مقام ہے کہ میری استدعائے زیور قبول پہنا۔ اور مجھے بعض دلچسپ حالات بھی معلوم ہوئے۔ خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ عبدالشکور مرحوم تھا دادا کا نام خواجہ محمد وجیہہ الدین پردادا کا نام محمد علی خاں بہادر سکڑ دادا کا نام عبدالشکور خاں بہادر نام کے ساتھ خاں کا لفظ خطابی ہے جو بادشاہ اودھ سے عطا ہوا تھا۔

عبدالشکور خاں والی بلخ کے خلف اصغر تھے جب اُن کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تو بھائیوں میں نااتفاقی اور دشمنی پیدا ہوگئی اور ہر شخص سلطنت کا دعویدار ہوگیا۔ قریب تھا کہ ایک بہت بڑا کشت وخون ہو خاندان کی بیوفائی سے دل برداشتہ ہوکر آپ ۱۱۸۰ھ ہجری میں اپنے گھر سے بی بی کو ہمراہ لیکر شب کو تن تنہا نکل کھڑے ہوئے اور سفر کے مصائب جھیلتے ہوئے دہلی آئے اُس وقت دہلی تباہ ہوچکی تھی شاہ عالم بادشاہ قید ہوچکے تھے وہاں سے فیض آباد آئے نواب شجاع الدولہ بہادر سے ملے نذر پیش کی نواب شجاع الدولہ بہادر نے انکی بہت عزت کی اور انکو قلعہ داری الہ آباد کا خلعت

مرحمت ہوا اور خطاب خان بہادر کا عطا ہوا آٹھ برس کے بعد سنہ ۱۱۸۸ ہجری میں نواب
شجاع الدولہ بہادر نے انتقال فرمایا - اور نواب آصف الدولہ بہادر مسند نشین صوبہ
اودھ ہوئے اور لکھنؤ کی آبادی زیادہ ہونے لگی - اُسوقت عبد الشکور خاں بہادر الہ آباد
کے قلعہ دار تھے اور مع اہل و عیال وہیں سکونت رکھتے تھے چنانچہ وہاں ایک خضری
دروازہ انھیں کا بنوایا ہوا ہے اور ایک بہت بڑا بازار اپنے بیٹے محمد علی خاں کے نام
سے بنوایا سنہ ۱۱۹۰ھ میں انتقال ہو گیا - اور الہ آباد قلعہ میں شہ نشین کے وسط میں مدفون
ہوئے - اور نواب آصف الدولہ بہادر کے حکم سے اُن کے بیٹے اُنکی جگہ پر قلعہ دار مقرر
ہوئے - سنہ ۱۲۱۲ھ میں جب نواب آصف الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا اور اُن کے بیٹے
وزیر علی خاں بہادر مسند نشین ہوئے اور بعد چندے وہ بھی سلطنت سے معزول ہو کر کلکتہ
بھیجدیئے گئے تو گورنمنٹ نے نواب سعادت علی خاں بہادر سے سلطنت اودھ کے بارے
میں ایک نیا معاہدہ کیا اور اُس میں قلعہ الہ آباد کے تخلیہ کا بھی فیصلہ ہو گیا اور
گورنمنٹ نے نواب سعادت علی خاں سے اس امر کا ایک حکم نامہ لکھوا کر محمد علی خاں کے
پاس بھجوا دیا کہ تم قلعہ الہ آباد کو بجنسہ گورنمنٹ انگریزی کے حوالہ کر کے فوراً ہمارے
پاس چلے آؤ محمد علی خاں نے جدید بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور قلعہ میں اپنا اسباب اور
شاہی اسلحہ و دیگر اسباب اور اپنے مکانات چھوڑ کر اپنے خاندان کو ہمراہ لے کر بادشاہ
کے حضور میں حاضر ہوئے - اُنکا خیال تھا کہ تخلیہ عارضی کسی بدگمانی کی وجہ سے ہوا ہے
ان کا تصفیہ بادشاہ سے رو برو ہو جائے گا نواب سعادت علی خاں کو یہ بات معلوم ہوئی
کہ میرے بارے میں نواب بہو بیگم صاحبہ گورنمنٹ سے تصفیہ کر چکی تھیں اب اگر میں گورنمنٹ
سے کوئی نیا معاہدہ نہ بھی کرتا اور الہ آباد کا قلعہ وغیرہ نہ دیتا جب بھی سلطنت مجھے ملتی تو
اُن کو اس کا بہت افسوس ہوا اور محمد علی خاں صاحب کی طرف متوجہ نہ ہوئے یہ خود
نازک مزاج تھے لکھنؤ محلہ احاطۂ خانساماں میں سکونت اختیار کی اور خانہ نشین ہو گئے
گورنر جنرل نے کلکتہ سے لکھا کہ تم یہاں چلے آؤ تین سو روپیہ ماہواری پنشن مقرر کیجاتی
ہے مگر ان کی والدہ نے اس مفارقت کو منظور نہ کیا ناچار اپنے بہنوئی کے نام پنشن دلوادی
وہ کلکتہ میں اسی پنشن سے اپنی بسر اوقات کرتے رہے -

الہ آباد کے بازار اور عمارات پر کسی غیر آدمی نے محمد علی خاں کا وارث بنکر قبضہ کر لیا -

محمد علی خاں اپنی زندگی نہایت عیش و عشرت سے لکھنؤ میں بسر کر رہے تھے اور ان کے پاس بہت دولت تھی۔ مرغ بازی کا شوق بہت تھا۔

اودھ میں آکر انھوں نے اپنے لڑکوں کی شادی اہل کشامرہ میں کی اور نواب ظہیر الدولہ بہادر وزیر اودھ سے قرابت کا سلسلہ قائم ہوا۔

عبد الشکور خاں اور محمد علی خاں دونوں علاوہ علوم کے عامل تھے اور مشہور ہے کہ اُن کے پاس جن تحصیل علوم کو آتے تھے۔

خواجہ صاحب کے نانا مولوی عطا حسین عرف مولوی گدائی صاحب فارسی کے بے مثل استاد تھے اور ان کے پرنانا عبد اللہ خاں صاحب لاہور کے سفیر تھے اور وہاں ان کی عمارات عالیہ اور مکانات تھے بعد انتقال کے کوئی لاہور نہ گیا۔ اس سبب سے وہ املاک تلف ہو گئی۔ مولوی عطا حسین صاحب بادشاہ کے یہاں بیت الانشاء میں منشی تھے۔ دادا وجیہہ الدین بھی بہت اچھے خوشنویس تھے شاہی میں اپنے گھر کی دولت صرف کرتے رہے آپ کے والد ماجد آخری بادشاہ کے عہد میں آغاز جوانی میں سولہ برس کے سن میں نواب گنج ضلع گونڈہ کے تھانہ دار ہو گئے تھے۔ مگر کچھ دن کے بعد غدر کا سامان ہو گیا اور ان کے مکان کا تمام مال و متاع لوٹ لیا گیا۔

غدر کے دس برس کے بعد سنہ ۱۲۸۶ھ میں آپ کے والد خواجہ عبد الشکور صاحب نے شادی کی اور سنہ ۱۲۸۶ھ یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول کی چھٹی تاریخ صبح صادق کے وقت خواجہ صاحب پیدا ہوئے۔

تعلیم، ابتدائی تعلیم آپ کی مولوی اُمید علی صاحب قدوائی سے شروع ہوئی اور قرآن شریف کریما۔ ما مقیما تک انہیں سے پڑھی۔ مولوی صاحب صبح دس بجے مکان پر آتے تھے اور چار بجے تک پڑھاتے تھے۔

اس کے بعد آپ کے ماموں مولوی مہدی حسن صاحب جو فارسی کے مشہور استاد تھے آپ کو تعلیم دینے لگے۔ اور انکے فیض صحبت سے آپ کو فارسی میں بہت جلد مہارت ہو گئی جب مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا تو بعض کتابیں آپنے ابو الحنات حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد صاحب مالک مطبع نامی سے پڑھیں اور مولوی فتح محمد صاحب لکھنوی اور مولوی فہر یاد حسین صاحب مراد آبادی سے عربی کی صرف نحو کی چند کتابیں ختم کرکے

شرح جامی شروع کی تھی آپ کے والد کی صحت اچھی نہ رہتی تھی اسلئے گھر کے کاموں کا بار آپ کے ذمہ آپڑا التعلیم کا سلسلہ موقوف ہوگیا لیکن اسوقت آپ فارسی کی درسی انتہائی کتابیں مختلف اُستادوں سے پڑھکر دُرہ نادرہ تک ختم کر چکے تھے عربی میں کافی دستگاہ حاصل نہ ہوئی۔

اُسی زمانے میں آپ کو شاعری کا شوق ہوا سب سے زیادہ مسن شاعر شیخ محمد جان شادؔ پیرو میر تھے آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے حدائق البلاغت اور رسالہ قافیہ ملا قاسم گنابادی پڑھایا اور اپنے متروکات سمجھائے اور میر تقی میرؔ کے قواعد اصول اردو ذہن نشین کئے اور اس کے بعد غزل گوئی کی اجازت دی ابھی سال بھر اس مشق کو نہ ہوا تھا کہ پیرو میر زیارت کربلائے معلیٰ کو ہمراہ راجہ امیر حسن خاں والی محمود آباد جانے لگے تو آپ نے پوچھا میں آپ کی عدم موجودگی میں کس سے اصلاح لوں فرمایا تم کو احتیاج اصلاح نہیں ہے تم خود ماہر ہو اتنا خیال رہے کہ شعر بامعانی یا محاورہ کہا کرو اور زمانے کی موجودہ روش کی تقلید نہ کرنا سال بھر کے بعد زیارت سے واپس آئے تو بھی کلام پر اصلاح بہت کم دیتے تھے خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے استاد نے کبھی ایک مصرعہ پورا اصلاح میں نہیں دیا اور زبان اُردو کا لغت لکھنے کی ہدایت کی۔

مطالعۂ کتب، مطالعہ کتب کا آپ کو بہت شوق ہے۔ فارسی میں دیوان حافظ، جامی خسرو، صائب، خاقانی، شوکت بخاری، طالب آملی، مخلص کاشی کے دیوان آپ نے بار بار مطالعہ کئے۔

تاریخ، ہندوستان کی اکثر تاریخیں آپ کے مطالعہ میں رہیں۔

اُردو نثر، مرزا رجب علی بیگ کی نثر آپ کو بہت پسند ہے مولانا شبلی کی نثر بھی پسند ہے اور شمس العلما نذیر احمد اور سر سید کی تالیف بھی زیر نظر رہی۔

نظم، آپ کو میر تقی میرؔ کے کلام سے عشق ہے۔ اُن کے بعد مرزا تقی ہوسؔ کا کلام بہت پسند ہے اور اُنکی شاعری کے دلدادہ ہیں سوزؔ اور غالبؔ کے کلام کا بعض حصّہ مطبوع خاطر ہے آتشؔ صباؔ خلیلؔ۔ ناسخؔ۔ برقؔ۔ رشکؔ کا کلام بھی مطالعہ میں رہتا ہے۔ امیرؔ۔ داغؔ۔ جلالؔ کے کلام کو آپ پسند کرتے ہیں۔ اور محاورے کی سند میں جلالؔ کو زیادہ مستند مانتے ہیں۔

قصائد، قصیدے میں سوداؔ اور حسرتؔ کو اُستاد اول مانتے ہیں منیرؔ کے قصیدے زیادہ پسند ہیں

مراثی ، مرثیوں میں میر انیس، میر وحید، اور مرزا دبیر کی تصنیف کو پسند کرتے ہیں۔
شاعری ، شاعری میں میر کے رنگ کی تقلید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اُردو میں رعایت نفظی کی بھرمار کرنا اضافتوں کا زیادہ لانا فارسی تراکیب سے استعارات بعیدہ غزل میں لانا مجھے پسند نہیں شعر صاف ہو سلجھا ہوا ہو معنوی پہلو گمزور نہ ہو دل پر اثر کرتا ہو با محاورہ ہو۔
دیوان آپ کا مرتب ہو چکا ہے۔ تاریخیں کم کہیں، رباعیاں بھی کم لکھیں مخمس دو چار لکھے قصیدے کم کہے، مسدس دو ایک لکھے، قطعات اکثر کہے، نیچرل نظموں میں ایشیائی شاعری کی نزاکتیں پیدا کیں مرزا ہمایوں بخت جگر مرحوم کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا کئے اور اب مشاعروں کی شرکت اور غزل گوئی قطعاً ترک کردی ہے جونپور میں ایک مشاعرہ حفیظ جونپوری نے محلہ سپاہ میں بہت شاندار کیا تھا اُس میں آپ شریک ہوئے شہزادہ مرزا قیصر بخت فروغ نے بیحد تعریف کی اور اپنے دولت کدہ پر لے گئے کلام سنا اور سنایا۔
ادبی صحبت ، مولانا شبلی، جناب جلال لکھنوی۔ جناب تسلیم لکھنوی۔ جناب شمشاد لکھنوی منشی سجاد حسین سے اکثر ملاقات کا موقع ملتا رہتا تھا۔ جناب ریاض، مولانا شرر، جناب انجم جناب فصاحت، جناب افضل، حکیم کوثر، پروفیسر مرزا محمد ہادی، جناب کلیم، جناب قمر وغیرہ سے زیادہ اتفاق ملاقات رہتا ہے۔
ذریعہ معاش - ابتدا میں لکھنو ظہور بخش کی کوٹھی میں یورپین تعلیم اُردو کے لئے ایک لینگوج کالج قایم ہوا اس کے پرنسپل جناب مسٹر جانسن صاحب تھے، پرنسپل صاحب نے خواجہ صاحب کو اپنا اسسٹنٹ مقرر کیا۔
طلبا کی تعداد زیادہ انتی تھی بیس بیس طلبا کا ایک کلاس ہوتا ہے۔ ہر گھنٹہ کے بعد ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی تھی چھٹی کے وقت میں خواجہ صاحب ٹیوشن کا کام انجام دیتے بعدہ مسٹر گریف صاحب اس کے پرنسپل ہوئے۔ پھر مسٹر مرے صاحب پرنسپل رہے ان سب کے خواجہ صاحب اسسٹنٹ مقرر رہے اُمید تھی کہ یہ کالج مستقل ہو جائیگا اور اس کے واسطے عمارت تجویز ہوئی لیکن جنگ جرمن کے شروع ہوتے ہی کالج ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب مختلف ٹیوشن کرنے لگے۔
اور جو انگریز پروفیسنشی کا امتحان دیتے ہیں وہ اکثر آپ سے پڑھا کرتے ہیں۔ کیونکہ پروفیسنشی امتحان میں عروض بھی شامل ہے اور عروض خواجہ صاحب سے بہتر

کوئی نہیں سکھا سکتا۔

اس کے علاوہ آپ کتب خانہ تجارتی کے مالک بھی ہیں جسکی آمدنی معقول ہے۔

مشاغل، آپکو شاعری کے ساتھ ساتھ نثاری کا بھی شوق پیدا ہوا سب سے پہلے آپنے کتبخانہ جمع کیا جسمیں صدہا دیوان فارسی قلمی اور صدہا اُردو قلمی موجود تھے اسکے علاوہ مطبوعات جدید و قدیم کی اکثر کتابیں تھیں۔

آغاز شاعری میں آپنے لغت لکھنے کی بنیاد ڈالی محاورات کا لغت مع امثلہ جمع کیا دوسرا حصہ افعال مفرد کا لکھا تیسرا حصہ افعال مرکب کا چوتھا حصہ مصادر مفردہ کا پانچواں حصہ مصادر مرکبہ کا چھٹا حصہ مفرد الفاظ اسما کا ساتواں حصہ اسمائے صفات کا آٹھواں حصہ حروف روابط کا نواں حصہ محاورات بیگمات کا لکھا۔ لغات اُردو کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو تمام صوبہ بمبئی کے ہائی کلاسس اسکول لائبریری میں داخل ہیں۔ شاعری کی چار کتابیں طبع ہو چکی ہیں جو مقبول عام ہیں۔ قواعد میر ایک مستند قواعد کی کتاب ہے۔ جان اردو۔ اصول اُردو وہ دو بار چھپ چکی ہیں۔ مضمون نویسی اُردو اسمیں عبارت نویسی کے عمدہ قاعدے ہیں بہت مفید کتاب ہے۔ لغات کی تصنیف کے درمیان میں ایک کتاب متروکات الفاظ و محاورات کی اصلاح زبان اُردو کے نام سے لکھی، اور دوسری کتاب قواعد صرف نحو میں زبان دانی کے نام سے لکھی وہ طبع ہو کر بقدر مقبول ہوئیں کہ پہلا اڈیشن دونوں کتابوں کا آٹھ مہینے میں ختم ہو گیا۔

اس درمیان میں لکھنؤ میں شدت کی بارش ہوئی یا یوں کہیے کہ طوفان عظیم آیا جسمیں ہزارہا مکان منہدم ہو گئے آپکے کتبخانے کا مکان گر گیا اور تمام تصنیف شدہ لغت کی جلدیں مع کمیاب کتبخانے کے ضایع ہو گئیں جسکا آپ کو سخت رنج ہوا لیکن کسی سے ذکر نہیں کیا۔ اور پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اُسی زمانہ میں لکھنؤ کے مستند مشاہیر شعرا کی سعی سے لکھنؤ میں تحفظ زبان اُردو کی غرض سے انجمن اصلاح سخن قائم ہوئی اُسکے آپ سکریٹری مقرر ہوئے۔ آپ کے مضامین سے شاید ہندوستان کا کوئی رسالہ یا اخبار خالی رہتا ہو تو رہتا ہو تاریخ اودھ کے بیشمار مضمون لکھے اُردو زبان کے تحفظ میں پرزور مضامین سب سے زیادہ آپنے لکھے اور اسی کوشش کا یہ اثر ہے کہ حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم ہو گئی اور ہندوستان میں مختلف انجمنیں اردو کی حفاظت میں قائم ہوئیں باوجود فکر معاش اور تفکرات کے آپ اُردو کی خدمت میں اسطرح سرگرم ہیں جسطرح کوئی دنیادار فکر روزی میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسوقت بھی روزانہ کچھ نہ کچھ تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا ہے اُردو کی بیشمار مستند صرفی اور نحوی قاعدے آپنے اختراع کئے ہیں۔

دُعا ہے کہ خداوند کریم آپ کی عمر میں ترقی دے اور دلی مقاصد میں کامیاب کرے یہ کتاب خمخانۂ عشرت آپکی اُن نیچرل نظموں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً آپنے تحریر فرمائی ہیں مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب بھی آپ کی جملہ تصانیف کی طرح مقبول عام ہوگی اور اہل نظر اسے آنکھوں سے لگائیں گے۔

اُحقر نشتر لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوئے یار

اے کوئے یار تیرا کیا راستہ کٹھن ہے
ہر ہر قدم پہ جسمیں اک ایک رہزن ہے

دشمن رقیب اپنے بد ہیں نصیب اپنے
کانٹے بکھیرے ہیں جسمیں ایسا یہ اک چمن ہے

بلبل کو شاخ گل پر آتا ہے چین لیکن
گلچیں کو دشمنی ہے صیاد کو جلن ہے

دونوں اسی ہوس میں کیا کیا بھٹک رہے ہیں
دیر و حرم کے اندر زاہد ہے برہمن ہے

ہر ایک جا پہ تیری طرح بہار دیکھی
بلبل کا تو چمن ہے آہو کا تو ختن ہے

آوارگی یہاں تک پرواز کر چکی ہے
غربت نصیب دل نے صدقے کیا وطن ہے

پایا نہ ہمنے لیکن خوش فکر کوئی تجھ میں
جو ہے وہ سینہ زن ہے جو ہے وہ نعرہ زن ہے

اک بھیڑ سی لگی ہے اس میکدہ کے در پر
ساقی وہی پرانا مے بھی وہی کہن ہے

کوئے صنم کا نقشہ پاتے ہیں ہر جگہ ہم
کہتے ہیں جسکو جنت حوروں کی انجمن ہے

دل کہہ رہا ہے لیچل مجکو اسی گلی میں
رونق فزا جہاں پر وہ غیرت چمن ہے

اس کے بغیر کیونکر دل کو قرار آئے
پروانہ ہوں میں گویا وہ شمع انجمن ہے

موسیٰ سے بات کی ہو کیونکر یقین آئے
مشہور تو جہاں میں معشوق کم سخن ہے

اے کاش اس گلی میں تربت بنا دے کوئی
جس سرزمیں کی مٹی میرے لئے کفن ہے

اے کوئے یار تجھمیں کیوں پیچ ہیں ہزاروں
ہے پھیر راستہ کا یا زلف کی شکن ہے

اے قوم کے جوانوں اب خواب سے تو چونکو
گر اگلی ہمتوں کا کچھ خون جوش زن ہے

ہمت اگر ہو کوئے مقصود دور کیا ہے
غربت کی شب میں دیکھو تاباں رخ وطن ہے

مشکل نہیں ہے کوئی آسان جو نہ ہوئے
دو روز کی ہے زحمت دو روز کا محن ہے

نزدیک کوئے جاناں پاؤں میں اپنے طاقت
افسوس غیر ہم پر اس پر بھی طعنہ زن ہے

ہمت مدد کرے کچھ غیرت دکھائے آنکھیں
گو کاہلی گلے میں باندھے ہوئے رسن ہے

یادِ ایامِ بہار

راحت افزائے جگر ہے آمدِ فصلِ بہار
دستِ شبنم کر رہا ہے روئے گل پر آبشار

ہے نسیمِ صبح میں اعجازِ عیسیٰ کا اثر
صحت جسمی اُڑا لائی ہے اپنا راہوار

گلعذارانِ چمن کی گشت وہ رشکِ بہشت
توبہ زاہد کی دکھاتی ہے جیسے روئے فرار

کشتِ غم کو ابرِ رحمت نے کیا بالکل تباہ
طفلِ غنچہ خواب راحت سے ہوا ہے ہوشیار

لالہ و گل کی یہ کثرت ہے کہ صحنِ باغ میں
گل کے سینہ پر قدم رکھکر صبا پاتی ہے بار

نو عروسِ باغ نے پہنا لباسِ سرخ ہے
ناچتے ہیں مور بلبل گا رہے ہیں سب ملار

کالی کالی وردیاں پہنے ہوئے بادل اُٹھے
حبشیوں کی فوج یا جاتی ہے موئے کوہسار

کھیت کی مینڈ و نپہ کیا بشاش بیٹھے ہیں کسان
سبز مخمل کا بچھونا دیکھتے ہیں بار بار

کہتے ہیں آپسمیں پھر چلنے لگی پُروا ہوا
وہ برستے آتے ہیں بادل دھڑا دھڑ ہوشیار

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں جو جگر کے پار ہوں
ننھی ننھی بوندیاں سلکِ گہر جن پر نثار

سبزۂ خود رَو ہے یا تختِ زمرد ہے بچھا
آگ جنگل میں لگی ہے یا کھلا ہے لالہ زار

ہے دماغِ جاں کو فرحت بخش پھولوں کی مہک
خود بخود یا کھلگیا ہے نافۂ مشکِ تتار

ساقی و میخانہ یاد آتا ہے ایسے وقت میں
اچھے اچھے متقی ہو جاتے ہیں بے اختیار

ہے ادہر بیلہ مہکتا اُسطرف جوہی کھلی
اک پری سوئے یمن ہے اک پری سوئے لسیار

چھائی ہے کالی گھٹا کیسی اندھیری رات ہے
بجلیاں چمکیں کبھی جگنو نے دکھلائی بہار

گرتے ہیں غنچوں سے یہ شبنم کے قطرے صبحدم
یا پریزادانِ عالم رو رہے ہیں زار زار

یہ کسی معشوق کا جوبن ہے گدرایا ہوا
گچھے گچھے چھوٹے چھوٹے یا لٹکتے ہیں انار

یتیم بچوں کی عیدی

در در پہ کھا رہے ہیں ٹھوکر یتیم بچے
آوارہ پھر رہے ہیں گھر گھر یتیم بچے

روٹی نہیں میسر کپڑا نہیں بدن پر
زندہ رہیں جہاں میں کیونکر یتیم بچے

ماں ہے غریب بیکس پردہ نشین عفت
کیا باندھیں پیٹ پر اب پتھر یتیم بچے

عادت گداگری کی پڑ جائے گی جو ان کو
ہو جائیں گے بھکاری بڑھ کر یتیم بچے

فاقہ کشی سے عاجز ہوتے ہیں جب نہایت
بنجاتے ہیں مسیحی اکثر یتیم بچے

ہندوستاں میں بالکل ہمدردیاں نہیں ہیں
بے زر ہے قوم ساری بے پر یتیم بچے

ہر ایک کی نظر میں خوار و ذلیل یہ ہیں
مثلِ سرشکِ غم ہیں ابتر یتیم بچے

مذہب نے کی ہے ہمکو تاکید شد و مد سے
بچوں سے ہیں تمھارے بہتر یتیم بچے

انکے نہ دل دکھاؤ بے باپ کے ہیں بچے
ایسا نہ ہو کہ کوسیں رو کر یتیم بچے

ہلتا ہے عرش اعظم روتے ہیں جس گھڑی یہ
چرخ مراد کے ہیں اختر یتیم بچے

کچھ مدرسے بناؤ جنمیں یہ پرورش ہوں
پھرتے ہیں مارے مارے در در یتیم بچے

امیدیں ہیں بہت سی وابستہ انکے دم سے
ہیں درج آرزو کے گوہر یتیم بچے

وہ خود غریب بیکس فاقے سے مر رہی ہے
پھر پرورش کرے کیا مادر یتیم بچے

یہ یاد کر کے کس کو اسوقت رو رہے ہیں
دل میں چبھو رہے ہیں نشتر یتیم بچے

مشتق ہیں انکے دم سے ہر طرح کے فوائد
ہیں ان اضافتوں سے مصدر یتیم بچے

اسوقت ترک سارے میداں میں کٹ رہے ہیں
برباد عورتیں ہیں بے سر یتیم بچے

تف ایسی زندگی پر ہم پیٹ بھر کے کھا لیں
اور روٹیوں کو ترسیں اکثر یتیم بچے

بیوائیں رو رہی ہیں شوہر کو یاد کر کے
اور کچھ بلک رہے ہیں گھر گھر یتیم بچے

یہ جان دینے والے اسلام پر مٹے ہیں
یوں ہو رہے ہیں ان کے ابتر یتیم بچے

دینی حمایتوں میں سر بیچ کر لڑے ہیں
اب چھوڑ کر گئے ہیں کمتر یتیم بچے

یعنے وہ جانتے تھے جتنے ہیں کلمہ گو سب
خود پرورش کریں گے آ کر یتیم بچے

ہم دین پر مٹے ہیں وہ ہم پہ جان دینگے
ہم ہوں نہ ہوں رہیں گے خوشتر یتیم بچے

دنیا میں اہل ایماں اسوقت ہیں کروڑوں
کیا وہ نہ پال لیں گے ملکر یتیم بچے

دست کرم بڑھا کر ان کو سنبھال لو تم
دہشت سے کانپتے ہیں تھر تھر یتیم بچے

بیوہ غریب بیکس بھوکی پڑی ہوئی ہے
کچھ چھوڑ کر گیا ہے شوہر یتیم بچے

آنکھوں کی روشنی تھے ماں باپ کی جو کل تک
وہ آج کھا رہے ہیں ٹھوکر یتیم بچے

لو رو رہے ہیں انکو اب گود میں اٹھا لو
برسا رہے ہیں دیکھو گوہر یتیم بچے

سب عید کی خوشی میں اترا رہے ہیں کیا کیا　　مایوس ہو رہے ہیں بے زر یتیم بچے

بچوں کا اپنے صدقہ عیدی کچھ انکو دیدو

منھ تک رہے ہیں ہی ہی لاغر یتیم بچے

ناظورہ اُمید

دل رُبایانہ ہے اُمید اشارا تیرا　　کام آتا ہے ہر اک وقت سہارا تیرا

سچ یہ ہے جانب دنیا بھی ہمیں تو لائی　　باغ ہستی کی ہوا تیرے کرم سے کھائی

کوئی لالچ تھا کہ ہم کنج عدم سے چلکر　　آئے اس دہر میں تفریح کو بے زاد سفر

شوق دیدار ادھر حسن پرستی کا مزا　　یک بیک عالم عنصر میں ہمیں لے آیا

اب یہاں سے ہمیں حوروں کی خیالی صوت　　کھینچ لیجائے گی اک روز سیاں جنت

باغ جنت کے وہ حالات سنائے تونے　　شوق فردوس کے کچھ ایسے دلائے تونے

قصد کرتے ہیں کہ اک روز وہاں بھی جائیں　　ہے ارادہ کہ وہ گلشن بھی ذرا دیکھ آئیں

تو ہی افسردہ دلوں کو ہی ہنسانے والی　　عین مایوسیوں میں کام ہے آنیوالی

دشت وہ دشت نظر ٹھوکریں کھاتی ہے جہاں　　تو معاون ہوئی غربت زدہ مفلس کی وہاں

تیرے وہ عزم ہیں آتا نہیں کچھ جسمیں خلل　　تیری امداد سے طے ہوتے ہیں سب دشت و جبل

دامن وہم اُلجھ جائے وہ خارستاں ہے　　ساتھ اس دشت میں تو صورت جسم و جاں ہے

کوئی جیتا ہے تو اُمید اُسے ہے اتنی　　وصل اک وعدہ فراموش سے حاصل ہو کبھی

سچی معشوقہ ہر اک دل کی ہی تو اے اُمید　　تیرے ہی نام کے سب مردے ہیں زندہ جاوید

نامُرادوں سے کیا کار مسیحا تونے　　حسرت مردہ کو سینے میں جلایا تونے

ڈگمگاتے ہوئے پاؤں کا سہارا تو ہے　　اونچی چوٹی پہ چڑھانیکا اک آلا تو ہے

بے ترے عیش وطن ہمکو ہے مشکل جینا　　شام غربت میں ترے دم سے ہے کھانا پینا

بستر مرگ پہ بے حس جو پڑے ہیں مطلق　　تیرے ہی نام سے چہرے پہ ہے انکے رونق

ہجر کی شب کی گھٹاٹوپ بھیانک صورت　　دم قدم سے ترے ہوجاتی ہے فوراً چھپت

تو جو اک بیوہ کو تسکین دیا کرتی ہے　　ننھے سے بچے کو وہ پال لیا کرتی ہے

ضعفا ایسے کہ وارث نہیں جنکا کوئی　　اُن غریبوں کی تو ہی کرتی ہے کچھ دلجوئی

کامیابی کا ستارا ہے بہت دور مگر — چشمِ اُمید سے دیکھو تو ہے نزدیک نظر
ساری دنیا سے ترقی کی عمارت ہی بلند — کام دیتی ہے وہاں صرف تری ایک کمند
تو ہی ہر رنج میں مونس ہے الم میں ہی رفیق — تو ہی افلاس میں ہے دوست مصیبت میں شفیق
کونسا کام تھا جسمیں نہ مدد کی تو نے
جو بلا آئی زمانے میں وہ رد کی تو نے

قصیدہ

عید میں آج عید آئی ہے — یہ مسرت مزید آئی ہے
خرمی کی کلید آئی ہے — ساعت نوسعید آئی ہے
ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاج پوشی کا

لو وہ انگلینڈ سے جہاز چلا — نام اقدس مدینہ ہے جس کا
باب مندب پہ جس گھڑی پہنچا — ترکیوں نے سلام کرکے کہا
ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

رونما ہے سعید کا بندر — آئے خدمت میں آپ کی کچھ نذر
مصریوں نے کہا یہ خوش ہوکر — زندہ باشید قیصرہ قیصر
ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاج پوشی کا

ہر طرح کی جہاز میں ہے بہار — تار برقی ہوا کی ہے تیار
روز خبروں کے ہوتے ہیں انبار — روز چھپتا ہے اک نیا اخبار
ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

اب عدن میں جہاز آ پہنچا — پیشوائی کو جمع ہیں اُمرا
عربی گیت بینڈ میں وہ بجا — ہے شمالی زبان کا گانا

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاج پوشی کا

بمبئی تک بخیریت آئے — حق تعالے نے دن یہ دکھلائے
خیر مقدم کو کیوں نہ دل جائے — سب نے مقصود اپنے بھر پائے

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

فخر دلی کو یہ ہوا حاصل — ہند کا بادشہ ہوا داخل
عید میں عید یہ ہوئی شامل — بڑھ گئے خیر خواہوں کے اب دل

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

مغربی بادشاہ کا آنا — اہل مشرق میں جشن فرمانا
دعوتیں دے کے سب کو بلوانا — اس کرم کا ہر اک ہے دیوانا

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

اس ادا کا ہر ایک شیدا ہے — شاہ سے خوش بہت رعایا ہے
خلق یہ حاکموں میں عنقا ہے — ایسی باتوں کا ہند جویا ہے

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

شاہ نے آ کے سرفراز کیا — دل رعیت کا خوب شاد ہوا
اب یہاں جوبلی کا ہو جلسا — دل کا یہ مدعا بھی ہو پورا

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاجپوشی کا

شاہ کیسا رعایا پرور ہے — عدل گستر ہے داد گستر ہے
اوج پر ہندیوں کا اختر ہے — آج عشرت نوید گھر گھر ہے

ہے یہ ہنگام گرم جوشی کا
جشن ہے شہ کی تاج پوشی کا

دنیاوی کایا پلٹ

غور سے ڈالو اگر اجزائے دنیا پر نظر
تو بہت تبدیلی اور کایا پلٹ ہے بیشمار

دیکھئے جس چیز کو اُس میں تغیر ہی شریک
ہے تلون پر ہر اک ایجاد کا دار و مدار

ایسی شے کم ہے کہ جو آغاز سے انجام تک
ایک ہی شکل و شمائل پر رہی ہو برقرار

آدمی کی انتہا و ابتدا کو دیکھئے
اول اول ایک بچہ ناسمجھ تھا شیرخوار

اور حرکت بھی نہ دیسکتا تھا اعضا کو ذرا
ہر گھڑی رہتا تھا اپنی ماں کی گود میں سوار

پھر تو کچھ کچھ ہاتھ پاؤں بھی نکالے بقدر
گھٹنیوں چلنے لگا نافہم تھا جو شیرخوار

مقتضائے سن سے اعضا نے بھی کی نشو و نما
آگئی اس باغ میں آخر جوانی کی بہار

خود جو تھے محتاج وہ ہیں دوسروں کے دستگیر
جو کہ تھے مجبور پہلے اب ہوئے با اختیار

دو قدم جو چل نہ سکتے تھے وہی ہیں پہلواں
گرتے تھے جو دو قدم چلکر وہی ہیں شہسوار

تیسرا دور اور بھی اُس کے مخالف آگیا
آکے پیری نے جوانوں کو کیا زار و نزار

بازوؤں میں کچھ رہی طاقت نہ پاؤں میں سکت
رعشہ اعضائے بدن میں ڈالتا ہے انتشار

جس نے دیکھا ہے جوانی میں انھیں با کر و فر
دیکھکر یہ شکل رو دیتا ہے وہ بے اختیار

اُس وسیع اور پُر فضا جنگل پہ ڈالو اب نظر
جسمیں جز خودرو درختوں کے نہیں کچھ رہنہار

جھاڑیاں جھنکاریاں ٹھنڈی ہوا میٹھے پھل
قدرتی خودرو نباتات اور نخل سایہ دار

لیکن اُس کی اگلی اور پچھلی اگر تاریخ پر
کچھ نظر ڈالو تو ہو جائیں تغیر آشکار

ہو چلے ہیں انکے بھی کتنے زمانے دہر میں
اک عمارت تھی کبھی اک قلعہ تھا پائدار

آج یہ جنگل ہے کل تھا باغ پہلے تھا کچھ اور
پھر خزاں کا دور آیا پھر ہوئی داخل بہار

ہے سحر کا وقت پھولی ہے شفق افلاک پر
دوسری جانب سفیدی ہو رہی ہے آشکار

کسقدر اٹکھیلیوں کی چال چلتی ہے نسیم
آشیانوں میں چمن کے نغمہ آرا ہے ہزار

کیا بچھا ہو نہیں چھپی جاتی ہے سبزے کی مہک
اور پھولوں کی مہک سے ہو گیا دل بیقرار

یکایک حدتِ مہر منور نے تمام
دے دیا بادِ سموم دہر کو سب اختیار

اُن عماراتِ لطیفہ پر ذرا ڈالو نظر — دستِ بُردِ دہر سے جو ہوگئیں زار و نزار
ایک دن وہ تھا کہ ہر املاک عالیشان کو — خوشنمائی دلکشی نے کردیا تھا پائدار
ایک دن یہ ہے کہ اس کہنہ محل کی اینٹ اینٹ — اپنے صناعوں کی حالت پر ہوئی ہے اشکبار
جس مکاں میں گرم رہتی تھیں ہمیشہ صحبتیں — مرجعِ خلقِ خدا جو آستاں تھا آشکار
آج اس قابل نہیں وہ سرزمیں افسوس ہے — اک تھکا ماندا مسافر دم کے دم پائے قرار
کل جہاں پر تھے حسینانِ جہاں کے قہقہے — آج اُلّو بولتا ہے اُس محل پر بار بار
ہائے وہ نازک قمر طلعت حسیں کیا ہوگئے — کیسے کیسے نازنیں ہیں زیبِ افزائے مزار
دور کیوں جاؤ اسی ہندوستاں کو دیکھ لو — گذرے ہیں عہدِ سلف میں کیسے کیسے ذیوقار
آج دنیا میں کہیں نام و نشاں باقی نہیں — فاتحانِ تیغ زن ہیں اور نہ اُن کے جانثار

ہو جیئے نیچر کے ان تازہ کرشموں پر فدا!
کیسی کیسی صورتیں بن بن کے بگڑیں بار بار

کرشمۂ انتظار

معشوق کے کرشمے ہیں سب انتظار میں — لیتا ہے چٹکیاں یہ دل بے قرار میں
لیکن خدا کرے نہ یہ چسکا کسی کو ہو — ایسی تو آرزو نہ کسی آدمی کو ہو
وہ دشت وہ جبل جنھیں انسان دیکھ لے — تو ڈر سے اسکے پست ہوں سب کے حوصلے
کوئی سرا وہاں ہے نہ منزل کا نام ہے — صحرائے ہولناک خطر کا مقام ہے
آباد یہ ہیں سب انھیں آوارہ گرد سے — نکلے جو انتظار کے دشتِ نبرد سے
وہ پُرخطر پہاڑ کی دُشوار گھاٹیاں — منطق کی طرح جس میں نظر آئیں گتھیاں
ان میں وہی تو ٹھوکریں کھاتے ہیں بار بار — جنکی کمر کو کس کے اٹھاتا ہے انتظار
صحرا میں ریگ کے ہیں جو ٹیلے کھڑے ہوئے — دامِ فریب و آز ہیں گویا بچھا رہے
جاسوس انتظار کا ہے اک لگا ہوا — جو انکو کھینچ کھینچ کے ہے اُسمیں لا رہا
وہ خار جو ببول سے گر کے زمین پر — بکھرے ہوئے ہیں صورتِ لختِ دل و جگر
ان دامنوں سے آج ہیں لپٹے پڑے ہوئے — جو چاک ہو کے ساتھ گریباں کا دیتے تھے
پُرپیچ دشت صورتِ گیسوئے مشکفام — بھولے سے بھی سلجھنے کا لیتے نہیں ہیں نام

پھرتے ہیں انمیں بس وہی حرماں نصیب آج ‌ ‌ تسکین جنکو دیتا ہے یہ پوچھکر مزاج
وہ ہولناک سطح سمندر کہ الاماں ‌ ‌ جن کی نہ ابتدا ہو نہ ہو انتہا بیاں
کھائیں تھپیڑے آہ جہاز انکے بار بار ‌ ‌ جنمیں ہیں انتظار کے مارے ہوئے سوار
ہے انتظار نام سکوت اور سکتے کا ‌ ‌ جنمیں خیال کروٹیں لیتا ہے دل فزا
پہلو میں نازنیں کی طرح گدگداتا ہے ‌ ‌ یہ کیفیت مزے کی نہایت دکھاتا ہے
اُمید انتظار کے پہلو میں ہے پلی ‌ ‌ ہے دلدہی کو آرزو استادہ ہر گھڑی
بیتاب دل جو ہو تو تسلی یہ دیتی ہے ‌ ‌ بیچین ہو ذرا تو یہ گودی میں لیتی ہے
اس کا سکوت دل کو مزے وہ دکھاتا ہے ‌ ‌ دلچسپیاں جہاں کی بشر بھول جاتا ہے
ہے قاعدے کی بات جو ہوتی ہے چیز دور ‌ ‌ ہوتا ہے اُسکے ملنے کا دل میں بہت فتور
کہتا ہے شوق پاس ہمارے ابھی یہ آئے ‌ ‌ یا ہمکو پاس اپنے ابھی کھینچکر بلائے
یہ نیلے نیلے رنگ کا ہے گول آسماں ‌ ‌ یہ تارے جگمگا کے دکھاتے ہیں اپنی شاں
افشاں کی طرح وہ جو جھلکتی ہے کہکشاں ‌ ‌ دردِ جگر کی طرح چمکتی ہیں بجلیاں
یاقوت لب کیطرح شفق میں ہے کیا بہار ‌ ‌ بادل یہ جھوم جھوم کے آتے ہیں بار بار
یہ کیوں ہمیں بہار دکھاتے ہیں اسقدر ‌ ‌ یہ اسلئے کہ دور ہیں سب بلکہ دور تر
کیا اچھی وہ گھڑی تھی کہ جب دلکو تھا فراغ ‌ ‌ تھے انتظار میں کسی گلرو کے باغ باغ
پہلو میں اُسکی یاد تھی ہر وقت ہمنشیں ‌ ‌ رہتا تھا اپنی چشم تصور میں نازنیں
ایسا یہ انتظار تھا اک جس سے تا حیات ‌ ‌ اُمید کچھ نہ تھی کہ ملیگی ہمیں نجات
لیکن ہمارا جوش جوانی جو گھٹ گیا ‌ ‌ پردہ تمام دل کی اُمنگوں کا ہٹ گیا
جب پختہ کاریوں کو ملا وقت کام کا ‌ ‌ دل کی توجہ اور طرف پھیر دی ذرا
جس کی یہ ہے غرض کہ بنو نوحہ خوان قوم ‌ ‌ اُٹھ بیٹھو خواب جہل سے اب اے جوان قوم
پچھلی ترقیوں کو کرو آج اپنی یاد ‌ ‌ بیٹھو سنبھل کے اور کرو دل کو شاد شاد

کوشش کرو کہ پھر کے بہار آئے باغمیں
کچھ تیل چاہئے ہے ابھی اس چراغمیں

آثار قدیمہ

کیا مٹائے ہیں زمانے نے پرانے آثار — نہ ہیں شاہانِ اولوالعزم نہ اُنکے دربار
وہ قدامت کے کتابے وہ عمارات لطیف — شہر آراستہ پیراستہ مینا بازار
اعلےٰ اعلےٰ شعرا ناظم جادو تقریر — کیسے کیسے فصحا ابلغ و دانا نثار
پڑ گئے سب پہ قدامت کے کچھ ایسے پردے — کہ نظر تک نہیں آتے ہیں کسی کے آثار
لڑکھڑاتی ہوئی چلتی تھی جہاں روز نسیم — اب ہیں وہ باغ کہاں اور کہاں انکی بہار

اگلی دنیا کا اگر نام و نشاں باقی ہے
تو وہ ٹوٹی ہوئی قبریں ہیں پرانی دو چار

خواب نوشیں کا مزا لیتے ہیں سونیوالے — چین سے سوتے ہیں مرقد میں صغار اور کبار
جب کبھی گورِ غریباں کی طرف جا نکلے — انکو دیکھا کہ ہیں سب منتظرِ روزِ شمار
فاتحہ پڑھنے کو جب ہاتھ اُٹھایا ہم نے — دیکھکر دیدۂ عبرت سے کیں اور بسیار
دل بھر آیا ہے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکے — بیکسی اُن کی محافظ تھی الم چوکیدار
نیست نابود ہوئے سیکڑوں کہنہ تکیے — لوحِ تربت کا پتہ ہے نہ کہیں نقشِ مزار
بعض قبروں کو زمانے نے مٹایا تو بہت — مٹ سکیں وہ نہ مٹانیسے کبھی آخر کار

درحقیقت ہیں زمانیں وہی خوش تقدیر
نام مرنے پہ بھی مِٹتا نہیں جنکا زنہار

دیکھئے کھول کے اوراق تقاویم کہن — ذکر کچھ اہل وفا کا ہے جہاں حسرت بار
ہیں وہاں بعض ستم کیش بھی ایسے ایسے — نقدِ جاں جن سے بچانا تھا جہاں انکو شعار
سچ اگر پوچھئے تو واقعی آثار قدیم — جتنے برباد ہوئے اُتنے ہیں عبرت آثار
کہنہ قصّوں میں جو ہے لطف اسے کیا کہئے — اگلے بڈھوں کے تقاریر ہیں دُرِّ شہوار
عشرت ان کہنہ عمارات کو دیکھے کوئی — منہ سے کہدیتی ہے سب حال شکستہ دیوار

چاند اور اُس کی روشنی

اے چاند تیری روشنی کس نور سے معمور ہے — آنکھوں میں ٹھنڈک جس سے ہے فرحت سے دل مسرور ہے

کس باغ کا تو پھول ہے کس بزم کی قندیل ہے
شعلہ ہے یا بجلی ہے تو یا نار ہے یا نور ہے

یہ فیض تیرا سب پہ ہے ہو دوست یا دشمن کوئی
یکساں ہے تیری روشنی نزدیک ہے یا دور ہے

شیشہ ہے تو کس جام کا تو ہے نگیں کس نام کا
کس سوز کا تو ساز ہے کس زخم کا ناسور ہے

آئینہ ہے کس ماہ کا نقش قدم کس راہ کا
تو قرص ہے کس خوان کا یا تورہ کافور ہے

کس حور کا رخسار ہے کس دل کا تو دلدار ہے
یا آنکھ کی پتلی ہے تو یا نرگس مخمور ہے

بیشک خدا کا نور ہے پردے میں تیرے جلوہ گر
دم سے ترے ہر اک مکاں مانند کوہ طور ہے

پہلو میں تیرے اے قمر تارے نہیں ہیں جلوہ گر
نخل تمنا کے ثمر یا خوشۂ انگور ہے

سینے پہ تیرے داغ ہے کس ماہوش کے ہجر کا
عاشق ہے کس محبوب کا وہ کون رشک حور ہے

تو خود حسیں ہے عشق کا کیوں روگ اپنے سر لیا
یہ بوجھ تجھ سے اٹھ سکا عاشق ہے یا مزدور ہے

وہ کونسا معشوق ہے کچھ نام تو اس کا بتا
کیا وصل اس دلدار کا تجھکو نہیں منظور ہے

تارے ہیں یا آنسو ترے یا قطرۂ خون جگر
یا دل میں تیرے زخم ہے یا کوئی ناسور ہے

میری سی حالت تیری ہے تیری سی تھی میری کبھی
میں ہوں ستمدیدہ اگر تو بھی بہت رنجور ہے

عاشق کو ملتا ہی نہیں راحت سے رہنا ایک شب
یہ امر ناممکن سا ہے یہ بات تو مشہور ہے

بادل

تیرے احسان کے ممنون ہیں سب اے بادل
خار صحرا ہوں کہ گلہائے چمن سرو جبل

کھیت کے کھیت ہیں سیراب تری بارش سے
مخملی فرش بچھا دیتے ہیں سوکھے جنگل

تو گرجتا ہوا آتا ہے تو ہوتا ہے گماں
بھر کے لایا ہے کوئی کانوار بھی گنگا جل

کاشتکاروں کا ترے دم سے ہے مرنا جینا
خشک سالی سے تجھے رہتی ہے ہر روز جدل

تو نہ آئے تو خزاں کا نہ قدم جائے کبھی
تو نہ آئے تو چمن میں بھی نہ پھولے کوئی پھل

سبز بانات کے ہیں پھول گہ اوراق شجر
پھل درختوں میں کہ فانوس ہیں روشن ہیں کنول

آشیانوں میں پرند نکلے بھرا ہے پانی
باغ میں بارش باراں سے تری ہے جل تھل

بوند پانی کو جہاں روتے تھے دن رات کسان
ایکدم بھر میں وہاں بھر دئیے تو نے جل تھل

گھانس پر دیکھ کے شبنم کو یہ ہوتا ہے گماں
موتی ٹانکے ہیں کسی نے لب فرش مخمل

ابکی بارش میں انھیں جینے کی امید ہوئی — ورنہ مایوس تھے دہقان تو اول اول
زرد پتے تھے ابھی سوکھے ہوئے باغوں میں — کیسا برسات کے آتے ہی گیا رنگ بدل
اسقدر لاتا ہے انمول کہاں سے پانی — کہ جو بھر دیتا ہے دم بھر میں تمامی جل تھل
بھر کے لے آتا ہے پانی جو سمندر سے کبھی — تو زمیں کہتی ہے مہراج پلا دو ہمیں جل
شام کے وقت دکھاتا ہے جو برس کر پانی — ورق چرخ پہ چھپاں ہے سنہری جدول
پیٹ بھرتا ہے زمیں کا ترے مشکیزے سے — کھینچنے سے تو یہ عقدہ کبھی ہوتا نہیں حل
تو نہ ہوتا تو ابھی قحط سے مرجاتے سب — تو نہ ہوتا تو زمانہ میں نہ ہوتا کوئی پھل

بے ترے حکم ہے بیکار زمینداروں کا
بے ترے نظم زراعت میں زحافات خلل

نیرنگئ فلک

یہ مثل سچ ہے نہیں ظالم کو ملتا ہے قرار — اے فلک گردش تجھے بھی ایک ہی حالت میں ہے
اس پہ بھی جور و جفا سے باز تو آتا نہیں — آہ ظالم ظلم کرنا کچھ تری خلقت میں ہے
حکمراں تو عرصۂ گیتی کے ہر گوشے پہ ہے — دبدبہ میں دبدبہ صولت تری صولت میں ہے
دامن دولت میں تیرے گو نہیں ہے کچھ کمی — بخل قاروں کی طرح لیکن تری خصلت میں ہے
یہ نہیں کہتے کہ رکھا عمر بھر تو نے خراب — آج عزت جسکو دی تو نے وہ کل ذلت میں ہے
اس تلون سے ترے گھبرا گئے ہیں سب کے سب — تو نہ ہوا اب ہم وہاں جائیں یہی نیت میں ہے
عہد تیرا ایک بھی ہمنے نہ پایا استوار — سر چڑھا کر پھر گرا دینا تری طینت میں ہے
تجھ میں سب انداز ہیں بد عہدی معشوق کے — جھوٹ تو ظالم ہمیشہ سے تری قسمت میں ہے
ظلم چاہے جسقدر کرنے تجھے ہے اختیار — جان تو جان آفریں کے قبضۂ قدرت میں ہے
چھلکے افشاں تو ستارہ دنکو نکلتا ہے تو کیا — سب یہ کہتے ہیں کہ یہ صورت کسی صورت میں ہے
دن کو ہے خورشید سے شب کو مخاطب چاند سے — اک نیا معشوق تیرے پاس ہر خلوت میں ہے
لیکن ان دونوں سے بھی اچھے نہیں تیرے سلوک — اک اگر غربت میں ہے تو دوسرا ذلت میں ہے
پھر بھلا کس بات سے تیری زمانہ خوش رہے — اک ستمگاری کا شیوا تیری ہر جدت میں ہے
ایک دن وہ تھا کہ یوسف پر زلیخا تھی فدا — ایک دن وہ ہے کہ مسکیں قید کی حالت میں ہے

تیری اک گردش میں عالم کا بدلجاتا ہی رُخ
کوہ کو اک کاہ کر دینا تری عادت میں ہے

اوّل اوّل تونے دارا سے کیئے کیسے سلوک
آخر آخر جاہ اسکندر کی وہ ہیبت میں ہے

قصر کسریٰ ہے نہ وہ جمشید کا ہے جام جم
ذکر جنکا آج تک ہر ایک کی صحبت میں ہے

یاد ہے ہمکو کہ ہندوستاں کبھی سرسبز تھا
آج ہر فردِ بشر جسکا بہت نکبت میں ہے

کیا ہوئے دہلی کے وہ مشہور شاہانِ سلف
نام جنکا آجتک سطوت میں ہی شوکت میں ہے

خاک میں تونے مِلایا آہ کس کس نام کو
آج ہم اٹلی کو روئیں یا قصورِ شام کو

پانی نہیں برستا

اب ہوگی خشک سالی پانی نہیں برستا
ہیں کاشتکار خالی پانی نہیں برستا

تحصیل اور پولس نے بیڈ ھب ستا رکھا ہی
لیکن جناب عالی پانی نہیں برستا

بد خلیوں کے چرچے ہر سمت ہو رہے ہیں
پھیلی ہے بدخیالی پانی نہیں برستا

بالے میاں کا میلہ کس طرح اب کی ہوگا
بھوکے ہیں سب ڈفالی پانی نہیں برستا

باغوں میں جو شجر ہیں وہ نخل بے ثمر ہیں
روتے ہیں سارے مالی پانی نہیں برستا

گل خار ہو گئے ہیں غنچوں میں بو نہیں ہی
سوکھی ہی ڈالی ڈالی پانی نہیں برستا

گو موسمی رپوٹر کرتے ہیں مطمئن اب
لیکن ہیں بیٹ خالی پانی نہیں برستا

اضلاع میں مویشی بیمار ہو رہی ہیں
روتی ہی دودھ والی پانی نہیں برستا

کچھ ٹڈیوں نے لوٹا کیڑوں نے کچھ مٹایا
ہر جا ہے قحط سالی پانی نہیں برستا

بیچارہ گائے بھینسیں فاقوں سے مر رہی ہیں
کرتی ہیں سب جگالی پانی نہیں برستا

اب کی جوار آخر کچھ سوکھ سی چلی ہے
مرجھا گئی ہے بالی پانی نہیں برستا

برسات کی بہار

رحم بارش کا نہ ہوگا جو گنہگاروں پر
اوس پڑ جائیگی امسال زمینداروں پر

کیمپ سرکار کا آتا ہے جو دورہ پہ کبھی
ظلم ہوتا ہے رسد کا انھیں بیچاروں پر

غلہ درخواست گرانی کی کیا کرتا ہے
قحط سالی جو چڑھی آتی ہے دیواروں پر

ابر یہ گھر گھر کے جو آتا ہے کبھی ساون میں
لوٹتے ہیں وہیں بقال سب انگاروں پر
لو برستا ہوا آتا ہے وہ بادل دیکھو
رحم فرما ہی دیا ہم سے سیہ کاروں پر
کیا تکلف ہے کہ برسات نے رکھا جو قدم
مخملی فرش بچھائے گئے کہساروں پر
خوش یہ پانی سے زمیندار ہیں الحمدللہ
آب رحمت کا برستا ہے گنہگاروں پر
لہلہاتے ہیں چمن کھیت ہیں سیراب تمام
پانی تالاب میں ہے سبزہ ہے دیواروں پر
بولتے ہیں کہیں مینڈک کہیں بگلوں کا ہجوم
ٹوٹے پڑتے ہیں خریدار خریداروں پر

مرثیہ قیصر ہند

یہ ستم کیسا ہوا ہے گردش گردوں سے آہ
اُٹھ گیا سر سے ہمارے اک معظم بادشاہ
وہ شہ اڈورڈ ہفتم خسرو خورشید جاہ
چین سے سوتے تھے جسکے عہد میں شام و پگاہ
وہ رعیت کا نگہباں گوشۂ تربت میں ہے
موت تیرے ہاتھ سے ہر ایک کس ذلت میں ہے

ملکہ وکٹوریہ کا لخت دل کیا ہو گیا
جو ہمارے دل میں اپنا تخم الفت بو گیا
جاگ کر اپنا مقدر دفعتہً کیوں سو گیا
جو کوئی آیا ہماری بیکسی پر رو گیا
قیصر ہند آپ کو ہم سے جدا ہونا نہ تھا۔
اس قدر جلدی رعیت سے خفا ہونا نہ تھا

شاق ہے ساری رعیت پر جدائی آپکی
معترف ہے عدل پر ساری خدائی آپکی
اللہ اللہ اسقدر بے اعتنائی آپکی
آہ اتنی جلد آخر موت آئی آپ کی
آپ کی فرقت میں ہے محزوں رعایا ہند کی
آپ کی فرقت میں ہے مجنوں رعایا ہند کی

یہ الم ہم ہندیوں کے واسطے کچھ کم نہیں
موجزن دریا ہیں گویا دیدۂ پرنم نہیں
بیکسی کی بیکسی ہے انتہائے غم نہیں
زخم یہ وہ ہے کہ جس کا حشر تک مرہم نہیں
آہ اسے عشرت شہ عادل ہمارا اُٹھ گیا
ملکۂ وکٹوریا کے دل کا پارا اُٹھ گیا

کلجگ کتھا

شریفوں میں باقی شرافت نہیں ہے
رئیسوں میں شانِ ریاست نہیں ہے

گلے کاٹے جاتے ہیں اہلِ غرض کے
کہاں گرم بازارِ رشوت نہیں ہے

عدالت میں ہے بیچ قوموں کو منصب
شرافت کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے

خطابوں کے لالچ میں بنتے ہیں لیڈر
انہیں قوم کچھ بھی غیرت نہیں ہے

کہاں قدر دانی اہل ہنر ہے
کمالات کی قدر و عزت نہیں ہے

تجارت میں مکر و دغا کا چلن ہے
یہ ٹھگ بدیا ہے تجارت نہیں ہے

مسلمان مذہب سے منہ پھیر بیٹھے
کسی کو لحاظِ شریعت نہیں ہے

زمانہ تو ہے معتقد ڈاکٹر کا
طبیبوں کی چلتی طبابت نہیں ہے

یتیموں کا پرساں نہیں آہ کوئی
کہیں رانڈ بیوہ کی حرمت نہیں ہے

یہی دُھن ہے بچوں کو انگلینڈ بھیجو
کہ ملکی زباں کی ضرورت نہیں ہے

بہت کفر و الحاد پھیلا ہوا ہے
کہیں ذکر و توحید و وحدت نہیں ہے

اُٹھی جاتی ہے رسم پردے کی بالکل
کہ اب ڈولی ڈنڈے کی حاجت نہیں ہے

تکبر کے پتلے ہیں عالم یہاں کے
بُری چیز گویا کبر و نخوت نہیں ہے

گرانی سے مفلس کو مشکل ہے جینا
کوئی پیٹ بھرنے کی صورت نہیں ہے

ہوئی جب سے تقسیم بنگالہ واپس
سُدیشی کا وہ زور و قوت نہیں ہے

خطاباتِ شاہی تو ملتے ہیں اکثر
مگر رسم تنخواہ و خلعت نہیں ہے

نئی صورتیں ہیں نئی پوششیں ہیں
پرانا طریق طبیعت نہیں ہے

جو زرخیز تھا ہند مشہور عالم
وہ مفلس ہے اب اس میں دولت نہیں ہے

سمجھ رکھیں تعلیمِ نسواں کے حامی
کہ پردے پہ حملے کی حاجت نہیں ہے

صفایا کیا چار ابرو کا ہم نے
مگر لاٹ کرزن کی صورت نہیں ہے

خدا لیگ کو دیر یا زندہ رکھے
کہ سر آغا خاں کی صدارت نہیں ہے

محبت کا نام و نشاں اب کہاں ہے
کہ بھائی کو بھائی سے الفت نہیں ہے

شرابیں اُڑاتے ہیں مسجد میں مُلّا
بڑی ڈاڑھی والوں کو غیرت نہیں ہے

دغا سے کسی شخص کا مال کھانا
یہ ہے پالسی کچھ خیانت نہیں ہے
اڈیٹر جو اخبار کے دام مانگے
تو لکھتے ہیں ہم کو ضرورت نہیں ہے
یہی کاشتکاروں کا رونا ہے ہر دم
کہ اب فائدہ وہ زراعت نہیں ہے
ہر اک اپنے مذہب کی تبلیغ کررہا ہے
تعصب سے خالی ریاست نہیں ہے
نصیحت سے مملو ہے عشرت کا لکچر
ہنسے آپ کیوں کچھ ظرافت نہیں ہے

عید کا چاند

خوشی عید کے چاند کی کسقدر ہے
جسے دیکھئے آسماں پر نظر ہے
نگاہوں کے ڈورے فلک کھینچتے ہیں
طنابیں فلک کی ملک کھینچتے ہیں
لگائے ہوئے سب کے سب ٹکٹکی ہیں
ہر اک سمت کو آدمی آدمی ہیں
کسی کو ٹھے پر چند بوڑھے جواں ہیں
کہیں چند لڑکے کہیں لڑکیاں ہیں
کسی ماہتابی پر اک نازنیں ہے
کہیں سوئے گردوں لگی دوربیں ہے
کہیں اک ضعیفہ کے عینک لگی ہے
وہ موئی نظر سے اُدھر تک رہی ہے
بغل میں کوئی اپنے قرآن دبائے
کوئی آئینہ ہاتھ میں ہے اُٹھائے
دُلہن کوئی گھونگھٹ اُٹھائے ہوئے ہے
نگہ آسماں سے لڑائے ہوئے ہے
کوئی ہے گلوگیر ضعف بصارت
کسی کو ہے تقدیر سے کچھ شکایت
نگاہیں فلک سے لڑاتا ہے کوئی
سیاہی کے لکے دکھاتا ہے کوئی
گھرا آج بادل سے سب آسماں ہے
نظر سے ہلال اس سبب سے نہاں ہے
خدا ہے اگر چاند کی دیکھیں صورت
کہاں ایسی عزت کہاں ایسی قسمت
نصیبوں سے یہ سال آیا ہے ابکی
خدا ہی نے یہ دن دکھایا ہے ابکی
شفق سرخ ہے یہ عیاں آسماں پر
کہ دریائے خوں ہے رواں آسماں پر
ہے کیوں اسقدر نیلگوں آسماں یہ
کسی ماہ نے لی ہیں کیا چٹکیاں یہ
گھڑی دو گھڑی کو جو چھنٹ جائے بدلی
تو مہتاب کی شکل دکھلائے بدلی
نگہ کی تو کچھ جوت کمتی نہیں ہے
نظر لیکن اسوقت جمتی نہیں ہے

ابھی کچھ چمکا چوندسی ہو گئی ہے
نگہ دیکھتے دیکھتے کھو گئی ہے

ذرا دیکھنا تو یہ کیا سامنے ہے
منور یہ کچھ بال سا سامنے ہے

یہ ناخن تو اک ماہوش کا نہیں ہے
ذرا ایلکے آنا کہیں دوربیں ہے

نظر سے ابھی ہوگیا کوئی اوجھل
برا گھر کے آیا ہے اسوقت بادل

اشارے سے کوئی یہ کہتا ہے خوش ہو
ذرا دیکھو وہ چاند ہے سامنے کو

دعا پر دعائیں کوئی مانگتا ہے
کوئی شکر اللہ کا کر رہا ہے

یہ اک عید کے چاند کی یہ خوشی ہے
مگر قوم ادبار میں پھنس گئی ہے

خدا کے لئے قوم کے نوجوانو
کبھی قوم کے چاند کو بھی تو ڈھونڈو

تم اپنی فلاحت کا مہتاب ڈھونڈو
تم اپنی ترقی کے اسباب ڈھونڈو

کچھ اب عید کا لطف تم کو نہیں ہے
کہ افلاس میں ہند کی سرزمیں ہے

اگر عید چاہو ترقی کرو تم
کسی قوم سے اب نہ پیچھے رہو تم

تمھاری وہی عید ہے یاد رکھو
کہ جس روز پھل اپنی محنت کا چکھو

یہ کس خواب راحت میں تم سو رہے ہو
عبث عمر غفلت میں تم کھو رہے ہو

ہلال اپنی عزت کا ڈھونڈو کہاں ہے
جہالت کی ظلمت میں شاید نہاں ہے

اگلی دلچسپیاں

کچھ ایسی نہ تھیں اگلی دلچسپیاں
جنھیں بھول جائے کوئی مہرباں

بتاؤ تو اے اختران فلک
ان آنکھوں سے دیکھا ہی کیا کیا سماں

تمھاری تو صورت کہے دیتی ہے
کہ سب دیکھ ڈالا ہے تم نے جہاں

جھپکتی نہیں ایک پل بھی پلک
رہا کرتے ہو رونق آسماں

خصوصًا وہ حیرت بھری رات ہے ق
کہ جب اپنے اس دور کے درمیاں

تمھیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکھ سے
گذر جاتی ہے شب، پرانے نشاں

سحر تک جھپک جاتی ہیں یاس سے
تمھاری وہ آنسو بھری انکھڑیاں

عجب لطف کی ہے نسیم سحر
قیامت کی ہیں اسکی اٹکھیلیاں

مگر جب وہ افسردہ دل کی طرح
چلی ڈھونڈنے اگلی سرسبزیاں

تو اُجڑے ہوئے پائے ایسے چمن
کہ جو رونق دہر تھے بے گماں

وہ اگلے مورخ جو طے کرتے تھے
ترقی میں نہ کرسی آسماں

قیامت کا ہوتا ہے اس میں اثر
سناتی ہے جو حال اُنکی زباں

وہ عالی منش بادشاہان دہر
وہ اُن کی سواری وہ تخت رواں

وہ طلاب دن رات محنت سے جو
لگاتے ہیں اُمید کی سیڑھیاں

مبارک تھیں شایستہ وہ محفلیں
مبارک تھی وہ بزم اسپیکراں

وہ نکھری ہوئی صحبتیں کامیاب
جو وحدت پرستی کی تھیں ترد باں

وہ علم الٰہی کے اجلاس پاک
مجالس مدارس کے وہ قدرداں

وہ اگلے پیادہ روی کے سفر
وہ فاقے کی سوکھی ہوئی روٹیاں

سمندر الوالعزمیوں سے تھے پُر
انھیں ہمتوں سے تھے دریا رواں

جہازوں کے وہ نامور ناخدا
وہ اہرام مصری کی صناعیاں

وہ بڈھے مقنن وقایع نگار
وہ سچ بولنے والے پیر و جواں

جب اقبال کی چل رہی تھی ہوا
جب ادبار کا تھا نہ نام و نشاں

منور رہی تھی تہذیب کی انجمن
شجاعت دکھاتی تھی بدمستیاں

نہ تھی قحط سالی نہ طاعون تھا
بہشت بریں تھا یہ ہندوستاں

زباں سے جو کہدیں وہ کر کے دکھائیں
نہ افسوس دولت نہ افسوس جاں

کہاں تک کہے جائیے یہ کتھا
مزے کی ہے حسرت بھری داستاں

یہ نقش طلسمی زمانے نے سب
مٹائے مٹا کر گئے رائیگاں

نہ وہ اگلی باتیں نہ وہ اگلے لوگ
مگر اُن کی باقی ہیں دلچسپیاں

بس اب خواب غفلت سے بیدار ہوں
جو موجود ہیں قوم میں نوجواں

کریں ایسی کوشش کریں ایسے کام
زمانہ نہیں مرگ ہو قدرداں

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

تو فرضنا کہ علیگڈھ عقائد ہیں ضعیف
اور یہ فرقہ کا فرقہ ہے تمامی گمراہ

گو کہ بنتے ہیں مسلماں پہ مسلماں یہ نہیں
بلکہ ہیں دین محمدؐ کے یہ دشمن بدخواہ

فلسفہ ان کے عقائد کو مضر ہے بیشک
سب ہیں برگشتۂ اسلام عیاذاً باللہ

نہ نماز انکے لئے فرض نہ روزے لازم
نہ اوامر نہ مناہی فقہ پر ہے نگاہ

بے وضو روز ادا کرتے ہیں مسجد میں نماز
انکے ہاتھوں سے بہت دین کی حالت ہے تباہ

نفع دنیا کے لئے دین یہ کھو دیتے ہیں
نور ایماں نہیں کچھ قلب ہیں ان سب کے سیاہ

علماء آپ کو غصہ نہیں لازم اتنا
آپ تبلیغ سے منھ پھیرتے ہیں خاطرخواہ

دین اسلام کی دعوت انہیں فرمائیں آپ
شاید آجائیں کبھی راہ پہ یہ سب گمراہ

ان کے جلسوں میں ذرا لائیے حضرت تشریف
ان کے اقوال پہ فرمائیے دشمن کی نگاہ

ان کی اصلاح پہ ہمت کی کمر بندھ جائے
انکو دکھلائیے دنیا کے سفید اور سیاہ

یہ اگر اندھے ہیں تو آپ بتائیں رستہ
یہ کنویں میں جو گریں آپ پہ ہوتا ہے گناہ

یا تو یہ نام نہ لینگے کہ مسلماں ہم ہیں
یا ہدایت پہ یہ آجائیں گے انشاءاللہ

اسلامی ڈیپوٹیشن

اہل اسلام کی طرف سے حضور
ہے گذارش یہی بصد زاری

سلطنت معدلت پہ ہے مبنی
ہے رعیت مطیع سرکاری

خوار ہیں آج کل مسلماں سب
جان سے ہو رہے ہیں یہ عاری

گو کہ تعلیم کی نہیں ہے کمی
ان میں از فضل ایزد باری

اُسپہ بھی نوکری نہیں ملتی
منحرف انسے سب ہیں درباری

ان سے لڑتے ہیں اس طرح اغیار
جیسے یونانیوں سے بلغاری

مٹے جاتے ہیں سب حقوق انکے
زخم دل پر لگے نہ کیوں کاری

کشتی انکی پھنسی ہے دلدل میں
کوئی کرتا نہیں ہے اب یاری

کوئی سنتا نہیں ہے کانوں کان
چیختے ہیں اگرچہ اخباری

انتخاب ان کے واسطے ہے مضر
سخت ہے اس میں انکو دشواری

آفسوں میں اگر یہ جاتے ہیں
کوئی کرتا نہیں مددگاری

منھ بنا کر یہ کہتے ہیں لالہ
تو ندِ دولت ہے جنکی ہو بھاری

نہیں دفتر میں ہے جگہ خالی
آج کل ہے یہ سخت دشواری

بھرتی ہو جاتے ہیں مگر ہندو
لکھنے پڑھنے سے خواہ ہوں عاری

ہر جگہ ہم ذلیل ہوتے ہیں
ہے کوئی حدِ ذلت و خواری

اس سے افلاس بڑھتا جاتا ہے
پھیلتی جاتی ہے یہ بیماری

کوئی دیتا نہیں دوا ہم کو
نہ کوئی کرتا ہے خبرداری

مفلسی اور قحط سالی سے
چھین لی بے زری نے زرداری

کچھ تجارت بھی اب نہیں چلتی
بھوکے مرتے ہیں سارے بیپاری

دشمن اہلِ زمانہ ہیں اپنے
ناموافق سپہرِ زنگاری

وجہ یہ ہے کہ اب تعصب کی
غیر قوموں نے کی ہے تیاری

وقت یہ ہے کہ سلطنت اٹھ کر
چونٹیوں کی کرے خبرداری

پیس ڈالیں نہ فیل مست انھیں
کیونکہ سب منھ چڑھے ہیں سرکاری

اب مسلماں بھی خواب سے چونکے
ان میں پیدا ہوئی ہے بیداری

آج تک یہ انھیں بھروسہ تھا
فیضِ سرکار سب پہ ہے جاری

مگر اب حالتِ زمانہ نے
نوجوانوں کو دی ہے ہشیاری

اس خموشی کو جسمیں نقصاں ہو
وہ سمجھتے نہیں وفاداری

ہو کے مجبور اس ضرورت سے
عرض کرتے ہیں یہ بناچاری

انتخاب مجالس ایسا ہے
ہند کے بھس میں جیسے چنگاری

بات یہ ہے کہ جسقدر سرکار
دے سکے انکو نوکری بھاری

ملک میں ایسے لوگ ہیں موجود
علم و تہذیب سے نہیں عاری

ڈسٹرکٹ بورڈ اور مینوسپل
ابتدائی یہ عہدے سرکاری

ہم سے خالی ہیں صاف وا نصیب
قوم کی کس طرح ہو غمخواری

ہم مسلمانوں کے پوزیشن کی
آپ کو چاہیئے ہے دلداری

آج کونسل میں بھی نہیں کوئی
اک مسلماں مشیر سرکاری

اتنی سرکار سے ہے استدعا
انتخاب اس طرح کا ہو جاری

آج جو ملک میں معزز ہیں — اور تعلیم سے نہیں عاری
اُن مسلمانوں کے ہو شورے سے — طرز اس انتخاب کا جاری
ہائی کورٹ میں چیف کورٹ میں — کب مسلمان کی آئیگی باری
شکوہ ہمکو نہ ہے شکایت کچھ — عرض ہے از رہِ وفاداری
دیر میں ہمنے کی گذارشِ حال — اس خطا کے ہیں آپ اقراری
منھ سے کہدیتے ہیں جو دل میں ہو — جسقدر دیتی ہے زباں یاری
پر بغاوت کی بو نہیں ہم میں — خیر خواہِ قدیم سرکاری
نہ کوئی بادشاہِ غیر اپنا — نہ کوئی ہے شریک بازاری
کوششیں ہم کریں تخالف میں — یہ تو کہتی نہیں نمک خواری
سلطنت کی اگر شکایت میں — کوئی کلمہ زباں پہ ہو جاری
کاٹ کر اُس زبان کو رکھدو — یہی کہتی ہے ہم سے جی داری
حق ہمارے مٹائے دیتی ہیں — غیر قومیں ز راہ عیاری
اس لیئے آپ سے گذارش ہے — ابتو فرمایئے مددگاری

دوستاں را کجا کنی محروم
توکہ با دشمناں نظر داری

کشمیری بہار و خزاں

نہ ہوئے پر نہ ہوئے خواب سے کاش بیدار — ہو گیا وقتِ خزاں آہ یہ قومی گلزار
اس چمن میں وہ تکلف کے کہاں گل بوٹے — علم کی انمیں نہ خوشبو ہے نہ دولت کی بہار
عندلیب چمن و علم و ہنر تھے جو لوگ — سوتے ہیں وہ تو بہت چین سے اب زیرِ مزار
اور موجودہ مسلماں جو کچھ باقی ہیں — اُن کو رفتارِ زمانہ سے نہیں کچھ سروکار
علم سے اُن کو نہ بہرہ نہ تجارت کا ہے شوق — چمن جہل مرکب کے ہیں خوش لہجہ ہزار
نہ رسومات کی اصلاح کی تجویز ہے کچھ — نہ فروعات نہ بدعات سے نفرت انکار
انجمن انکے مقاصد کی نہیں ہے کوئی — صنعتوں کے نہیں ہوتے کبھی انمیں اذکار
گھر سے نکلیں تو تجارت کا چلے کام کوئی — چھوڑ سکتے نہیں افسوس مگر یہ گھر بار

سوشیل حالتیں افسوس خراب انکی ہیں
انکی سوسائٹیاں ہیں اپنی جہالت پہ نثار
پالسی اپنی بدلتے نہیں اب کیا ہوگا
فرس جہل پہ دن رات یہ رہتے ہیں سوار
وہ مسلمان ہیں کشمیر میں جنکی عزت
اسقدر ہے کہ بگڑ جاتے ہیں ساری بیگار
اُنکے اجداد کبھی رکھتے تھے اعلیٰ رتبے
فخر کرتا تھا انھیں لوگوں پہ مغلی دربار
علم اور فضل کا کشمیر کبھی مرجع تھا
بالخصوص اپنی یہ صنعت میں تھے مشہور دیار

ستم این است کہ کشمیر بہ خواب آمدہ است
ستم این است کہ کشمیر نہ گردد بیدار

ہمارا قومی راگ

ہوئے ہیں آج کل بیکار یوں بے کار کشمیری
کبھی تھے ہند میں جو رونق گلزار کشمیری
تجارت اسنے چھوٹی ہے زراعت سے بھی بیزاری
ہوئے ہیں زندگی سے کس لئے بیزار کشمیری
نہ آتی ہے کوئی صنعت نہ موجودہ ترقی ہے
رہے تعلیم میں بھی زیر استغفار کشمیری
نہ علم و فن سے بہرہ ہے نہ کچھ سائنسداں ہیں
نہیں ہے کوئی لیڈر لایق دربار کشمیری
زمانہ کی ہوا سے منہ کو اپنے پھیرے بیٹھے ہیں
بنے ہیں خود غرض اور موجد تکرار کشمیری
نہیں ملتی ہے انکو نوکری کیا کیمپ فوجی میں
یہ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں آج کل بیکار کشمیری
زمانہ کا اگر رخ دیکھکر کوشش کریں یہ بھی
تو ہو جائیں ابھی دو دن میں سب زردار کشمیری
یہ کیا اندھیر ہے قومی حمیت کھو گئی بالکل
بہت دنیا میں تھے مشہور عزت دار کشمیری
بڑھائیں اپنی معلومات سے ملکی تجارت کو
ذرا یورپ کی نکلیں سیر کو دو چار کشمیری
جہالت اور خود غرضی کی پالیسی بدلڈالیں
کریں کچھ باہمی جھگڑوں سے اب تو عار کشمیری
ضرورت ہے کہ اب تعلیم نسواں پر بھی راغب ہوں
بنائیں عورتوں کو بھی سلیقہ دار کشمیری
کریں اک عام جلسہ منعقد پنجاب میں اپنا
اُٹھیں اس کام کو دو چار غیرت دار کشمیری
خدا جسکو یہ دے توفیق وہ پہلے قدم رکھے
خدا کے فضل سے ہیں صاحب ایثار کشمیری
کوئی کشمیر میں پیدا ہو سر سید الٰہی اب
بہت ہیں انتہائے رنج سے ناچار کشمیری

بہت کچھ حال ہمکو قوم کا کہنا ہے اے عشرت
مگر ملتا نہیں ہے ایک بھی غمخوار کشمیری

جد وجہد

مصیبتوں میں ہو کیوں اے کشا مرہ رنجور
بکجا شد آں ہمہ مستی بادۂ انگور

وہ دن بھی کیا تھے کہ یادش بخیر جب تم تھے
ہر ایک علم و ہنر کے لباس میں مستور

کہاں گئیں وہ تمھاری ترقیاں آخر
کہاں گئی وہ تمھاری حکایت فغفور

تمھارے کہنہ صنائع ہنر پہ شاہد ہیں
قدیم حسن تجارت کا آج ہے مذکور

تمھارے علم و فضیلت کی آج شہرت ہے
تمھارے اگلے تمدن جہاں میں ہیں مشہور

تمھارے خط و کتابت کی خوشنویسی پر
جھکا چکا سر عجز و نیاز نیشاپور

وہی ہو تم کہ بٹھاتے تھے لوگ آنکھوں پر
کہ ہر کہ دور شد از دیدہ باشد از دل دور

وہی ہو تم کہ تمھارا انہیں وہ رنگ وہ روپ
تمھارے نام سے وہ بھاگتے ہیں کوسوں دور

طبیعتوں میں کجی نے کیا ہے اپنا گھر
ز عقل و علم نفور و بشوق فسق و فجور

نہ علم تم میں نہ اخلاق ہے نہ خلق حسن
نہ زور ہے نہ ہو زر ہے جہاں میں تم مسحور

زمانہ روز ترقی کی فکر کرتا ہے
یہ فکر ہے کہ لیں اب پڑھے لکھے مزدور

بغیر علم کے ممکن نہیں ترقی اب
کہ عقل و علم ہے شمع رخ شب دیجور

نکل کے گھر سے ذرا سیر دیکھو عالم کی
ترقیوں کے لئے سر بسجدہ ہیں جمہور

نہ ہاتھ پاؤں ہلاؤ گے تو خسارہ ہے
بنے رہو گے ہمیشہ اسی طرح مجبور

خدا کے واسطے کوشش کرو بہت جلدی
خدا کا حکم یہ ہے ان سعیکم لشکور

تصویر تواضع

تواضع کہتے ہیں جسکو وہ بزم عیش افزا ہے
برا سمجھے جو سب سے اپنے کو وہ سب سے اچھا ہے

جو رتبہ میں فروتر ہے نہ اسکو جانئے کمتر
کہ دنیا میں ہر انساں اک نجس قطرہ سے پیدا ہے

کوئی گر دولت دنیا سے مالا مال ہے تو کیا
غریب اپنی غریبی میں بہت بشاش رہتا ہے

امیروں کو زیادہ تر غریبوں کی ضرورت ہے
کہ دولتمند حاجتمند کا محتاج ہوتا ہے

فروتن جو جہاں میں ہیں مدد کرتے ہیں سب انکی
تواضع واقعی گنجینۂ درج تمنا ہے

تواضع ہے وہ دولت جسکو سارق لے نہیں سکتا
فزوں ہوتا ہے رتبہ جسقدر انسان جھکتا ہی

جو خادم قوم کا ہے بس وہی ہے قوم کا سید
تواضع قوم کے سردار کو ہر طرح زیبا ہی

مقابل میں حقیر اپنے کو کہنا عین عزت ہے
بزرگی نیکنامی کا یوہیں دروازہ کھلتا ہی

غرور انسان کو زیبا نہیں ہو ایک ساعت بھی
جو دولتمند ہے اُسکے لئے تو اور بے جا ہی

فروغ چہرۂ دانش چراغ دیدۂ بینش
تواضع جسکو کہتے ہیں وہ اک روشن ستارا ہی

جو اس کے نشہ میں سرشار ہو وہ سر جھکاتا ہی
نہ اسکو حاجت ساغر نہ کچھ پروائے مینا ہی

شاہ کابل کی آمد

سنائی دیتی ہے کانوں کو آج وہ آواز
خدا سے جسکے لئے تھی دعا بہ عجز و نیاز

سراج ملتہ والدین شہ حبیب اللہ
امیر کابل عالی مناقب و ممتاز

ہوئی جو آپکو مدنظر سیاحت ہند
پروگرام کے چھپنے کا ہو گیا آغاز

بہ عز و جاہ پشاور میں جب قدم رکھا
تو اُس جلوس کو خوش دیکھکر ہوئے دمساز

پھر آگرہ کا وہ دربار تھا شکوہ کے ساتھ
کہ جسمیں جمع تھے سب خاص خاص محرم راز

کلام آپ نے جو کچھ کیا وہ تھا پُر مغز
قبول گوش خلائق تھی آپ کی آواز

جو بات منہ سے نکالی وہ دل میں بیٹھ گئی
یہ سحر تھا کہ فسوں تھا کہ تھا کوئی اعجاز

مدبروں میں تدبر ہے آپ کا مشہور
معززین کے مجمع میں آپ کا اعزاز

مطیع امر خدا و مطیع امر رسول
قضا ہوئی نہ کبھی اس سفر میں ایک نماز

کلوں کی دید کی آمادگی جو فرمائی
تو کانپور میں تشریف کا ہوا تک و تاز

علی گڈھ آئے وہاں سے حضور والا جاہ
ٹرسٹی جمع سٹیشن پہ تھے مثال ایاز

جچی تلی ہوئی باتیں ہر ایک سے یوں کیں
کہ جیسے تیر لگاتا ہو کوئی تیر انداز

جواب وہ دیا قربانیوں کے بارے میں
کہ ہندوؤں نے کہا "عمر شاہ باد دراز"

ہنود اور مسلمان کا ہر اک فرقہ
سمجھ رہا ہے سخی رحمدل غریب نواز

یہ دوستی جو ہوئی ہے ملک معظم سے
ترقیوں پہ رہے اس کا روز و شب انداز

یہ اتحاد رہے برقرار فی ما بین
یہ اتحاد حقیقی بنے اگر ہو مجاز

اس اتحاد کے ہاتھوں ہو روس کو زحمت
اس اتحاد سے نقصان اُٹھائیں سب غمّاز
دکھائی ہمکو نصیبوں نے آپ کی صورت
ہم اہل ہند کو کچھ کم نہیں ہے یہ اعزاز

منم کہ دیدہ بدیدارِ دوست کردم باز
چہ شکر گویمت اے کارسازِ بندہ نواز

میزبانی مہمانی

آپ نے کابل سے جو تکلیف فرمائی حضور
ہندیوں کے سر پہ ہے یہ سخت احسان آپ کا
بادشاہونکے ہوا کرتے ہیں ایسے حوصلے
آج ہر ہندو مسلماں ہے ثناخوان آپ کا
ہر قدم پر اطلبو کے صیغہ کی گردان ہے
اپنے نفع کیلئے کرتے ہیں نقصان آپ کا
آگرہ میں زرفشانی کی جو مسجد کے لئے
ہر موذن نے ٹٹولا نورِ ایماں آپ کا
لارڈ منٹو کو مسرت آپ کے آنے سے ہے
دستِ اطفال علیگڈھ میں ہے داماں آپ کا
خانقاہونکے مجاور آپ کے تھے منتظر
کیوں کہ وقف عام تھا اک گنج پنہاں آپکا
مسجدوں کے ہر موذن کی اسی پر تھی نگاہ
کھولدے بخشش کا در دستِ دُرافشاں آپکا
سہ پہر کو آپ نے دربار فرمایا حضور
دیدنی تھا جلوہ روزِ عید قرباں آپکا
جسجگہ پہنچے وہاں پر دیکے آئے آپ کچھ
ہند کے افلاس نے کھینچا گریباں آپ کا

بات یہ اپنی سمجھ میں آگئی ہے اسقدر
آپ مہماں ہند کے ہیں ہند مہماں آپ کا

تہنیت خیر مقدم

اے خوشا قسمت پرنس آف ویلز کے آئے قدم
لیکن ایسے وقت میں جب ہند تھا محتاجِ آش
قحط اور افلاس کے ہاتھوں تہی دستی نصیب
دانہ گندم کیصورت سب کے دل تھے پاش پاش
رو رہے تھے ہند کی بربادیونکو رات دن
کر رہے تھے مدتوں سے چارہ گر کی سب تلاش
تین پیسہ روز کی اوسط کی آمد پر گذر
ننگے رہتے تھے تو ملتا پیٹ بھر کھانے کو کاش
قحط سے کوئی کوئی طاعون سے برباد تھا
فکر جانوں کی کہیں پر تھی کہیں رنج معاش
گھر سے بھوکے کیا پھٹے حالوں نکلتے سیر کو
ہو نہ جاتا اپنے آبائی شرف کا راز فاش

شغل بیکاری سے آخر ہو گئے یہ مضمحل
رات دن گنجفہ و شطرنج چوسر اور تاش

خیر مقدم ایسی حالت میں کوئی کرتا تو کیا
کہہ رہی تھی انکی حالت دورباش و دورباش

پھر بھی اے شہزادہ عالی نصب والاگہر
نذر اقدس کیلئے ہمنے بہت کچھ کی تلاش

فرش بھی کوئی نہ تھا آنکھیں بچھانیکے سوا
خود چنے ملتے نہ تھے لاتے کہاں سے تیل ماش

ہاں، مگر بہر تصدق لائے ہیں ہم سب غریب
نقد آہ آتشیں و نالہائے دل خراش

ہدیۂ ما تنگدستاں را بچشم کم مبیں
از مروت بر سرِ خوانِ تہی سرپوش باش

مایوسی

مایوسی تو نام ہے تیرا
دل کو ستانا کام ہے تیرا

ناکامی کی گود پلی ہے
آغوش مصیبت بچھ سے بھری ہے

مرجع ہے تو اہل صفا کی
مرکز ہے تو اہل وفا کی

دنیا تو ہے باغ کی شیدا
تو ہے دل کے داغ کی شیدا

ناکامی کی اکلوتی بیٹی
زحمت کی منھ بولی سہیلی

مجلس میں ہیں ڈھنگ نرالے
محفل میں ہیں رنگ انوکھے

تیرا پیکر روح مجسّم
تیری صورت فکر مسلم

بانکی ٹیڑھی تیری ادائیں
آنکھوں سے جو دل میں سمائیں

دلکش ہے برسات کا موسم
سبزہ ہے یا جان عالم

چلتے پھرتے کالے بادل
گنگناجمنی بجلی کی چہل بل

ننھی ننھی بوندوں کا جوبن
ہیرے موتی موتی کندن

موروں کی دلدوز صدائیں
ہنسوں کی مستانہ ادائیں

سبزے پر اک بیر بہٹی ٭
فیروزے پر یاقوت کی تختی

باد صبا کا پھرنا چلنا ٭
چشموں سے پانی کا اُبلنا

ہیں یہ نظارے ایسے عمدا
جن پر سب کا دل ہے شیدا

لیکن جو ہیں یاس کے خوگر
انکو یہ خوش آئیں کیونکر

انکے لئے غم عیش ہے گویا
رنج والم کے وہ ہیں شیدا

سوتوں کو چونکانے والی
تاروں کی گنوانے والی

گوشہ پسندی کام ہے تیرا
رنج ومصیبت نام ہے تیرا

عزلت کی سرکار تو ہی ہے
دنیا سے بیزار تو ہی ہے

یہ دنیا کا بھیڑ بھڑکا
یہ عالم کا ٹھاٹ نرالا

یہ خواہش کے دلچسپ تماشے
یہ ہوا و حرص کے میلے

یہ اُمید اور بیم کا غوغا
یہ میلوں کا جوش تمنا

ارمانوں کا دل میں آنا
اُمیدوں کا رنگ جمانا

شادی کے نایاب وہ جلسے
تھیٹر کے دلچسپ تماشے

یہ یاروں کی مہر و مروت
حاسد کا وہ شغل عداوت

شام کی کلفت صبح کی عشرت
اُٹھتی جوانی زور طبیعت

محفل رنگیں بزم احبا
نالۂ موزوں نغمۂ زیبا

سب کے دلوں پر انکا اثر ہے
سب کے دلوں میں انکا گذر ہے

کون ہے جو مخمور نہیں ہے
اس مے سے مسرور نہیں ہے

لیکن تیرے سرشار کو کیا ہے
وہ تو ساری دنیا سے جدا ہے

یاس کی عینک آنکھ پہ رکھ لی
دنیا ہے اک اُجڑی نگری

یاس کی قوت قوت رستم
یاس کی طاقت طاقت ضیغم

خون کے دریا تونے بہائے
خون کے آنسو تونے رلائے

تیرے ہاتھوں جان گنوائی
زہر کو سمجھے لوگ مٹھائی

در کی تیرے خاک جو چاٹے
آپ گلا وہ اپنا کاٹے

صبر و تحمل تو نے سکھایا
حرص ہوا کو تو نے بھگایا

تو نے وفا کا عقدہ کھولا
تو نے حسد کا کھوج مٹایا

اب وہ ہوس کا زور نہیں ہے
اب وہ حسد کا شور نہیں ہے

علم و ادب ہے صبر و سکوں ہے
جہل و حسد کا حال زبوں ہے

دل میں تیری یاد ہے باقی
اُجڑے گھر کی تو ہے ساقی

بادۂ ہمت بھر دے لبالب کام وہ ہو جو مرد کہیں سب
عزت پر کچھ حرف نہ آئے
جان تو جائے بات نہ جائے

افسانۂ غم

ایک دن وہ تھا کہ ہم تھے مخزنِ فضل و کمال متفق تھے متحد تھے حوصلہ مردانہ تھا
دین کی دولت تھی شامل دنیوی اعزاز ہیں وضع کے پابند تھے ہم عزم بھی شاہانہ تھا
فلسفی و منطقی و نحوی و صرفی تھے ہم عقل و ذہن و علم و فن دولت کے ہم میں کیا نہ تھا
دین کے ارکان کرتے تھے ادا دن رات ہم بارگاہِ حق میں ہر دم سجدۂ شکرانہ تھا
شرع کی پابندیوں سے تھے نہ ہم باہر کبھی مسجدوں کے سامنے گو ساقی و میخانہ تھا
رہتی تھی مدنظر پابندی صوم صلوٰۃ دل ہمارا اج بیت اللہ پر پروانہ تھا
معرفت کے جام پیتے تھے اگر پیتے تھے ہم ساقی اپنا خلق تھا اور عاجزی پیمانہ تھا
پھر یکایک پھر گیا ہم سے زمانہ اسقدر دوست جسکو ہم سمجھتے تھے وہی بیگانہ تھا
جس چمن میں روز چلتی تھی ہوائے بیخزاں باغ وہ اجڑا ہوا گلزار وہ ویرانہ تھا
آج دنیا میں نہیں ہمسا کوئی نااہل آہ
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

نئی تہذیب

رخنہ اندازی بہت مذہب میں اب ہونے لگی یہ نئی تہذیب ساری آبرو کھونے لگی
کوئی دوزخ کا ہے منکر کوئی جنت کا مخل فلسفی اور مولوی سے اب بہت ہونے لگی
اُٹھ گئیں سب اگلی باتیں اور سب اگلے لباس جامۂ کہنہ کی پھر سے شست شو ہونے لگی
دخت رز سے تھی محبت پہلے ہم سے کسقدر دیکھ کر مفلس ہمیں منھ پھیر کر رونے لگی
ہندیوں نے جب کوئی تدبیر سوچی رزق کی ساتھ اُنکی بدنصیبی بھی تھی اگ کونے لگی
قطرۂ رحمت سے بنے موتی جو آنسو گر پڑے اشک باری اپنی جرم معصیت دھونیلگی
خواب غفلت میں رہے جبتک مصیبت ساتھ تھی آنکھ اپنی کھل گئی بدقسمتی سونے لگی

عہد جدید

کسقدر اس عہد میں آزاد ہر انسان ہے
جو ہے اپنے وقت کا فرعون ہے ہامان ہے

مذہب و ملت کے قصّوں کا یقیں آتا نہیں
یہ بھی اہلِ شرع کا باندھا ہوا طوفان ہے

آج اسلامی تمدن میں خزاں کا دور ہے
گو عمل باقی نہیں لیکن وہی قرآن ہے

شادی و غم کو نہیں ہے دخل اپنے شہر میں
جس جگہ رہتے ہیں ہم بستی وہی ویران ہے

شش جہت میں موجزن ہے آجکل روحِ نفاق
صلح جو بحرِ جہاں میں سر بسر نادان ہے

تفرقہ اندازیِ گیتی سے رہنا ہوشیار
چار دن کے واسطے مہمان ساری شان ہے

دل ہے اُسکا جانتا ہے جس پہ گذرا ہو یہ حال
مرد گر ترکوں میں کوئی ہے تو وہ سلطان ہے

یہ زمیں ہے بیوفا یہ آسماں بے مہر ہے
ہر مسافر اس سرا میں چار دن مہمان ہے

حیرت آبادِ تماشا جلوہ گاہ تازہ ہے
عارضِ اُمید پر رنج و الم کا غازہ ہے

چند پند

ہند میں ہے ہم مسلمانوں کی آبادی قلیل
اور اس قلت پہ کچھ کم کم ہے اب تعلیم بھی

اس مرض کی ہے ہماری حق میں یہ کافی دوا
ہم نصاب کہنہ کچھ اپنے کرلیں ترمیم بھی

علم تو حاصل کریں محنت کریں دل کھولکر
اجتماعی قوتوں کی ساتھ ہو اسکیم بھی

کر دیا از کار رفتہ جہل نے کتنا ہمیں
ایک تو کڑوا کریلا اور اُس پر نیم بھی

زر لاؤ شرافت تو کوئی چیز نہیں ہے
تہ کرکے رکھو بقچی میں اب چال چلن کو

حاصل ہے قناعت تو ہے آرام بہت کچھ
منہ کھول کے برباد نہ کر اپنے سخن کو

تعلیم جدید نے سکھائی ہمیں شوخی
آخر یہ بگاڑے نہ کہیں چال چلن کو

ہیں ناشتہ کرنے کی ہوا فکر میں مشغول
کہنے لگے صاحب کہ ہوئی دیر ٹفن کو

گھر پھونک کے دکھلائیں تماشا یہ مسلماں
کوڑی نہ کبھی پاس رکھیں اپنے کفن کو

ملا ایک پیر کہن راہ میں — خمیدہ نظر سوئے فرش زمیں
نہ گھٹنوں میں طاقت نہ آنکھوں میں نور — گریباں دریدہ پھٹی آستیں
قدم اُٹھتے ہیں لڑکھڑاتے ہوئے — ہر اک دم ہے گویا دم واپسیں۔
جو پوچھا کہ گردن جھکائے ہو کیوں — یہ کس فکر میں تم ہو اندوہگیں
تو کہنے لگا تم تو مغرور ہو — تواضع کے پتلے بنے ہیں ہمیں
بجا شیخ سعدی کا یہ قول ہے
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

کفایت شعاری

جو بن جائیں ہم سب کفایت شعار — کریں عادت جزرسی اختیار
نظر آمد و خرچ پر گر رہے — رہے یوں نہ فاقہ کشی پر مدار
نچوڑا ہے ہم سب کو اسراف نے — بنایا ہے قلاش و بے روزگار
زیادہ بہت خرچ آمد سے ہے — نئی چال کرتے ہیں کیوں اختیار
پھنسے غیر ملکوں کی اشیا میں ہم — ہوئے ظاہری شان پر کیوں نثار
پوزیشن کو اپنے بڑھاتے ہیں ہم — غریب اپنے بھائی ہیں فاقہ سے خوار
سنبھالیں اگر اپنی حالت کو ہم — تو اس طرح ذلت نہو بار بار
یہ طرز کفایت شعاری ہی خوب — کریں آمد و خرچ کا انحصار
فضول اور اسراف سے دھو کے ہاتھ
بجٹ کا طریقہ کریں اختیار

انگریزی لباس

کچھ دنوں سے عام رغبت ہے یہی — سیکھئے یورپ کا طرز زندگی
کھانے پینے کا وہی انداز ہو — سوز تازہ ہو پرانا ساز ہو
کوٹ ہو پتلون ہو نکٹائی ہو — ہیٹ بھی عمدہ نئی بنوائی ہو
خاص کر مرغوب ہے انگلش لباس — بس اسی تقلید میں ہیں بدحواس

ہوتا ہے برباد اتنا روپیہ ہوش بسترکے نہیں رہتے بجا
بڑھ کے جو اوقات سے کرتے ہیں کام مفلسی پھر جھک کے کرتی ہے سلام
ہند ان باتوں سے غارت ہوگیا جو کمایا چار دن میں کھو گیا
پڑھ کے جب اسکول سے فرصت ملی مل گئی قسمت سے انگلش نوکری
ماہواری تو مقرر ہیں پچاس لیکن انکو رہتی ہے رشوت کی آس
اسپہ فرنیچر ہو اور انگلش لباس تا نہ آئے عمر بھر غم آس پاس
باپ بھائی کو تو اک کوڑی نہ دی اپنی ہی پوری نہیں پڑتی کبھی
کمپنی کے بل چلے آتے ہیں روز دھوبی نائی ہاتھ پھیلاتے روز
خانساماں آکے کرتا ہے سلام دیجئے انعام تو بنجائے کام
پھر بڑے دن کا جما ہے کچھ سرور ڈالیاں جائیں گی صاحب کو ضرور
ٹھاٹ اپنے بھی ہوں کچھ ایسے عیاں سب کو ہو ڈپٹی کمشنر کا گماں
ایک بنگلہ بھی ہو رہنے کے لئے دیکھ کر ہر شخص ول مسٹر کہے
مختصر سا اک بڑا ہو سائباں اور نوکر پہنے ہوں سب وردیاں
گھر کی دولت خرچ جس دم ہو گئی آخر آخر قرض کی نوبت ہوئی
سمجھے تھے تقلید حاکم دل لگی کھائی جب ٹھوکر تو یہ حکمت کھلی
تم کو صاحب بنکے رہنا ہے اگر روپیہ بھی تو کماؤ اس قدر
مختصر یہ ہے کہ چھوٹا آدمی عیش و راحت کی نہ ڈھونڈھے زندگی
پاؤں چادر سے نہ پھیلائے سوا جو نہ مانے گا وہ چکھے گا مزا
ملک کی پوشاک کافی ہے اسے یہ خس و خاشاک کافی ہے اسے
وضع اپنے ہند کی چھوڑو نہ تم منھ پرانی چال سے موڑو نہ تم
قوم میں پہلے جو تھے ریفارمر کنبہ پرور ہوتے تھے وہ کسقدر
موٹی روٹی پر قناعت کرتے تھے نام پر اتنا نہ اگلے مرتے تھے
سادہ پوشاکونمیں اُن پر نور تھا کام کرنے میں ہر اک مزدور تھا
درد تھا ان کے دلونمیں غیر کا شوق تھا انکو جہاں کی سیر کا
ہو محلے میں کوئی بیکس اگر ہر گھڑی لیتا اُنھیں اس کی خبر

وقف دولت تھی یتیموں کے لئے | صرف ہمت تھی یتیموں کے لئے
آپ کھاتے تھے بقدر لایموت | دل تھے روشن لب پہ تھی مہر سکوت
اُنکی عزت صرف ہمدردی سے تھی | سب سخاوت انکی بیغرضی سے تھی
وہ پھٹے کپڑوں میں بھی سردار تھے | راضی اُن سے سارے رشتہ دار تھے
آج کل یہ ذہن میں ہر اک کے ہے | لندنی پوشاک ہے عزت کی شے
اپنی آمد کا نہیں کرتے خیال | طرز انگلش اُنکے حق میں ہے وبال
روپیہ بھی خرچ ہوتا ہے فضول | اور بدنامی بھی ہوتی ہے حصول
فاقے مرتے ہیں عزیز و اقربا | انکو کچھ پروا نہیں ہوتی ذرا
کہتے ہیں یہ اصل عزت ہی لباس | عمدہ کپڑے ہوں ضرور انساں کے پاس
رشوت اسکے واسطے کھاتے ہیں یہ | کپڑے انگریزی ہی سلواتے ہیں یہ
قرضداری پھر ستاتی ہے انھیں | خوب مکاری سکھاتی ہے انھیں
بدچلن ہوجاتے ہیں خانہ خراب | کرتے ہیں آخر غبن وہ بے حساب
یہ کرامت ہے اسی پوشاک میں | ایسی عزت ہے اسی پوشاک میں
تمکو کچھ درکار ہے عزت اگر | چاہتے ہو دولت و حشمت اگر
نیک چلنی کی طرف رغبت کرو | نیک ہو جو اس کی تم عزت کرو
حکمرانی کرتی ہے دل پر یہی | جمع کر دیتی ہے زور و زر یہی

حیثیت سے بڑھکے پہنو کم لباس
نیک چلنی کو رکھو تم اپنے پاس

افسانۂ عالم

زمانے کی اُلٹی ہوا ہو رہی ہے | غریبوں پہ سختی سوا ہو رہی ہے
مذاہب کی ہر وقت جنگ و جدل ہے | مریضوں کی اُلٹی دوا ہو رہی ہے
بہت ناز تھا جسپہ ہندوستاں کو | وہ روحانیت اب فنا ہو رہی ہے
مٹی جاتی ہیں مشرقی سب زبانیں | جہالت مزاج آشنا ہو رہی ہے
نصاب مدارس میں گتھی پڑی ہے | گورنمنٹ عقدہ کشا ہو رہی ہے

تمدن کی حالت دگرگوں ہوئی ہے ترقی بھی ہم سے خفا ہو رہی ہے
سب اخلاق اب خواب دوشیں بنے ہیں کہ تقلید مغرب سوا ہو رہی ہے
شریفوں کو افلاس نے یہ مٹایا کہ اب زندگی بے مزا ہو رہی ہے
کوئی قحط سالی کا ہو نظم کامل گورنمنٹ سے التجا ہو رہی ہے
جہاں میں ہے اجلاف کا دور دورا انھیں کی تو نشو و نما ہو رہی ہے
گرانی غلہ سے ہیں لوگ عاجز کہ عنقا نوید غذا ہو رہی ہے
ادھر جنگ یورپ میں پھیلی ہوئی ہے ہر اک جانِ وقفِ قضا ہو رہی ہے

یہ آتش بہت جلد ہو سرد عشرت
یہی اپنی ہر دم دعا ہو رہی ہے

آزادیٔ نسواں کی آئندہ خوش خبری

اک معزز یورپین سے ایک ہندی نے کہا آپکی کیا رائے ہے پردہ کی بابت اے جناب
عورتوں کو بند رکھیں ہم خزانہ کی طرح یا انھیں گھر گھر پھرائیں شکل نردِ آفتاب
انکو پڑھنے بھیجدیں ہم نارمل سکول میں اپنے گھر میں یا پڑھائیں اک مسائل کی کتاب
چاردیواری میں انکو قید رکھیں رات دن حسن کی انکے دکھائیں یا ہر اک کو آب و تاب
گھر سے جانیکی اجازت ہو نہ انکے واسطے یا پئے تفریح اپنے ساتھ ہوں وہ بے نقاب
ان کے جلسے منعقد ہر سال ہوں ہر شہر میں ناچ گھر انکے لئے تیار ہوں با آب و تاب
لکچر ہوں یہ زنانی محفلوں میں اسطرح سنکے جسکو سر دھنیں پردیکے باہر شیخ و شاب
ہر نمایش گاہ میں انکے قدم جائیں ضرور فائدہ تحقیق علمی سے اٹھائیں بے حساب
کیا ہر اک جلسے کے پہلو میں ہوں پردیکے قریب ہر مقرر کی نئی تقریر سے ہوں فیضیاب
اس کے ہر پہلو پہ پہلے غور فرمائیں حضور بعد اس کے دیجئے عقلی دلائل سے جواب
ہنس کے فرمایا ولایت میں رہو تم کچھ دنو تم کو ملجائیگا خود ہی ان سوالونکا جواب
آج بے پردہ ہے جو قوم اسکی حالت دیکھ لو اتنی تحقیقات میں کیوں اسقدر ہے پیچ و تاب
واقعونکو اسکے دو تطبیق اپنے حال سے فیصلہ پھر عقل کامل آپ کر دیگی شتاب
بات یہ ہے منہمک ایسے ہیں ہم تقلید میں ہیں پسندیدہ اسی سے سبکے فعل ناصواب

چل رہی ہے اسقدر اُلٹی ہوا تقلید کی
اب وہی اچھی ہوئیں باتیں جو پہلے تھیں خراب
بنگئے ہیں آج کل وہ قوم کے ریفارمر
جنکو ممنوعات سے بالکل نہیں ہی اجتناب
آہ اے قوم اسقدر تجھمیں ہوئیں تبدیلیاں
آہ اے قوم اسقدر تجھ میں ہوا ہی انقلاب
سورہے ہیں آجکل ساری مسلماں قبر میں
اور کچھ اسلام کی باتیں ہیں یا ہیں اوراق کتاب

پردہ داری میکند بر قصرِ کسریٰ عنکبوت
چغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

سچی آزادی

کام مذہب سے نہ ملت سے غرض ہو کوئی
ساتھ وکٹوریہ پارک میں ہو اُلفت ہر دم
وہ پریزاد ہو پہلو میں برائے تسکیں
پیچھے سائیس ہوا اُپر ہو سنگ روٹم ٹم
باتیں کچھ پیار محبت کی بہم ہوتی ہوں
قوم کی مرثیہ خوانی ہو پئے جاہ و حشم
وہ مہذب ہو تو میں بھی ہوں معزز لیڈر
صرف پوشاک پہ صورت پہ نظر ہو ہر دم
فوٹو لینا ہو تو لازمی ہے یہ احساں رکھیں
ایسی تصویروں کے رکھنے کا جدا ہو البم
کبھی جھگڑا ہو تو باقاعدہ ہو جنگ و جدل
لازمی ہے کہ روانہ کریں الٹی میٹم
اک کمیشن ہو مقرر کہ کرے تحقیقات
اک وزیٹر ہو معاون کہ کرے جوش کو کم
جائے میموریل اپنا کہ فیشن ایبل ہوں
وہ یہ درخواست کریں ہم ہیں مہذب بیگم
میں کہوں میں نے فلاں جگہ دیا ہے لکچر
وہ کہے میرے مضامیں ہیں خاتونِ ضم
فیصلہ اپنے موافق کرے جج آخر کو
پھر کہیں بغلیں بجا کر سر اجلاس یہ ہم

فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

جو گرجتے ہیں زیادہ وہ برستے کم ہیں

ہم نے مانا کہ مناسب ہے سودیشی تحریک
بابو صاحب مگر اس وقت بہت برہم ہیں
آپ غصے سے ہوئے جاتے ہیں نیلے پیلے
دل بھی بےچین ہے آنکھیں بھی ذرا پُر نم ہیں
کبھی کہتے ہیں کہ اب ہند کے دن پھر جائیں
اس لئے ہم ہمہ تن کیفیت ماتم ہیں

رونا آتا ہے کہ دولت یہ چلی جاتی ہے
غیر کھاتے ہیں اسے بھوک سے ہم بیدم ہیں

قحط سالی ہمیں گھیرے ہے تو دشمن افلاس
ہم تو مغموم ہیں پر غیر بہت خورم ہیں

دکھ سے فاختہ انڈے ہوں نصیب اعدا
غیر کھا جاتے ہیں دولت جو کماتے ہم ہیں

باندھ کر رکھیں گے اب گانٹھ میں اپنی دولت
جتنے دروازے ہیں اس ہند کے سب سم ہیں

صنعتیں سیکھیں گے سب اپنی ضرورت کیلئے
جسقدر دل ہیں وہ سب غیرت جام جم ہیں

اپنے آئینے میں منہ آپ ہی دیکھیں اپنا
آج سے متفق اللفظ بھی باہم ہیں

کرسیاں ہند سے ہو جائیں روانہ فی الحال
ٹاٹ کے فرش یہ قالین ہیں یا جاجم ہیں

لیکن اک بات مری یاد رہے یاد رہے
جو گرجتے ہیں زیادہ وہ برستے کم ہیں

قومی شیرازہ

کیا کیا بگڑ رہے ہیں ہندی سنور سنور کے
زینے سے آرہے ہیں نیچے اتر اتر کے

تعلیم سے یہ خالی تہذیب انکی ناقص
ہیں دھوبیونکے کتے نے گھاٹ کے نہ گھر کے

یہ اختلاف قومی ہنسوا رہا ہے ہم کو
بنٹا لو اپنے گھر میں جھگڑے جہان بھر کے

قومی رفارمر پہ پھبتی کہی یہ اچھی
اک ٹنڈ سے کھڑے ہیں سوکھے ہوئے شجر کے

اب خوبیاں ہماری ہیں پا تراب بالکل
گویا مسافروں میں سامان ہیں سفر کے

واعظ بھی کس قرینے کہتا ہے اپنے دلکی
دھرا رہے ہیں قصے ناداں ادھر ادھر کے

سودیشی تحریک

پہلے ہم کھو چکے سب صنعت و حرفت اپنی
اور عادت بھی زمانہ ہوا یہ چھوٹ گئی

نہ رہی ہم میں وہ آپس کی مروت بالکل
طوطا چشمی یہ زمانہ کی گلا گھونٹ گئی

متفق جتنے تھے سب ہو گئے آخر کو جدا
ایک ساجھے کی جو ہانڈی تھی وہ یوں پھوٹ گئی

یاد دلوا دیا تقسیم نے بنگالے کی
تم جو باندھے ہوئے دولت تھی کہیں چھوٹ گئی

پھر وہ واویلا مچایا کہ خدا خیر کرے
آس مدت سے لگائے تھے وہ سب ٹوٹ گئی

یاس نے درد جو پہلو میں اٹھایا آکر
بیکسی سینے کی حسرت کو بہت کوٹ گئی

اب بھلا رونیسے کیا چگ گئیں جب چڑیاں کھیت — آنکھ کھولو وہ زمانہ نہیں وہ لوٹ گئی
جوش پیدا ہوا ایسا کہ خدا خیر کرے — ہاتھ سے صبر و تحمل کی عناں چھوٹ گئی

کل تو توبہ کے لئے شیشہ ہی توڑا تھا
آج شیشہ کے لئے توبہ ہی ٹوٹ گئی

قومی چور

دولت کے کمانے کا کوئی ڈھنگ نہیں — محنت بھی کریں ہمکو کوئی ننگ نہیں
لیکن یہ ہے بہتر کہ بنیں قومی چور — لوٹا کریں ہر وقت مگر جنگ نہیں
ہو جائیں جو نظروں میں سبک کیا غم ہی — ہر ایک ترازو میں تو پاسنگ نہیں
دولت کے کمانیکے طریقے ہیں یہی — یہ رنگ زمانے کے ہیں نیرنگ نہیں
یہ شکر ہے ملجاتا ہے ایسوں کو بہت — قوموں کے خیالات ابھی تنگ نہیں
بیقاعدہ ہم کرتے ہیں خود کام شروع — تصنیف یہ وہ ہے جس کی فرہنگ نہیں

قوم کی حالت کا فوٹو

خراب آج کل ایسی ہے قوم کی حالت — کہ عام طور سے شاکی ہیں جسکے اہل نظر
وہ لوگ جو کہ ترقی کے آسمان پر تھے — پڑے ہوئے ہیں تنزل کے قعر میں اکثر
وہ قوم جس کی معترف تمام دنیا تھی — وہ قوم جسکی جہاں میں نظیر بھی کمتر
پڑی ہوئی ہے مذلت میں اسطرح افسوس — کہ آج رونے بھی والا نہیں کوئی اسپر
تمام ہند میں اس کی پکار ہے ہر سو — بتاؤ قوم ترقی کرے بھلا کیوں کر
یہی تو ہوتا ہے پہلا سوال اسکا بھی — کوئی رفارمر آکر جو دیتا ہے لکچر.
کہ کھول دو کہیں قومی ترقیوں کے باب — ہیں بند اسکے سبب سے فلاحیت کے در
پر آہ حل نہیں ہوتا ہے یہ معما بھی — کہ پی بہار کا بھی ہوگا اس چمن میں گزر
ہر اک جگہ پر اک انجمن بھی ہوتی ہے — ہر ایک جلسہ میں ہوتے ہیں چند نوحہ گر
یتیم خانہ کی بنیاد پڑتی جاتی ہے — ہر ایک جگہ پہ سوسائٹیاں ہیں جلوہ گر
مگر ترقی اسلام آہ کچھ نہ ہوئی — ہمارے مقصد اعلیٰ کے ہٹ گئے جوہر

نہ کچھ وقار ہمارا جہان میں باقی ہے — نہ کچھ ہماری ہے عزت میانِ اہلِ ہنر
حقوق ہوتے ہیں پامال اسطرح اپنے — مگر کسی کو بھی ہوتی نہیں ہے آہ خبر
سبب یہ ہے کہ مسلمان فرقہ بندی سے — مثالِ بازیٔ گنجیفہ ہو گئے ابتر
یہ اتفاق سے باہم جو میل جول رکھیں — تو اسقدر نہ مصیبت ہو انکی جانوں پر
ہمیں تو حکم ہے اسلام کا ہماری قوم — نہ خاندان کی ہے قائل نہ ملک کی خوگر
ہماری قوم جسے کہتے ہیں وہ مذہب ہے — عجم ہو ترک ہو ہندی ہو یا کوئی بربر
قبول کرلیا اسلام جس نے خوبی سے — ہماری قوم میں داخل وہ ہو گیا ہے بشر
اگر امیر ہے وہ تو ہمارا آقا ہے — اگر غریب ہے وہ تو ہمارا ہے افسر

صورتِ حال

کوئی بھی لیڈر نہیں ہے آج کل — فوج ہیں افسر نہیں ہے آج کل
مٹ گیا سڑکوں سے سارا لکھنؤ — مفلسوں کا گھر نہیں ہے آج کل
مسکینی مجبوریوں سے چھٹ گئی — پاس اپنے زر نہیں ہے آج کل
مس بنی ہیں ہند کی سب بیبیاں — حاجتِ زیور نہیں ہے آج کل
سب کے سب ٹینس میں ہوتے ہیں شریک — گنجفہ چوسر نہیں ہے آج کل
ٹوٹی پھوٹی جو نہ انگریزی بکے — وہ کوئی مسٹر نہیں ہے آج کل
آتشِ بغض و حسد ہے مشتعل — بند بابِ شر نہیں ہے آج کل
رشوتیں کھانے لگے اجلاس پر — حاکموں کا ڈر نہیں ہے آج کل
چہروں پر کرزن فیشن کا نور ہے — مونچھ کا چھپر نہیں ہے آج کل
مذہب و ملت سے ہیں بیزار سب — جنت و کوثر نہیں ہے آج کل
ورطۂ غم میں ہیں ابنائے جہاں — ناصر و یاور نہیں ہے آج کل
کسقدر ہے ہیچ ذاتوں کو عروج — فرقِ خیر و شر نہیں ہے آج کل
وہ پر پرواز رکھتا ہی نہیں — جسکے گھر موٹر نہیں ہے آج کل
خارج از تہذیب وہ القاب ہے — جسمیں لفظِ سر نہیں ہے آج کل
اُسکی عزت خاک بھی ہوتی نہیں — جو کوئی نوکر نہیں ہے آج کل

کون ایسا ہے کہ جس کو ہر گھڑی — فکر اخذ زر نہیں ہے آج کل
لیڈیاں آزادیوں پر ہیں مصر — مقتدر شوہر نہیں ہے آج کل
جسکو انگریزی زباں آتی نہ ہو — اس میں کچھ جوہر نہیں ہے آج کل
رائیگاں عشرت ہوا اپنا کمال
پرسش جوہر نہیں ہے آج کل

خطرناک دوست

اس سے پہلے تمام بنگالہ — ہو رہا تھا غریب اور تباہ
خاص کر ان میں جو مسلماں تھے — اُنکی حالت تھی اور بھی جانکاہ
ایک تو نوکری نہ ملتی تھی — دوسرے قحط خاں کا خیمہ گاہ
نہ تجارت کی تھی تمیز اُنھیں — اور نہ دولت کمانے کی کچھ چاہ
بے زری سے خراب حالت تھی — چاہ میں زر کی جھانکتے تھے چاہ
قحط سالی کے ہو رہے تھے شکار — غیر قوموں سے تھی نہ رسم نہ راہ
گو گورنمنٹ کی رعیت تھے — پر تھے محروم اُسکے فیض سے آہ
لاٹ کرزن نے کر دیا تقسیم — اسکو دو صوبوں پر برائے رفاہ
سوکھے دھانوں میں آگیا پانی — خوش ہوئے سب کے سب ترقی خواہ
پاگیا صوبۂ جدید قرار — کھل گئی نوکری کی تازہ راہ
سر فلر کو یہ پھر خیال آیا — کہ مسلماں نہ ہوں غریب تباہ
اُنکی بھی نوکری ہو دفتر میں — یہ بھی پائیں مراد خاطر خواہ
اِسپہ ناراض ہو گئے احباب — یہ خطا اور یہ قصور ہے آہ
اب یہ ضد ہے کہ مسترد ہو جائے — پھر ہو بنگال اسی طرح یہ تباہ
پھر مسلمان بھوکے مر جائیں — زک دوبارہ اٹھائیں خاطر خواہ
وائے بر دوستاں کہ می خواہند
دوستاں را زوال نعمت و جاہ

جاپان کی سوشیل حالت

جاپان کے اسباب ترقی سن لو
تم بھی کرو پیدا کوئی ایسی صورت

کچھ خاص و عوام میں وہاں فرق نہیں
بہتر ہے ہر اک قوم سے جسکی حالت

مزدور ہوں مفلس ہوں غریب اور امیر
آپسمیں ہر اک کی ہے مساوی عزت

گاڑی میں مسافر اگر آجاتا ہے
اعزاز سے سب کرتے ہیں اسکی عظمت

پہلو میں امیروں کے مزین ہیں غریب
الفت اُنھیں اُنسے انھیں اُنسے الفت

خود شاہ ہیں اس امر کے پابند اتنے
ملجائے غریب اُنکو اگر بد قسمت

پہلے اُسے تعظیم سے کرتے ہیں سلام
یہ ہاتھ اُٹھانیمیں ہے حاصل سبقت

الناس باللباس

دل یہ کہتا ہے ہو لباس نفیس
جس میں پوشاک کی رہے نہ ہوس

کبھی بانات ہو کبھی مخمل
کبھی کمخواب ہو کبھی اطلس

کامدانی ہو جامدانی ہو
دل کو مرغوب ہے چکن از بس

وہ زری کارچوب نادر کار
دیکھ کر خوش ہو ہر کس و ناکس

ہو کلہ ریشمی چکن کی ٹُبک
اس میں جالی کھلی ہوئی اَنفس

کُرتہ وہ چارخانے کا باریک
چھن رہی ہو نسیم صبح نفس

ہو قبائے نفیس بوٹی دار
چپکن اچکن عبا قبا انفس

اور عمامہ ہو وہ زریں کار
جو کہ ہو سر پہ ہر طرح چوکس

خاص ملبوس قیمتی نایاب
جوڑے ہر اک طرح کے دس دس

بجلی دیکھے تو اس کو شرمائے
ہو سواری کے واسطے وہ فرس

ڈاڑھی منڈوا لیے برابر صاف
اس چمن میں نظر نہ آئے خس

منھ ہو آئینہ کی طرح شفاف
بیٹھنے پائے ناک پر نہ مگس

الغرض کیجیے بناؤ سنگار
روح جبتک نہ چھوڑے تن کا قفس

زندگی کا تو اعتبار نہیں — عیش کرلیں جہاں میں چار برس
لیکن اس سے نہیں مفاد مجھے — رائے کو اپنی لیتا ہوں واپس
کیونکہ فرماتے ہیں جناب شیخ — اک نصیحت مجھے مفید از بس
روئے زیبا و جامۂ زیبا — صندل و عود و رنگ و بوے دہوس

ایں ہمہ زینت زناں باشد

شمعِ محفل

اشک کیوں آنکھ سے اے شمع تری جاری ہی — بزم میں بیٹھی ہے تو بزم سے بیزاری ہی
روتی ہے زار و قطار آہ یہ غم کس کا ہے — محفل عیش و مسرت میں الم کس کا ہی
باعث گریہ و زاری نہ کھلا کچھ ہم پر — چشم نمناک تری رہتی ہی کیوں اشک سے تر
بزم آراستہ ہی بیٹھے ہیں سارے احباب — ہیں کنول جھاڑ ہزار آئنے بیحد و حساب
فرش بھی ایک مکلف ہی قرینے سے بچھا — قطعہ رکھے گلدستے ہیں پھولوں کے مناسب جا
صدر دالان میں ہو زینت محفل نوشاہ — گرد بیٹھے ہیں حسینان جہاں صورت ماہ
کتنی آراستہ محفل ہے تکلف سے تمام — چیدہ چیدہ ہیں حسیں رشک پری ہیں گلفام
رقص سے ایک پریزاد لبھا لیتی ہے دل — کوکتی ہے کبھی کوئل سی میان محفل
فرحتِ دل کیلئے آتے ہیں جو آتے ہیں یا — مصرف گریہ و زاری تجھے سب پاتے ہیں
اسمیں کچھ شک نہیں تو ایک جہاندیدہ ہی — خلوتوں میں تجھے دیکھا ہے وہ سنجیدہ ہی
اگلی پچھلی نہیں ایسی کوئی صحبت باقی — جسمیں تو نور فشاں تھی نہ بصد رعنائی
بادشاہوں کے بھی دربار میں تو جاتی ہی — اور امیروں کے بھی پہلو میں جگہ پاتی ہی
آنکھ سے دیکھتی ہی منھ سے نہیں کہتی ہی — کان سے سنتی ہی جس بات کو چپ رہتی ہی
تو نے دیکھے ہیں وہ دربار مزیب دربار — تو نے دیکھے ہیں وہ اجلاس ثریا آثار
محفلیں دیکھی ہیں تو نے کہ نہ دیکھے کوئی — رونقیں دیکھی ہیں تو نے کہ نہ دیکھے کوئی
جشن نوشابہ میں بھی رنگ جمایا تو نے — لطف ہر عیش پرستی میں اٹھایا تو نے
بزم جمشید میں بھی جام کی رونق تو تھی — قصر غرناطہ کی اور شام کی رونق تو تھی
شاہ اکبر کے اکھاڑے کی تھی زینت تجھسے — تھی ہر اک بزم شب افروز کی عزت تجھ سے

قرطبہ کی وہ عمارات طلاکار غریب / تری پرنور سخاوت سے ہیں شہرت کے قریب
فخر کیوں کر نہ ہو بزم شعرا میں حاصل / وہ سناتے ہیں تجھے شعر سمجھ کر عادل
اور تو اور سمجھتے ہیں جنھیں سب عابد ق / احترام ان کا مقدم ہی کہ ہیں وہ زاہد
بزم آراستہ کرتے ہیں وہ خلوت میں اگر / تو وہاں ہوتی ہے پہلے ہی سے تو جلوہ گر
چھپ کے عالم سے کیا کرتے ہیں مینوشی / تجھ سے لیکن نہیں ہوتی ہی ذرا روپوشی
پایۂ تخت سلاطین کی ہے زینت تجھ سے / شورۂ شام اراکین کی ہے زینت تجھ سے
محفل عیش میں تو نور فشاں رہتی ہے / عشق بازوں کے خیالونکی زباں رہتی ہی
کیا وہ دربار مکلف جسے اعجاز کہیں۔ ق / دیکھ کر جسکو سلاطین جہاں دنگ رہیں
آج مشہور جہاں بزم سلیمانی ہے / دیکھنے سے جسے بلقیس کو حیرانی ہے
اُس کی رونق تری پُرنور شعاؤں سے تھی / اُسکی زینت تری دلچسپ اداؤں سے تھی
رام چندر کی جو سیتا سے ملاقات ہوئی ق / اور دشمن کو خطرناک وہاں بات ہوئی
اس خوشی میں کوئی جلسہ جو ہوا تھا برپا / اُس کی زینت کا نگا تیرے قدم نے نقشا
غیر جسمیں نہیں خلوت کا ہی اک ایسا گھر ق / فرش قالین کا ہے بچھی ہے مسہری اُسپر
جام رکھا ہے صراحی میں ہے لبریز شراب / اور گزک کیلئے موجود بطے کے کباب
ہم بغل یار سے معشوق پری پیکر ہے / رازداں تیرے سوا کون وہاں دیگر ہی
دیکھ سکتا نہیں یہ عیش کا جلسہ کوئی / چپ رہے صورت تصویر ہی ایسا کوئی
تو جہاں دیدہ ہے اس بات سے انکار نہیں / تو نہ ہو جسمیں وہ دربار میں دربار نہیں
اُنکو خوش کرتی ہے جو لوگ جلاتے ہیں تجھے / آج موصوف ہمہ وصف سے پاتے ہیں تجھے
عقل میں بات یہ آتی نہیں لیکن اصلا / بزم شادی کی شراکت میں یہ رونا کیسا
بات یہ ہے کہ یکایک جو خوشی کی ہو خبر / اشک بھر آتے ہیں آنکھوں میں ہر اک کے اکثر
بس اسی طرح کی ہو جاتی ہی رقت تجھ کو / ورنہ شادی میں نہ تھی اسکی ضرورت تجھ کو
جو سمجھتے نہیں کہتے ہیں کہ تو روتی ہے / ہمکو ہوتی نہیں جو تجھ کو خوشی ہوتی ہے

ایسی دیوانی تو اے شمع نہیں ہی تجھ تو
نکل آتے ہیں ترے فرط خوشی سے آنسو

کلام عشرت

جہاں میں ڈھونڈنیوالے کو کیا نہیں ملتا — مگر ہمیں دلِ بے مُدعا نہیں ملتا
کہاں ہیں وقت مصیبت قرار و صبر و شکیب — رفیق کوئی مزاج آشنا نہیں ملتا۔
بنا رہے ہیں وہ دل میں ہمارے گھر اپنا — کہ اس سے بڑھ کے مکاں دوسرا نہیں ملتا
غرور زندگی مستعار بے جا ہے — کسی کو مرہم زخم قضا نہیں ملتا
فراغ و صحبت احباب و یار و عہد شباب — کہاں گئے کہ کسی کا پتا نہیں ملتا
بشر کو عاقبت کار کا خیال رہے — بغیر نیک عمل کے خدا نہیں ملتا
ہجوم غم سے مرے دلمیں کیا خوشی آئے — یہ بھیڑ ہے کہ کہیں راستا نہیں ملتا
تمام کوچۂ جاناں کی خاک چھان آئے — کہیں غریب دل مبتلا نہیں ملتا

ہوا ہے سیر زمانے سے دل یہ اے عشرت
خوشی میں غم میں کسی میں مزا نہیں ملتا

بوسۂ تیغ دم قتل اگر مل جاتا — شکل غنچہ گل ہر زخم بدن کھل جاتا
ضبط نالہ جو نہ کرتا میں شب فرقت میں — تھر تھرا جاتی زمیں اور فلک ہل جاتا
دل میں زاہد کے بھی رہتی نہ ہوائے جنت — ترے کوچے میں جو اے رشک شمائل جاتا
مجھ سے نالوں کی اگر بحث عنادل کرتے — چیختے چیختے گلشن میں گلا چھل جاتا
ذائقہ عشق و محبت میں یہ حاصل ہوتا — لوگ کہتے کہ دل آیا ہے اگر دل جاتا

جب ازل میں حسن اپنا آشکارا کر دیا — آگ سینے میں لگا دی عشق پیدا کر دیا
اُسنے جب چاہا کہ دیکھے اپنی صنعت کی بہار — خاک کا پتلا بنا کر اُس کو گویا کر دیا
تمکو پردے سے نکلنے میں اگر انکار تھا — مجھسے شیدائی کو کیوں عالم میں رسوا کر دیا

مسیح بنکے کوئی معجزہ دکھا دینا — جگر کا درد ہو کم جس سے وہ دوا دینا
کہیں گی دیکھ کے تم کو بہشت میں حوریں — ہمیں بھی موہنی صورت ذرا دکھا دینا
فراقِ یار میں لذت نہیں ہے جینے کی — پلا کے زہر مجھے شام سے سُلا دینا
خدا غریب کی سنتا ہے غیب سے فریاد — بہت ہے ہاتھ دعا کے لئے اُٹھا دینا

وہ فاتحہ کو جو آئے کہا یہ شوخی نے
چراغ قبر ذرا ہاتھ سے بجھا دینا

جو کوہ طور پہ موسیٰ کو آئی تھی آواز
وہی صدا دمِ رخصت مجھے سنا دینا

یہ کہہ کے قتل سے میرے اٹھائے ہاتھ اُنہنے
کہ بے قصور کو لازم نہیں سزا دینا

کہیں نہ حشر میں بھی دید سے رکھیے محروم
کیا ہے وعدہ تو صورت ہمیں دکھا دینا

سنیں وہ یا نہ سنیں اختیار ہے ان کو
ہمیں حقیقتِ دل فرض ہے سنا دینا

نہیں ہے کوچہ الفت مقامِ آسائش
یہ بات حضرتِ عشرت کو بھی سنا دینا

کفر کا نام نہ اندیشۂ اسلام آیا
سب کو بھولا وہ جسے یاد ترا نام آیا

خط کا اس قاتلِ عالم نے جو لکھا نہ جواب
نامہ بر لیکے مری موت کا پیغام آیا

دل شگفتہ ہوئے، مستو نکلے، بہار آپہنچی
پھول کا جام لئے ساقیٔ گلفام آیا

ہر شہر ہر دیار میں مشہور ہو گیا
مجھ سے تو میرا نام بہت دور ہو گیا

وہ آفتابِ حسن جو رونق فزا ہوا
محفل میں رنگ شمع کا کافور ہو گیا

اک دم میں آسماں و زمیں کا نشاں نہ تھا
نالہ ہمارا ہمنفس صور ہو گیا

مر کر بھی عشق کی نہ گئی دل سے خو مرے
جنت میں جا کے شیفتہ حور ہو گیا

عشرت خفا خفا وہ رہے ہم سے کچھ دنوں
پھر اتحاد ربط بدستور ہو گیا

اُنکی نگاہِ ناز سے کیوں طور جل گیا
موسیٰ کا ارتباط رقابت سے کھل گیا

وہ آپ ہوں فراق میں یا اُنکی یاد ہو
کوئی نہ کوئی آکے مرے دل کو مل گیا

سچ تو یہ ہے رقیب نے ڈالا یہ تفرقہ
اقرارِ وصل کر کے وہ مجھ سے بدل گیا

دل میرا مجھ کو پھیر نہ دینا تھا توڑ کے
یہ چال وہ حسین شرارت سے چل گیا

موسیٰ سے کیوں حجاب کیا کوہ طور پر
کیا اور کوئی دیکھنے والا نکل گیا

الفت جتا کے یار کو مغرور کر دیا
ابتو مزاج اور بھی اُن کا بدل گیا

عشرت کٹھن ہے منزلِ الفت کا راستہ
دو ہی قدم میں پاؤں ہمارا پھسل گیا

کششِ عشق نے یہ کام کیا
اس نے خود نامہ و پیام کیا

دیکھکر مجھ کو جھک گئیں شاخیں
بید مجنوں نے بھی سلام کیا
حسن اُن کو تو عشق ہم کو دیا
فرق مابین خاص و عام کیا

جنکو وحشت ہوتی ہے تعمیر ویراں دیکھکر
کیا کہینگے عالم گور غریباں دیکھ کر
ہمنے پہچانا خدا کو روئے جاناں دیکھکر
میزباں کا راز پایا رنگ مہماں دیکھکر
ان حسینوں نے وفا کی ہے کسی سے دہر میں
دل انھیں دیتا ہے کیا اے دشمن جاں دیکھکر
اک گناہ عشق ہے اللہ اکبر اسقدر
ہاتھ کانوں پر رکھیں ہمکو مسلماں دیکھکر
خاک میں ملجائیگی اس باغ کی ساری بہار
خوش نہ ہو اربع عناصر کا گلستاں دیکھکر
روتے ہیں تکلیف حسن و عشق سے معشوق بھی
اشک یوسف گر پڑے تنگی زنداں دیکھکر
کی جنوں میں انتہا کی پردہ پوشی عشق نے
دیدیا صحرا کا دامن مجھ کو عریاں دیکھکر
واہ کیا انصاف ہے منھ پھیر لینا آپ کا
اپنے درباں سے مجھے دست و گریباں دیکھکر
آستینیں کیوں چڑھائیں وہ ہمارے قتل پر
شرم آتی ہو جنھیں شمشیر عریاں دیکھکر

ہم اسیران ہوا و حرص ہیں دنیا قفس
سمجھے تھے جسکو نشیمن ہے وہی اپنا قفس
جسم مردہ میں رہی دم بھر نہ روح ناتواں
اڑ کے پہنچی باغ میں بلبل جہاں ٹوٹا قفس
تنگنائے دہر میں آہوں کی گنجائش کہاں
آشیاں تو دور ہے چھوٹا سا ہی اپنا قفس

وہ گلستاں میں بھی اس خوف سے کم آتے ہیں
بلبل و گل پے انصاف ہم آتے ہیں
ایک ہاتھ اُسکے گریباں میں ہے اک ہاتھ میں دل
اس طرح معرکۂ حشر میں ہم آتے ہیں
اے چراغان سر گور غریباں ہشیار
قافلے سوئے شبستان عدم آتے ہیں
برہمن بت سے جو پاتا ہے مرادیں اپنی
یاد کیا کیا ترے الطاف و کرم آتے ہیں

پوچھتے کیا ہو در دولت پہ کیا لائے ہیں ہم
نقد عصیاں لائے ہیں عذر خطا لائے ہیں ہم
سر میں سودائے محبت دل میں شوق دید ہے
روز اول سے یہی اک مدعا لائے ہیں ہم
حشر میں پوچھیگا خالق تو یہی کہدینگے ہم
ساتھ اپنے عشق محبوب خدا لائے ہیں ہم
دل ہمارا قبر تیرہ میں جو گھبرانے لگا
روح بولی نور ایماں کی ضیا لائے ہیں ہم

امام اپنی جماعت کا بنا جب پیر میخانہ
صدائے قلقل مینا ہوئی تکبیر میخانہ
ادھر ٹوٹی سبو کی توبہ ٹوٹے اُسطرف کھولے
کلید ابر قفل ابجد تقدیر میخانہ
کریں ہم بادہ کش گر قصد بھی صحرا نوردی کا
بنے موج شراب آتشیں زنجیر میخانہ

جناب شیخ ہم رندوں میں بارش دراز آئے
زہے تقدیر مے خانہ زہے تقدیر میخانہ

بہار آنے دو حل ہوجائینگے مضمون لاینحل
بنے گا باغ میں ہر برگ گل تصویر میخانہ

جناب شیخ کو بیٹھے بٹھائے آج کیا سوجھی
کھلے لفظوں میں اب ہونے لگی تحقیر میخانہ

بیان کوثر و تسنیم زاہد نے کیا ایسا
مری آنکھوں میں عشرت پھر گئی تصویر میخانہ

کہتی ہے سر بزم یہی شمع سحر کی
اے اہل جہاں فکر کرو زاد سفر کی

دنیا تو حسینوں کی محبت میں بسر کی
اب وقت سفر فکر ہے اللہ کے گھر کی

ضد ہے کہ دل عاشق مضطر میں رہیں گے
توہین یہ بت کرتے ہیں اللہ کے گھر کی

جوہر ہے اگر تجھ میں تو کر گوشہ گزینی
برباد نہ کر عزت و توقیر ہنر کی

پھر کر نہیں آتا عدم آباد سے کوئی
کچھ خیر خبر تک نہیں ملتی ہے اُدھر کی

ہمارا جذب اُنھیں کھینچ لائے گا گھر سے
یہ کب اُمید تھی چھوٹے ہوئے مقدر سے

شہید کون ہوا قتل گہ میں خنجر سے
لہو جو روتی ہے تلوار چشم جوہر سے

بلائے جاں ہے بخیلوں کیواسطے دولت
ہلاک ہوگیا قارون کثرت زر سے

وہ دو گھڑی جو عیادت کو میری آئے تھے
ابھی تک آتی ہے بوئے عروس بستر سے

مٹے نہ سوزش دل آہ سرد سے یارب
یہ شمع بزم نہ ٹھنڈی ہو باد صرصر سے

غم فراق سے کیوں دل نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو
کہ چور چور ہو شیشہ لڑے جو پتھر سے

جگر میں زخم کوئی پڑ گیا نیا شاید
لہو ٹپکتا ہے ہر وقت دیدۂ تر سے

جواب نامہ بھی بھیجا نہ یار نے عشرت
بہت تحمل میں ہوا اپنے قلب مضطر سے

کمسنی جاتی ہے تو عہد شباب آتا ہے
جو مری جان کو آتا ہے عذاب آتا ہے

خط جلاتے ہیں کہ قاصد پہ عتاب آتا ہے
دیکھئے کیا مری قسمت سے جواب آتا ہے

خلوت خاص میں شرمانیکا باعث کیا ہے
بے محل آپ کو اسوقت حجاب آتا ہے

حُسن کی اسکو پرکھ ہے نہ وفاداروں کی
آندھی کی طرح دل خانہ خراب آتا ہے

خط کے پُرزے اُڑے قاصد بھی دہاں قتل ہوا
منتظر ہم ہیں کہ نامے کا جواب آتا ہے

فضل کی اُس کے نہ کچھ حد ہے نہ رحمت کا شمار
پھر ہمیں کیا ہے اگر روز حساب آتا ہے

فیضِ ساقی ازل سے ہیں سخن کے میخوار
اک نیا روز یہاں جامِ شراب آتا ہے

مہلت اک دم کی نہیں بحرِ فنا میں حاصل
جو حباب آتا ہے وہ نقش بر آب آتا ہے

انتہا ہو گئی عشرتؔ کی بد اعمالی کی
کہ فرشتوں کو بھی لکھنے میں حجاب آتا ہے

بزم ابتر ہوئی نکلے جو وہ میخانے سے
شیشے توڑے گئے چھلکی گئی پیمانے سے

حکما کہتے ہیں ہوتی ہے غذا جزوِ بدن
ہم تو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانیسے

آپ بھی جلتے ہیں غیروں کو جلانیوالے
صاف روشن یہ ہوا شمع کے جل جانیسے

محفل آباد رہے اخیر ہو خم کی ساقی
ایک دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

قطع گر رشتۂ تسبیح اگر دانا ہے
کشتِ امید ہری ہوگی نہ اس دانیسے

میکشی ترک نہ مجھ رند سے ہوگی واعظ
عہد شیشے سے ہے پیمان ہے پیمانے سے

دیکھ لو چل کے ذرا سیر وہاں بھی عشرتؔ
دو قدم خانۂ اللہ ہے بت خانے سے

چند روزہ ہے فقط روح بدن میں آئی
بوئے گل چار ہی دن کو ہے چمن میں آئی

پانی پانی ہوئے غیرت سے پریدہ غنچے
بے بلائے ہوئے شبنم جو چمن میں آئی

کاندھا عاشق کے جنازے کو جو اس گل نے دیا
بوئے عطرِ گلِ فردوس کفن میں آئی

صبا کو رہتی ہے دن رات جستجو تیری
چمن چمن لئے پھرتی ہے گل کو بو تیری

مردنی چھائی ہوئی ہے صورتوں پر آہ آہ
دل بھر آتا ہے جبینیں انکی خالی دیکھتے

علم سے خالی ہیں تو "ہندی" صنایع سیکھتے
بیکسوں کی شکل پر کچھ تو بحالی دیکھتے

جب سے ہوں پابندِ متروکات کی زنجیر میں
لطف اردو سے معلّیٰ ہے مری تحریر میں

رنگ ناسخؔ ہے نہ طرزِ مومنؔ و غالبؔ پسند
ہے شکر ریزی مری بالکل زبانِ میرؔ میں

ہمیں تو فخر ہے اپنی زباں کے جوہر پر
وہ اور ہوں گے جو احسان غیر لیں سر پر

ہر ایک بات کا ہے لطف اپنی اردو میں
یہ گڑ وہ ہے کہ تفوق ہے جسکو شکر پر

قدر دانی کا سبق دنیا میں گو مسدود ہے
لیکن اردو کی ترقی آج تک موجود ہے

متاعِ نیک کی حاجت ہوئی جب قریب گور آیا
کڑی ہیں منزلیں واجب ہوا زادِ سفر رکھنا

کسی میکش کی اے گلگرد چمن میں آمد آمد ہے
نئے گلرنگ سے غنچوں کے ساغر خوب بھر رکھنا

ہلال بدر سے ہو وہ ترا جمال نہیں — کمال حسن خداساز کو زوال نہیں

شکر خدا کہ آج میں اس مہر تک گیا — یاور ہوئے نصیب ستارہ چمک گیا
باد صبا چمن میں ہوئی مورد عتاب — غنچہ جو اُنکے خواب میں کوئی چٹک گیا

اُمید قطع ہوئی ملگیا جواب صاف — پھر آیا قاصد غمناک نامہ چاک ہوا

ابتو وہ غیر کے مہمان ہوا کرتے ہیں — سب مرے قتل کے سامان ہوا کرتے ہیں

بیوفا تیری نظر کا رنگ یہ محفل میں ہے — اک چھری سینے میں ہے تو ایک برچھی دل میں ہے
سنتے ہیں مجمع بہت کچھ کوچۂ قاتل میں ہے — ہم بھی قسمت آزمائیں یہ ارادہ دل میں ہے

گرچہ مرے پہلو میں وہ ہر وقت نہاں ہے — دیکھوں نہ اُسے میں یہ مجھے تاب کہاں ہے
ہر غنچہ میں ہر گل میں ہر اک برگ شجر میں — جلوہ تری نیرنگیٔ قدرت کا عیاں ہے

جہاں حضور کا دربار عام ہوتا ہے — قبول اچھے بروں کا سلام ہوتا ہے
صنم کدہ جو کبھی تھا وہ اب ہے بیت اللہ — وہاں تو روز نیا انتظام ہوتا ہے
پڑے ہوئے ہیں اگر غش میں حضرت موسیٰ — تو کوہ طور پہ کس سے کلام ہوتا ہے

آنکھیں اگر کھلی ہیں تو دیکھ اُس کا جلوہ — گلشن کے پھول ہنسکر کیا گل کھلا رہے ہیں
شبنم کی طرح گویا تھے اس چمن میں مہماں — آئے تھے رات کو ہم اب دن کو جا رہے ہیں

تری یاد ہمسے جدا ہو رہی ہے — تو اب زندگی بے مزا ہو رہی ہے
زمانہ محبت میں دشمن ہے اپنا — مخالف چمن کی ہوا ہو رہی ہے

پرورش یافتہ گلشن ایجاد میں تھا — دامن پیرہن گل میں رہا بو ہو کر

باغ جہاں میں کوئی غمگین ہے کوئی خوش ہے — شبنم تو رو رہی ہے ہنستے ہیں گل چمن میں

وہ عندلیب ہوں چمن روزگار میں — جس کی زبان بند کبھی ہو ہزار میں
گلشن میں وہ گئے تو یہ غنچوں نے دی دعا — پھولے پھلے رہو چمن روزگار میں

قسمت خوش نے دیا تھا جنہیں تاج شاہی — اُنکے اب کاسہ سر زیر قدم آتے ہیں
بلند و پست عالم کا خیال انسانکو لازم ہے — وہ گرتے ہیں زمیں پر جو فلک پر سر اٹھاتے ہیں

دنیا کے منعموں کو مبارک ہوں نعمتیں — ان ذائقوں سے اپنی زباں آشنا نہیں

کچھ پوچھئے نہ عشق و محبت کا ذائقہ — دنیا سے کھو دیا دل خانہ خراب نے

ہوئی نہ دل کو تسلی کسی طرح عشرت — بہار باغ کی جب لوٹ لی خزاں دیکھی

تہذیب جو پھیلانے کو آئے انگریز — ہمنے کہا رہنے دو تم اپنی تہذیب
وہ جہل ہی اچھا تھا کہ سستا تھا اناج — یہ علم تو ہے قحط و گرانی کا ادیب

خوف مجکو اسقدر تھا بخت نافرجام سے — ہاتھ میں تسبیح لے لی گردش ایام سے
شاد ہو اے دل بقائے عمر و غم دائم نہیں — دل لگی کرتی ہے دنیا عاشق ناکام سے
ساقیا ساغر پیاپے دے کہ آئی ہے بہار — شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا سکوت جام سے

کس جگہ تاباں ترا جلوا نہیں — آنکھ ہے تو تو پس پردا نہیں
دونوں عالم میں ترا مہمان ہوں — مجکو ہست و نیست کی پروا نہیں

خدا نے ذوق بخشا ہے جنھیں کچھ علم اُردو کا — بسر ہوتی ہے اُنکی زندگی کس کس مصیبت سے
ہمیں مرہم یہ افلاطوں کی حکمت کا پسند آیا — کہ روزی ایک جو بڑھتی نہیں علم و فضیلت سے

ایک دن اور ایک شب کا عمر فانی نام ہے — دن تو آخر ہو چکا اب انتظار شام ہے
عشق میں مفلس ہو یا زردار دونوں ایک ہیں — اس تماشے میں کہاں تفریق خاص عام ہے

افسوس کہ ہند کی وہ صورت نہ رہی — شوریدہ سری سے خاک عزت نہ رہی
پنجاب کی شورش نے مٹایا کیا کیا — اُجڑی ہوئی بستی کی وہ زینت نہ رہی

صد حیف کہ ہند میں وہ ساماں نہ رہا — وہ حفظ کا وہ امن کا عنواں نہ رہا
چلتی ہے شب و روز بغاوت کی ہوا — سامان خور و نوش غریباں نہ رہا

آج آزادی کے جو خواہاں ہیں دیوانے ہیں سب — اس میں ہندو یا مسلماں ہوں یہ بیگانے ہیں سب
کام آ سکتا نہیں پولٹیکل ایجیٹیشن — خود غرض اندھے اگر تھوڑے ہیں تو کانے ہیں سب

جاپان ترقی پہ نظر آتا ہے — محنت سے ہر اک شخص ثمر کھاتا ہے
ہوتا ہے زمانے کا کبھی ایسا رنگ — شاگرد سے اُستاد سبق پاتا ہے

سب ایک ہوں اب دل یہی للچاتا ہے — تفریق سے بے چین ہوا جاتا ہے
اب ہند کی پھوٹ پڑ گئی ہے پھیکی — خربوزے میں قند کا مزا آتا ہے

مشہور دلاوروں میں لاثانی ہے — روس اُس سے کرے جنگ تو نادانی ہے
دریا میں رہے اور مگرمچھ سے بیر — پانی کا تو بادشاہ جاپانی ہے

اُمید تھی نہ کسی کو بھی فتح پانے کی — خدا نے رکھ لی ہے جاپان کی یہ بات بڑی
غرور کبر بشر کے لئے نہیں زیبا — کبھی کا دن ہے بڑا اور کبھی کی رات بڑی

مسن ہے شیخ غریب لیکن خیال کہنہ لٹو ہوئے ہو — کبھی نہ چھوڑیگا اپنا جھگڑا اگرچہ جاری ٹریو ہے
فقیر یہ تو لکیر کا ہے سنے گا کیونکر کسی کا کہنا — گدھے کو موٹر سمجھ رہا ہے تو اونٹ پر حکم ریلو ہے

وقف اولاد کے بارے میں پریوی کونسل — ایک شبہے میں پڑا ہے وہ مٹایا جائے
فقہ اسلام میں اولاد کا ہے وقف بجا — شرع کی خاص کتابوں میں دکھایا جائے

ایران کی آئین حکومت کی بدولت — بے چینیاں پھیلی ہیں عجم اور عرب میں
شہ کہتے ہیں جو اسکے ہے دستور مخالف — دونوں کی غرض جان پڑی ایک غضب میں

ظلم و تعصب ایسی مذموم عادتیں ہیں — دانش پہ آدمی کے جو پردہ ڈالتی ہیں
نا منصفی کی باتیں یہ جاہلی کی باتیں — اچھے بھلے بشر کو گھر سے نکالتی ہیں

آنکس کہ بہ تحریک سودیشی شیدا است — کارش ہمہ بر خلافِ کار عقلا است
حاصل نہ شود بجز خجالت زیں کار — سالے کہ نکو است از بہارش پیدا ست

یہ کوئی سخت کارزار نہیں — جنگ ترکی نہ رزم روسی ہے
جمع ہولی کے ہیں یہ ہلیارے — اور بوتل میں کچھ لہو سی ہے

ہولی کا مزا فقط زبانی نکلا — افلاس بس اک رفیق جانی نکلا
سمجھے تھے گل لالہ بنے گا یہ ہند — جو رنگ اچھالا گیا پانی نکلا

ہولی میں یہ گُہر فشانی کیا ہے — دشنام ہے یا دُرِ معانی کیا ہے
وہ رنگ اچھالو کہ کوئی کھیل بنے — بیہودہ فقط حرب زبانی کیا ہے

روزے کا ہے خیال نہ فکر نماز ہے — موٹر کا ذوق شوق ہوائی جہاز ہے
مایوس کیوں ہیں رحمت حق سے گناہگار — ہم دل شکستہ ہیں وہ شکستہ نواز ہے

علاج درد دل بے قرار ہو نہ سکا — یہ کام تجھ سے نسیم بہار ہو نہ سکا

اک ترے خوش ہونے سے سارا جہاں غمناک ہے — برق کے ہنسنے سے چھلنی سینۂ افلاک ہے
خاکساری کر کہ کچھ دنیا میں حاصل ہو فروغ — پار یوں بحرِ فنا سے ہو اگر پیراک ہے
حق نے جو شے آدمی کو دی ہے وہ انمول ہے — کان سننے کیلئے ہیں سونگھنے کو ناک ہے

گذر ہوا مرا کل ایک کہنہ تکیئے میں — گیا تھا ڈھونڈتے اک بوٹی کیمیا کیلئے
پڑا جو پاؤں کسی قبر پر تو ڈر کے کہا — معاف کر ہمیں اے شخص تو خدا کیلئے
وہاں قبر شکستہ سے یہ صدا آئی — اگرچہ وقت معین نہیں قضا کیلئے

مگر غرور سے بچتا رہے مدام انساں ۔ کہ کبر و ناز تو زیبا ہے کبریا کے لئے
اُٹھا کے سر جو چلتے تھے کسی زمانے میں فلک نے خوب عوض خاک میں ملا کے لئے

جب جوانی میں قدم رکھا غرور آنے لگا آئینے سے چار آنکھیں کرکے اترانے لگا

بڑوں کے واسطے اسباب شہرت وجہ نقصاں ہیں یہ ماہ نو نہیں ہے شیشہ گرد ونیں بال آیا

مغربی تہذیب پھیلانے لگی اپنا اثر ہم بھی اب کہنے لگے گڈ مارننگ مائی ڈیر

مروج ہند میں یورپ کی بولی ہونیوالی ہے کہار اب کیا کریں، نابود ڈولی ہونیوالی ہے

عدالت میں تو اب جاتے ہوئے اشراف ڈرتے ہیں سر دربار عملے والے سب جیبیں کترتے ہیں

جب انساں کو کچھ فضیلت ہو حاصل تو لازم ہے اُس کو رکھے برقرار
رہیں نیکیاں عام لوگوں کے ساتھ شریفوں کی صحبت کرے اختیار

بدچلن لوگوں سے ڈرنا چاہیئے ہر طرح پرہیز کرنا چاہیئے
جمع جس کوچہ میں ہوں دس مسخرے اس گلی سے درگذرنا چاہیئے

مشک نافہ ہمنشین نیک ہے پاس جو آئیگا وہ بس جائیگا
آدمی انگور کے سایہ میں جب جاکے بیٹھے گا تو کچھ پھل پائیگا

تواضع اہل فن کی ہے علامت کہ شاخ بارور جھکتی ہے اکثر
زمیں میں جسقدر گہرائی ہوگی زیادہ ہوگا پانی اُس کے اندر

کچھ اور رنگ میں لذت کش مآل رہا حیات میں بھی اُسے موت کا خیال رہا
متاع عمر دو روزہ دغا نہ دی جائے نفس کی آمد و شد سے یہ احتمال رہا
ہجوم بیخودی عشق نے کرامت کی فراق میں بھی کسی سے مجھے وصال رہا
چمن میں پھول بھی کوئی نہ ہاتھ سے توڑا صدائے دل شکنی کا اُنھیں خیال رہا
سکھا گیا ہمیں انداز عشق پروانہ کہ جلتے جلتے بھی محو رخ جمال رہا
رکیں جو نزع میں آ ہیں تو ہچکیاں آئیں تمام شب ترے بیمار کا یہ حال رہا
نہ دل میں درد ہی باقی رہا نہ آنکھوں میں اشک دم اخیر نہ کوئی شریک حال رہا
اب اُس کے رحم پر موقوف ہی نجات اپنی تمام عمر گناہوں کا انفعال رہا
رہین منت پرسش ہوا نہ یہ عشق [illegible]
وحید دفتر عالم مرا کمال [illegible]

تمام شد

مکمل فہرست مفت طلب فرمائیے

تصانیف خواجہ عشرت لکھنوی

شاعری کا مکمل سیٹ عہ/

لغات اردو کا مکمل سیٹ ۲/

مضمون نویسی	اصلاح زبان اردو	زبان دانی	ہجوی مکمل سیٹ
۶/	۶/	۶/	عہ/

ترجمان پارس ۶/

جان اردو ۶/

ملنے کا پتہ

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت احاطہ خانساماں لکھنؤ

ستمبر ۱۹۲۸ء